جاپان

جاپان

مصنفہ چمن لال

مترجمہ محمود علی خاں (جامعی)

مترجم "کسان" و "خدائی خدمتگار"

مکتبہ جامعہ - دہلی

بار اول دو ہزار

سنہ ۱۹۳۵ء

قیمت
غیر مجلد [illegible]
مجلد [illegible]

فہرست مضامین

فہرست تصاویر

تقریب

(از قلم مسٹر نکاتشی چیف ایڈیٹر ٹوکیو نچی نچی و اوساکا منیچی)[1]

آج جاپان اپنی اس تہذیب پر نازاں ہے جو غیر ملک والوں کی نظروں میں لاثانی معلوم ہوتی ہے۔ وہ اس خیال میں مگن ہے کہ اس کی قوم شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔ اور قدیم مشرقی تہذیب کا احیا کر رہی ہے

جدید جاپان اس امر کی کوشش کر رہا ہے کہ مشرق اور مغرب دونوں میں جو قابل قدر خوبیاں ہوں ان میں ایک امتزاج پیدا کر دیا جائے۔ لیکن اس واقعہ سے کون انکار کر سکتا ہے کہ قدیم جاپان ہندوستان ہی کا مرہون منت ہے جو کبھی مشرقیت کا گہوارہ تھا۔ اگر اس کتاب کے مصنف کو موجودہ جاپان سے کچھ استفادہ ہوا ہو تو انہیں اور ان کے ناظرین کو یقین رکھنا چاہیئے کہ یہ سب کچھ ہندوستان ہی کی ضیا پاشیوں کی جلوہ گری اور اسی کا فیض ہے

قومیں بہر حال دوسروں کی خوبیوں کی پیروی کرتی ہیں اور اس طرح ترقی کے مدرج طے کرتی ہیں۔ بالفاظ دیگر ترقی نام ہی ہے داد و ستد کے ثمر شیریں کا۔ میں خلوص دل سے یہ امید کرتا ہوں کہ عظیم الشان ہندوستان کے بسنے والے اپنی ماضی کی عظمتوں کو فراموش نہ کرینگے مستقبل کا فلسفیانہ انکسار کے ساتھ مقابلہ کرینگے اور حال میں اپنے معاصرین کے تمام محاسن کو قومی شغف کے ساتھ اختیار کریں گے اور اپنی تہذیب کے ساتھ ان میں ایک توازن پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

(مورخہ ۱۵ جنوری ۳۵ء)

---

[1] جاپان کا سب سے بڑا روزانہ اخبار جس کی اشاعت ۳۵ لاکھ ہے۔

مقدمہ

(از ڈاکٹر جیمز۔ اے۔ بی۔ شیرر[1])

مسٹر چمن لال نے اس کتاب پر مقدمہ لکھنے کی مجھے عزت بخشی ہی اور میں بڑی خوشی سے ان کی فرمائش کی تعمیل کرتا ہوں

جہاں تک مجھے اس کتاب کے مسودے کو دیکھنے کا موقع ملا میں نے اس میں تین خوبیاں پائیں مسٹر چمن لال نے اس موضوع پر تازہ ترین حالات سے بحث کی ہی مسئلہ جاپان پر کتابوں کے انبار موجود ہیں اور بیشتر اسی انداز میں لکھی گئی ہیں۔ غیر ملکی مصنفین عموماً تاریخ کی فرسودہ ہڈیوں سے ایک ڈھانچہ تیار کرتے ہیں پھر اپنے مشاہدات کی بنا پر اسے گوشت پوست سے آراستہ کرتے ہیں۔ بہر حال کتاب کی ساری خوبی اس پر منحصر ہی کہ مصنف اس ڈھانچہ کیلئے کس قسم کی ہڈیاں منتخب کرتا ہی اور پھر کس طرح گوشت پوست سے اسے آراستہ کرتا ہے یہی وجہ ہی کہ بہت کم مصنفین اچھی کتابیں پیش کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ لیکن مسٹر چمن لال اس میں کامیاب ہوئے ہیں کیوں کہ ایک تو انھوں نے ہندوستانی کی حیثیت سے ہر چیز کو دیکھا ہی اور دوسرے ان کی نظر بہت گہری ہی۔ ہندوستانی کی حیثیت سے تو انہیں مشرق کی تاریخ اور اس کے نظریوں سے خاص تنغف ہی اس لیئے اس ڈھانچہ کا تخیل گویا ان کے اندر فطری موجود تھا اور ایک کہنہ مشق جرنلسٹ کی حیثیت سے جس نے بہت سے ملک اور بہت سی قوموں کے حالات کا مطالعہ کیا ہو وہ یہ جانتے ہیں کہ کسی چیز کی تہ تک کیوں کر پہنچ سکتے ہیں غرض کہ یہ کتاب جسے وہ "جاپان کے راز ہائے سربستہ" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں تازہ ترین اور سبق آموز حالات پر مشتمل ہی اور بہر صورت اس قابل ہی کہ لوگ اس کا بغور مطالعہ کریں۔

مسٹر چمن لال کا انداز بیان ہمدردانہ ہی۔ اگر کسی مصنف کو کسی ملک کے ساتھ دلی ہمدردی

---

[1] ڈاکٹر شیرر "رومنز آف جاپان" "جاپانز ایڈوانس" اور دیگر متعدد کتابوں کے مشہور و معروف مصنف ہیں اور یہ میری خوش قسمتی ہی کہ وہ اس کتاب پر مقدمہ لکھنے پر تیار ہو گئے (چمن لال)

نہ ہو تو اس کے متعلق وہ کامیابی کے ساتھ اظہار رائے نہیں کرسکتا ہمدردی کے بغیر وہ اپنے موضوع کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ ان لوگوں کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے جن پر اسے لکھنا ہو۔ جاپان کے مسئلہ میں تو ہمدردی میں مبالغہ کا بھی امکان ہے۔ ہیزلٹ نے شیکسپیر کے متعلق لکھا تھا کہ "ہماری قدر دانی آسانی سے اُن کی خوبیوں کا احاطہ نہیں کرسکتی"

مسٹر چمن لال خود ایک وطن پرست ہندوستانی ہیں۔ انہوں نے اس نظر سے جاپان کو دیکھا کہ میرے ہم وطن اس سے کیا سبق سیکھ سکتے ہیں اس لیے ان کی کتاب کو اخلاقی اہمیت بھی حاصل ہے۔

مجھے دو مرتبہ ہندوستان جانے کا فخر حاصل ہوا اور میں نے روئے زمین پر اسے سب سے زیادہ دلکش ملک پایا - علاوہ ازیں میں گذشتہ چالیس سال سے جاپان کا بھی مطالعہ کر رہا ہوں اس لیے میں اس اقدام کا خیر مقدم کرتا ہوں جو مشرق کی خوبیوں کا حامل ہے اور جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جاپان ایک حد تک ہندوستان کے ان بیشمار احسانات سے عہدہ برا ہو سکے جن کے لیے وہ اپنے ماضی میں اس کا ممنون ہوا ہے۔ ہندوستان کے بغیر جاپان جاپان نہیں ہو سکتا تھا لیکن آج ہندوستان کو جاپان کی پیروی کر کے اپنے مستقبل کو ماضی سے زیادہ شاندار بنانا چاہیئے۔

(ٹوکیو)

دیباچہ

قومیں اپنی قسمت سے اُبھرتی اور گرتی ہیں یعنی ان کا عروج وزوال اور ان کی ترقی و تنزل اُن کے تقدیر کے ماتحت ہوتا ہے لیکن میرا عقیدہ ہے کہ اقوام اور افراد اپنی قسمت خود بناتے اور بگاڑتے ہیں ان کی تقدیر خود اُن کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور خدا بھی انہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرنا جانتے ہیں،

ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان روئے زمین پر سب سے زیادہ خوشحال اور متمول ملک تھا، لیکن دو صدی تک انگلستان کی سرپرستی میں رہنے کے باوجود آج وہ سب سے غریب اور محتاج ہے، بخلاف اس کے جاپان کو ملاحظہ کیجئے جو ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے اور صرف ایک صدی قبل ساری دنیا سے علیحدہ گمنامی کے غار میں پڑا تھا مگر آج دنیا کی زبردست سلطنتوں میں اس کا شمار ہوتا ہے حتیٰ کہ ہمارے حکمران انگریز بھی اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں اس لئے ہمیں غور کرنا چاہئے کہ آخر جاپان کی اس غیر معمولی ترقی کا راز کیا ہے؟ یہی وہ سوال ہے جس کا میں نے اپنے ہم وطنوں کے فائدہ کی خاطر اس کتاب میں جواب دیا ہے،

اب تک غرض مند لوگ ہمیں یہی بتلاتے رہے ہیں کہ ین (جاپانی سکہ) سستا ہونے، مال کو سستا کر کے بیچنے اور حکومت کی جانب سے صنعتوں کو مالی امداد ملنے سے جاپان نے اتنی ترقی کرلی ہے، کوئی شخص کچھ عرصے تک کسی کو غلط فہمی میں مبتلا رکھ سکتا ہے لیکن سب کو ہمیشہ ہمیشہ دھوکا نہیں دیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ اب حق ان لوگوں کی زبان پر بھی آنے لگا ہے جو دو سال پہلے جاپان کی صنعتی ترقی کے سب سے بڑے منکر اور مخالف تھے، چنانچہ جاپان کے برطانوی صنعتی مشن کی رپورٹ سے میرے ان ہم وطنوں کی آنکھیں کھل جانا چاہئیں جو صرف انگریزوں کے دماغ اور انگریزوں کی نظر سے تمام بین الاقوامی مسائل کو سمجھنے اور دیکھنے کے عادی ہیں،

محض سکہ کی شرح یا سرکاری امداد کے بل بوتے پر کوئی قوم ساری دنیا کا مقابلہ

نہیں کر سکتی، جہاں تک میں نے محسوس کیا ہے جاپان کی ترقی کے اہم راز حسب ذیل ہیں اگرچہ سکہ کی شرح میں کمی بھی بہت حد تک مدد و معاون ثابت ہوئی ہے

۱ - انتہائی وطن پرستی
۲ - قومی زبان
۳ - قومی سیرت
۴ - ڈسپلن
۵ - لازمی تعلیم
۶ - شہنشاہ سے عقیدت
۷ - مشفق حکومت
۸ - مشترکہ خاندان
۹ - دیانت دار اور مطمئن مزدور
۱۰ - کاروبار میں اشتراک عمل
۱۱ - قوت اختراع اور ہر چیز کو حسب ضرورت قبول کرنا
۱۲ - نہایت سستی برقی قوت
۱۳ - نہایت سستے ذرائع رسل و رسائل
۱۴ - ہر گھر میں ریڈیو
۱۵ - قربانی کرنے والی ایڈیل
۱۶ - ساری دنیا سے سستے اخبارات
۱۷ - قدرت کی مہربانیاں
۱۸ - موت سے کھیل

ممکن ہے ان کی بعض خصوصیات میری نظر سے رہ گئی ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ زیادہ تر میں نے پیش کر دی ہیں در اصل یہی وہ خوبیاں ہیں جنہوں نے اسی سال کے اندر اندر جاپان کو کیا سے کیا کر دیا میری یہ عین خواہش ہے کہ میرے ہم وطن بھی اس کی پیروی کریں، وطن پرستی، ڈسپلن، اتحاد و اتفاق، بے خوفی اور وطن کی خاطر جان قربان کرنے کا سبق سیکھیں، میں جاپانی امپیریلزم (ملوکیت پرستی) کا سخت مخالف ہوں، مجھے جاپان سے اکثر امور میں اختلاف ہے، مگر اس کتاب کو پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ میرے ہم وطن بھی جاپان کی ترقی کے رازہائے سربستہ سے واقف ہو جائیں، میرا ارادہ ہے کہ ہندوستان کی اکثر زبانوں میں اس کتاب کو شایع کروں اور حتی الامکان کم سے کم قیمت پر فروخت کروں تاکہ ہر پڑھا لکھا ہندوستانی یہ سمجھ سکے کہ ہم اپنی کھوئی ہوئی عظمت کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔

میں نہ کوئی مصنف ہوں نہ مورخ بلکہ تمام جرنلسٹوں کی طرح میں بھی حالات حاضرہ کا مطالعہ کرنے والا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں اس لئے میری کتاب بھی ایک طالب علم کے بیان سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی، شہد کی مکھی پھول پھول پر بیٹھتی ہے ان کا رس چوس لیتی ہے اور اس کا شہد بنا کر دنیا کو پیش کرتی ہے، یہی خدمت میں نے انجام دی ہے، اس کتاب کا خاکہ تو میرا تیار کردہ ہے لیکن اس میں رنگ آمیزی ان اچھی سے اچھی چیزوں سے کی گئی ہے جو مجھے حاصل ہو سکیں میں

اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس کتاب میں صرف خوشگوار پہلو پیش کیا گیا ہی کیوں کہ میرا نام ہی "چمن" ہے

؎ بلبلا مژدہ بہار بیار ؛ خبر بد برائے بوم بگذار[1]

غرض کہ میرا مقصد یہ ہی کہ جاپان کی اچھی باتیں اپنے ملک والوں کے سامنے پیش کروں تاکہ وہ ہندوستان کی سابقہ عظمت بحال کرنے کے لئے اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرسکیں،

جاپان دنیا میں محض جنت نہیں ہی، دوسرے ملکوں کی طرح اس میں بھی کمزوریاں موجود ہیں، کوئی ملک یا کوئی انسان ہر اعتبار سے مکمل نہیں ہوتا، اگر کوئی ڈھونڈ ڈھونڈ کر عیب نکالنا چاہے تو ہر جگہ نکل سکتا ہی اور اگر مس میو جیسی اندھی مصنفہ (جسے مہاتما گاندھی نے گندی نالیوں کی انسپکٹر کا خطاب دیا ہی) جاپان جائے تو اُسے وہاں بھی ہر چیز تاریک نظر آئے گی سنسکرت کی ایک ضرب المثل ہی کہ ایک بُرے شخص کو ہر چیز بری اور شیطانی نظر آتی ہی یہ مثل جاپان کے معاملہ میں بھی درست ہی کیونکہ مجھے اکثر ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہی جنھیں جاپان میں کوئی اچھائی نظر ہی نہیں آتی بلکہ ہر چیز کو برا برا کہتے ہیں، مجھے ایسے لوگوں کی ذہنیت پر جو بھلائی کو محسوس کرنے سے قاصر ہیں، افسوس آتا ہی جیسا کہ میں پیشتر عرض کرچکا ہوں میں جاپان کا اندھا مقلد و مداح نہیں ہوں اور وہاں کی ہر چیز کی تعریف نہیں کرتا لیکن اس کتاب کے لکھنے سے میرا مقصد صرف یہ ہی کہ اس کا روشن پہلو پیش کروں تاکہ ہماری قوم کو اپنی تعمیر کے سلسلہ میں کچھ امداد ملے، اور وہ اس سے کچھ عملی سبق حاصل کرسکے،

ہم ہندوستان میں بادشاہی قائم کرنا نہیں چاہتے لیکن اس سے کون انکار کرسکتا ہی کہ جاپان کی دیگر خوبیوں کی پیروی کرنے سے ہم ایک عظیم الشان قوم کے مالک بن سکتے ہیں، ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ اس کتاب میں سیاسی مباحث سے بالکل احتراز کیا گیا ہی درا صل میں نے عمداً پیچیدہ مسائل کو نہیں چھیڑا ہی جیسے امریکہ روس، یا چین سے جاپان کے تعلقات

---

[1] اے بلبل تو بہار کا مژدہ سنا ؛ اور بری خبر اُلّو کیلئے چھوڑ دے

یا منچوریا کا معاملہ، کیوں کہ ان مسائل پر بحث کرنے سے پہلے یہ ضروری ہو کہ ان تمام ممالک کو اپنی آنکھ سے دیکھا جائے اور خود وہاں کے حالات کا مطالعہ کیا جائے، کوئی شخص حقیقت کو سمجھنے کے لیئے کافی وقت صرف کیئے بغیر ان معاملات پر صحیح رائے زنی نہیں کر سکتا میں نے امریکہ منچوکو اور چین کو سرسری نظر سے دیکھا ہی لیکن مشرق بعید کے ان پیچیدہ مسائل پر اظہار رائے کرنے کا اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا

ہم وطنوں سے درخواست

بہر حال اپنے ہم وطنوں سے میں درخواست کروں گا کہ وہ ایک لمحہ کے لیئے اس پر غور کریں کہ ۳۵ کروڑ انسانوں کی قوم کیوں دنیا میں ذلیل وخوار ہی، آج ہندوستان کا ہندوستان کی حیثیت سے کوئی وجود ہی نہیں ہی بلکہ اسے برطانوی ہند کہتے ہیں، اور دنیا کے اخبارات اسے برطانوی نو آبادی کے نام سے پکارتے ہیں، کیا آپنے یہ کبھی محسوس کیا ہی کہ "برطانوی ہند" کتنا مضحک اور ذلت آمیز لفظ ہی، ہم نے اپنی دولت، اپنی فوجی قوت، اپنی صنعت وحرفت سب کچھ کھو دی لیکن اس تباہی کی انتہا یہ ہی کہ اب مادر وطن کا نام "ہندوستان" بھی ختم ہو گیا، میں آزادی پر کوئی وعظ کہنا نہیں چاہتا لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ آپ اپنی غلامی اور تنزل کے اسباب پر ذرا غور کریں، میرے نزدیک ہمارے تنزل کے چار اسباب ہیں یعنی حسد، ڈسپلن کا فقدان، ذاتی اغراض پر قومی مفاد کا قربان کرنا، اور موت سے ڈرنا، اگرچہ مجھے یہ کہتے ہوئے بڑی تکلیف اور شرم محسوس ہوتی ہی لیکن اس کا اظہار کرنا بھی میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ہمارے بعض مخلص رہنما بھی حسد اور خود غرضی کے جراثیم سے پاک نہیں ہیں، وہ بڑی بڑی قربانیاں تو کر سکتے ہیں لیکن افسوس کہ حسد کو ترک نہیں کر سکتے،

کچھ ہندوستان کے اندر ہی نہیں بلکہ جہاں کہیں ہندوستانی آباد ہیں یہی افسوسناک منظر دیکھنے میں آتا ہی، جب تک ہم حسد، بدنظمی، خوف اور غداری کو ترک نہ کردیں ہماری بہتری کی کیا امید ہو سکتی ہی، تاہم اس تاریکی میں اب امید کی ایک جھلک نظر آنے لگی ہی اور میں صاف دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان کے نوجوان ان آبائی برائیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہے ہیں،

اسمبلی کے تازہ ترین انتخابات نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ عوام ان خود غرض غدار وطن اور بزدل فرقہ پرستوں سے عاجز آ گئے ہیں کیوں کہ یہ ہمارے درمیان میں بدنظمی پیدا کرتے ہیں اور "مذہب کو بچاؤ" "مذہب خطرے میں" چیخ چیخ کر غلامی کی زنجیروں کو مضبوط کرنے کا باعث ہوتے ہیں، یہ فرقہ پرست لیڈر جو اپنے گناہوں پر اکثر قوم پرستی کا پردہ ڈال لیتے ہیں ہندوستان کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور ہمیں اُن کو ہندوستانی سیاسیات سے نکال باہر کر دینا چاہیئے، خون خرابے، بلوے اور اتحاد کی کانفرنسیں تو کافی ہو چکیں، اب وقت آ گیا ہے کہ ہم فرقہ پرستی کی اِن تمام سرگرمیوں کا خاتمہ کر دیں، فرقہ پرستی، حسد، بزدلی، بدنظمی، اور خود غرضی ہمارے سب سے بڑے اور خونخوار دشمن ہیں ہمیں اِن سے پیچھا چھڑانا چاہیئے بس پھر ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے

مجھے کامل یقین ہے کہ ہندوستان کا قلب ابھی ماؤف نہیں ہوا ہے مہاتما گاندھی پنڈت جواہر لعل اور ہزارہا مخلص نوجوانوں کی قربانیوں نے اب ایسے لوگ پیدا کر دیئے ہیں جو اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھ سکتے جب تک منزل مقصود پر نہ پہنچ جائیں یہ منزل مقصود کیا ہے؟ بلاشبہ "لوگوں کی حکومت، لوگوں کے ہاتھوں، لوگوں کی خاطر" یہی ہماری منزل مقصود ہے اور یہی ہمارا نصب العین ہے، ہمیں نہ صرف ۳۵ کروڑ انسانوں کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرنا ہے جن میں سے ایک چوتھائی یہ بھی نہیں جانتے کہ پیٹ بھر کھانا کسے کہتے ہیں بلکہ ہمیں اپنی اُس سابقہ عظمت کو بھی بحال کرنا ہے جب ہندوستان زندگی کے ہر شعبہ میں درجہ کمال پر تھا، اور جب وہ تہذیب، علوم اور مذہب میں دنیا کا معلم مانا جاتا تھا، اُس وقت وہ لوگ جو آج ہمیں بدنام کرتے ہیں وحشیوں کی طرح جنگلوں میں مارے مارے پھرتے تھے اور تہذیب کے نام سے بھی آشنا نہ تھے، ہمیں نہ صرف اپنے لئے آزادی حاصل کرنا ہے بلکہ خون آشام دنیا کو پیغام امن بھی دینا ہے۔ وہ پیغام جو مہاتما گاندھی کا امن کا پیغام ہے، جو آج دنیا کا سب سے بڑا انسان مانا جاتا ہے، لیکن جب تک ہم خود غلام ہیں اِس اہم خدمت کو انجام نہیں دے سکتے اس لئے پہلے ہمیں غلامی کا جوا اتار پھینکنا چاہیئے پھر ہم دنیا کی ہدایت کا لفظ زبان پر لا سکتے ہیں،

ہمارا ماضی عظیم الشان تھا اور یقیناً ہمارا مستقبل بھی درخشاں ہوگا، البتہ ہمیں امید، ہمت،

خلوص، ڈسپلن، اتحاد، آزادی حاصل کرنے کے عزم، اور ان سب سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہی کہ ہم آزادی کی پوری قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں،

ایک مرتبہ آئرلینڈ کے صدر مسٹر ڈی ویلرا نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ۳۵ کروڑ انسانوں کی قوم کو آزاد کرنے کے لئے اگر چند لاکھ انسانوں کی جانیں بھی قربان ہو جائیں تو کیا مضائقہ ہی آزادی کی شاہ راہ ہی یعنی قربانی کی شاہ راہ

پھر کیا یہی وہ ازلی و ابدی پیغام نہیں تھا جو سری کرشن جی مہاراج نے کورکشیتر کے میدان میں ہمیں سنایا تھا ہو افسوس آج ہم نے اُن کے اس پیغام کو فراموش کر دیا ہی لیکن جاپانی گیتا کے پیغام کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور ہر جاپانی یہ عقیدہ رکھتا ہی کہ "روح غیر فانی اور زندگی دائمی ہی" گیتا کی یہی وہ تعلیم ہی جس نے انھیں اتنی ہمت دے دی، کہ انھوں نے واشنگٹن کے بحری معاہدے کو ٹھکرا دیا اور دنیا اُن کی خوشامدیں کر رہی ہے،

گویا جاپان کی کامیابی کا اصلی راز گیتا کا یہی زرین پیغام ہی کہ "آتما امر ہے"

لیکن کیا وہ ملک جس نے سری کرشن جی کو جنم دیا اُن کے اس پیغام پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہے جو صدیوں سے جاپان اپنے دل پر نقش کیے ہوئے ہی، اور جس پر عمل کر کے وہ میدان ترقی میں گامزن اور بام عروج پر جلوہ فگن ہی

چمن لال

ٹوکیو مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۳۵ء

پہلا باب

انتہائی جذبۂ وطن پرستی

"دنیا جانتی ہی کہ روئے زمین پر کوئی قوم جاپانیوں کے برابر وطن پرست نہیں ہی جب تک میں جاپان آیا نہ تھا مجھے اس کا پوری طرح احساس نہ ہوا تھا لیکن یہاں آکر تو میں نے اُن کی وطن پرستی کو جیسا میں سمجھتا تھا اس سے کہیں زیادہ حیرت انگیز پایا۔ جب کبھی اُن کے ملک کی بہبودی اور عزت کا سوال ہوتا ہی تو وہ اپنی جانوں کی ذرہ برابر بھی پروا نہیں کرتے یقیناً یہی وہ خصوصیت ہی جس نے جاپانیوں کو ایک عظیم الشان قوم بنا دیا ہی۔"

ایک غیر ملکی مدبر

آج روئے زمین پر سب سے زیادہ وطن پرست ملک دو ہیں۔ جاپان اور جرمنی۔ دنیا اس وطن پرستی پر جسے بعض لوگ قومی تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں انہیں خواہ کتنا ہی بُرا کہے مگر یہ واقعہ ہی کہ اگر ان میں وطن پرستی کا یہ انتہائی جذبہ موجود نہ ہوتا تو ان دونوں ملکوں کا نام صفحۂ ہستی سے کب کا مٹ چکا ہوتا۔

اگر ہندوستان آزاد ہونا چاہتا ہی تو اُسے اپنے مشرقی بھائی جاپان سے بہت کچھ سیکھنا چاہیئے کیونکہ وہ ہندوستان سے بہت سی باتوں میں ملتا جلتا ہی جیسے ڈاکٹر شیرر نے تحریر فرمایا ہی کہ "ہندوستان کے بغیر جاپان۔ جاپان نہ ہوتا" اسی طرح میرا خیال ہی کہ ہندوستان اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا جب تک وطن پرستی کا سبق جاپان سے حاصل نہ کرے۔

وطن پرستی کوئی جرم نہیں ہے البتہ یہ اُن لوگوں کی نظر میں ضرور کھٹکتی ہے جن کے ذاتی اغراض میں سدراہ ہوتی ہے۔ بین الاقوامی تخیل کے جنم داتا سوئٹ بھی اب وطن پرستی کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔ وطن پرستی کا وہ جذبہ جو کسی زمانہ میں روس میں ممنوع تھا آج سرکاری طور پر اس کی ہمت افزائی کی جاتی ہے تاکہ لوگ وطن پرست بن سکیں اور اُن میں مادر وطن کے ساتھ محبت اور وفاداری کا جذبہ پیدا ہو۔

ہمارے ان ہندوستانی بھائیوں کو جو بین الاقوامیت کے حامی ہونے کی وجہ سے سودیشی تحریک اور قومی سرگرمیوں کو ہمیشہ تنگ نظری سے تعبیر کیا کرتے ہیں اس سے سبق سیکھنا چاہیئے پنڈت جواہر لال نہرو ان معدودے چند اشتراکیوں میں سے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ بین الاقوامیت سے پہلے قومیت کا جذبہ پیدا ہونا چاہیئے اس لیے جو لوگ اُن کی پیروی کا دعوی کرتے ہیں انھیں پنڈت جی کی بتائی ہوئی بین الاقوامیت کی تعریف کو بھی سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیئے دراصل پنڈت جواہر لال سچی اور بے غرض وطن پرستی کے مجسمہ ہیں۔ وہ اس خالص قوم پرستی کے علمبردار ہیں جس پر پنڈتوں مولویو مہاسبھاؤں اور لیگوں کے مشورہ کا جو ملک کی ترقی کے راستے میں حائل ہیں کوئی اثر نہیں ہوتا۔

جاپان کا ایک مختصر سا سفر بھی ہر سیاح کو اس جذبہ سے معمور کر دیتا ہے۔ ہندوستان کے سرکاری افسر بھی وہاں کی اس سحر آفرینی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

جاپان میں تقریباً پانچ سو مذہب یا فرقے ہونگے لیکن وہاں آپ کبھی یہ سنیں گے کہ مذہبی یا فرقہ وارانہ انجمنیں سیاسیات میں دخل دیتی ہوں۔ مذہب کو سیاست سے بالکل علیحدہ رکھا جاتا ہے اور تمام سرکاری اور امدادی مدارس میں اس کی سخت ممانعت ہے۔ میری جاپانی ٹائپسٹ جو ایک زنانہ کالج کی گریجویٹ ہیں ایک دن مجھ سے کہنے لگیں کہ میرے والد بودھ مذہب کے پیرو ہیں۔ میری بہن عیسائی ہیں۔ میرے بھائی شنتو ہیں یعنی شاہی مذہب کے معتقد ہیں۔ اور میں کسی مذہب یا خدا کو نہیں مانتی لیکن ہم سب ایک ہی مکان میں ایک ہی خاندان کے افراد کی حیثیت سے خوشی خوشی رہتے ہیں پھر آپ ہندوستان میں ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔ انہیں یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی

کہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ لیڈر اپنے ذاتی اغراض کے لیے مذہب کو آلہ کار بناتے ہیں کیونکہ ان کا اصل مذہب تو یونین جیک کی پرستش کرنا ہے لیکن مذہبی جنون رکھنے والوں کو اتنی عقل بھی نہیں ہوتی کہ وہ اُن کے ذلیل مقاصد کو سمجھ سکیں۔

جاپانیوں میں اپنی عزت و وقار کا غیر معمولی پاس ہے اور ملک کے ساتھ وفاداری کا انتہائی جذبہ موجود ہے جس کا مختلف صورتوں میں اظہار ہوتا ہے۔ دوسرے ملک والوں کو ان میں سے اکثر چیزیں بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ دراصل جاپانی وطن پرستی عام وطن پرستی سے بالاتر ہے اور اسی کی وجہ سے حکومت جاپان کی انتہائی قومی پالیسی ہے۔ ترقی کے مدرج طے کرنے اور اعلیٰ سے اعلیٰ مقاصد حاصل کرنے میں ان کی حب الوطنی اور قوم پرستی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

چند شاندار مثالیں

جاپانیوں کی وطن پرستی کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں اور ملک و فرائض کی قربان گاہ پر وطن پرستوں کی قربانیوں کے واقعات آئے دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں،

کسی چیز۔ اصول۔ دوست۔ عاشق۔ فرض یا ملک کے ساتھ وفاداری کی بنا پر خودکشی اور ہراکیری" کا ایک نہ ایک واقعہ اخباروں میں روزانہ دیکھنے میں آتا ہے۔ مثال کے طور پر چند واقعات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

جنرل حیاشی وزیر جنگ کو جب معلوم ہوا کہ اُن کے چھوٹے بھائی کو جو ٹوکیو کے نائب میئر تھے بدعنوانیوں کے جرم میں سزا ہو گئی تو انہوں نے فوراً اپنا استعفیٰ داخل کر دیا۔ بالآخر بڑی مشکل سے اُن کو اس پر راضی کیا جا سکا کہ وہ استعفیٰ واپس لے لیں۔ حالانکہ حکومت اور پبلک دونوں یہی رائے رکھتے تھے کہ اُن کے بھائی کے جرم اور اُن کے سرکاری فرائض میں کوئی تعلق نہیں ہے لیکن وہ یہی کہے جاتے تھے کہ اخلاقی طور پر میں اپنے چھوٹے بھائی کی تربیت کا ذمہ دار ہوں۔ اس لیے اس کے ساتھ مجھے بھی اس جرم کی کچھ نہ کچھ سزا ضرور بھگتنا چاہیئے۔

جنرل نوگی روس وجاپان کی جنگ کے سلسلے میں بہت مشہور ہوئے ہیں انہوں نے معہ اپنی بیوی کے خودکشی کرلی تھی۔ کیونکہ انہیں ہمیشہ یہی خیال رہتا تھا کہ پورٹ آرتھر کی شہرہ آفاق فتح کے موقع پر میں نے اپنے ہم وطنوں کی بہت سی قیمتی جانیں ضائع کیں۔

۱۹۳۱ء میں جب ایک نوجوان فوجی افسر کو منچوریا جانے کا حکم ملا تو اُس کی بیوی نے خودکشی کرلی وہ سمجھتی تھی کہ اپنے ملک کے ساتھ میری محبت کا تقاضہ یہی ہی کہ میں اپنے خاوند کی توجہ میدان جنگ سے ہٹا کر اپنی جانب تقسیم نہ کروں۔ اگر میں مرجاوں گی تو میرا خاوند اچھی طرح لڑسکے گا اور اسے کسی چیز کی فکر نہ ہوگی۔ دیکھئے قربانی کی کیسی شاندار مثال ہی۔

جاپانیوں کی وطن پرستی اور مادر وطن کی خاطر قربانیوں کی مثالیں اتنی بے شمار ہیں کہ اگر انہیں لکھا جائے تو بڑی بڑی جلدیں بھرجائیں۔ لیکن یہاں میں ایک قصہ اور لکھنے پر اکتفا کروں گا۔ یقین ہی کہ یہ قصہ ہر پیر و جواں کے دل میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کردے گا

تین انسانی بم

تین انسانی بم کیا ہیں؟ سینٹ شنگھائی کے حملہ کے تمام واقعات میں کروم ڈویزن کی سفر مینا پلٹن کے تین سپاہی سب سے زیادہ مشہور ہیں، ان کی بے مثل قربانی اور شجاعت ہر جاپانی کے دل میں ہمیشہ ہمیشہ جاگزین رہے گی، جاپان کے دور جدید میں کسی واقعہ نے قوم میں اتنا جوش وخروش پیدا نہیں کیا جتنا کہ ان تینوں کے انتہائی وطن پرستی کے کارنامے نے،

۲۲ فروری ۳۲ء کو علی الصبح جب سخت سردی پڑ رہی ہی۔ سفر مینا پلٹن کے ان تین سیکنڈ کلاس سپاہیوں نے اپنی جانیں اس لیے قربان کردیں کہ چینی محاذ مایو ہنگچن کے سامنے اُن کی فوج دشمن کے مقابلے میں پیش قدمی کرسکے

ان تینوں کے نام ٹکیجی اِسٹیٹا۔ جو سابورو کٹیاگوا۔ اور انوسوکے ساکوی تھے۔ جب محاذ کی دشوار گذار احاطہ بندی توڑنے کی تمام کوششیں بیکار ہوگئیں تو ایک آخری اور جانبازانہ کوشش کے طور پر یہ تینوں نوجوان ایک بارہ فٹ لمبا نل لے کر جس میں خطرناک

مادہ آتش گیر بھرا ہوا تھا اور جس کا فیوز جل رہا تھا گولیوں کی بارش کے سامنے آگے بڑھے اور کانٹے دار جال کے اوپر بم کے ساتھ بے تحاشا کود پڑے۔ بم پھٹا اور دشمنوں کی احاطہ بندی میں ایک خلا پیدا ہو گیا بس پھر جاپانی فوج دوڑ پڑی اور چینیوں کو پسپا کر دیا لیکن یہ تین ہیرو پھر کبھی واپس نہ آئے۔

کیپٹن تماکی متسو شیتیا نے جو اس سفر مینا پلٹن کی کمان کر رہے تھے۔ سب سے پہلے اس کارنامے کا صحیح اور مفصل حال بیان کیا۔ انھوں نے روح کو گرما دینے والے اس واقعہ کا حال اپنے ہیڈ کوارٹرمے چیاپے پر واپس آنے کے بعد فوراً ہی لکھ لیا تھا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہی۔

کروم ڈویژن کو حکم ملا تھا کہ ۲۲ فروری کو ساڑھے پانچ بجے صبح مایو ہینگچن محاذ پر حملہ کیجیے اور اس پر قبضہ کر ے سفر مینا پلٹن چونکہ میرے ماتحت تھی اس لیے ایک دن قبل میں نے حکم دیا کہ تار کی احاطہ بندی کو توڑ کر رستہ بنانے کی تیاری کی جائے تاکہ ہماری پیدل فوج چینی خندقوں پر حملہ کر سکے۔

اس سلسلہ میں ہم بانس کے بموں سے کام لیتے تھے۔ یہ بم اس طرح بنائے جاتے تھے کہ چار انچ موٹا اور بارہ فٹ لمبا بانس لیکر اس میں مادہ آتش گیر بھر دیا جاتا تھا اور اور فیوز لگا دیا جاتا تھا۔ کانٹے دار تار کو توڑنے کے لیے رضا کاروں کے دو گروہ بنائے گئے۔ پہلا گروہ تو بائیں جانب تار کو توڑ کر تیس فٹ چوڑا راستہ نکال لینے میں کامیاب ہو گیا دوسرے گروہ کو کسی طرح کامیابی نہ ہوتی تھی۔ علی الصبح انھوں نے ایک آخری کوشش کرنے کا ارادہ کیا اور پیٹ کے بل چل کر اپنے خندقوں سے دشمن کی طرف روانہ ہوئے تار کے پیچھے پانی سے بھرا ہوا ایک خندق تھا جو کئی گز چوڑا تھا اس کے پیچھے چینی خندق تھے جن کے سامنے بہت مضبوط فصیل بنی ہوئی تھی خندقوں میں نشانہ باز موجود تھے تاکہ جو جاپانی بڑھیں انہیں نشانہ پر رکھ لیں اس کے علاوہ مشین گن بھی برابر گولہ باری کر رہی تھی

کانٹے دار تار کو اڑانے کی تین مرتبہ کوشش کی گئی۔ لیکن بیکار ثابت ہوئی وہ لوگ جو بانس کے بنے ہوئے بم لے کر بڑھتے تھے اپنی منزل مقصود پر پہونچنے سے پہلے یا تو کام آجاتے تھے یا زخمی ہو جاتے تھے۔ اگر وہاں تک پہونچ بھی جاتے تھے تو اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ بم کو موقع سے رکھ کر فیوز جلا دیں۔ اس سے پیشتر ہی چینی اُن کو نشانہ بنا لیتے تھے۔

ایک آخری جانبازانہ کوشش کے لیے تین نوجوانوں نے اپنے آپ کو پیش کیا اور کہا کہ چاہے اس سلسلے میں ہم زخمی ہوں یا ہلاک ہو جائیں لیکن ہم یہ نل فیوز جلا کر لے جانے کو تیار ہیں تاکہ تار کسی نہ کسی طرح ضرور اڑا دیا جائے۔

وقت بہت تھوڑا تھا اور پیدل فوج کی پیش قدمی کا وقت بہت قریب آگیا تھا ساری فوج کی اور اپنے دستے کی عزت اور ذلت کا سوال درپیش تھا کیونکہ تاروں میں راستہ ملے بغیر چینی محاذ پر حملہ کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔

جب پو پھٹ رہی تھی اور صبح کی پہلی کرن افق پر نمودار ہو رہی تھی یہ تینوں نوجوان اپنے خندقوں سے نکل کر چینی محاذ کی طرف روانہ ہوئے جگہ جگہ بم کے گولوں سے بڑے بڑے گڑھے ہو گیے تھے۔ ان گڑھوں میں یکے بعد دیگرے پناہ لیتے ہوئے یہ اپنے پُرخطر راستے پر بڑھ رہے تھے۔

جب تار تھوڑی دور رہ گیے تو یہ تینوں نوجوان فیوز جلتا ہوا بم لیے ایک دفعہ جان پر کھیل کر جھپٹ پڑے اور قریب پہونچ کر تاروں کی جڑ میں بم پھینک دیا فوراً ہی یہ نل ایک خوفناک دھماکے کے ساتھ پھٹا تار اُڑ گیا اور اس کے ساتھ ان تینوں بہادروں کے بھی ٹکڑے اُڑ گیے۔

لیکن ان کی جانیں بیکار نہیں گئیں کیونکہ تیس فٹ چوڑا راستہ نکل آیا تھا جس میں سے جاپانی فوج نے فاتحانہ طور پر پیش قدمی کی گویا یہ "تین انسانی بم" تھے جنہوں نے اپنے گوشت پوست سے ناکہ بندی کو توڑا۔ یہی وہ قابل قدر جذبہ ہے جس نے جاپانی

فوج کو سب سے ممتاز کر دیا ہی اور یہی وہ خوبی ہی جس پر بد قسمتی سے ہمیں زیادہ فخر کرنے کا موقع نہیں ہے

ان تینوں بہادروں کے کارنامے نے ساری قوم کے دل میں گھر کر لیا ہی۔ گولیوں کی بارش میں ان کی جانبازی دراصل جاپانی سپاہیوں کی غیر معمولی شجاعت کی مظہر ہی جب حملے کا وقتی ہنگامہ کم ہوا تو قوم کی توجہ اور ہمدردی ان شہدائے وطن کے والدین اور خاندانوں کی طرف ہوئی۔ اب تک محکمہ جنگ نے یہ اصول مقرر کر رکھا تھا کہ وہ کسی خاص مقصد کے لیے چندہ نہ کرتا تھا۔ لیکن اب پہلی دفعہ اس نے یہ اصول توڑا۔ چنانچہ جس دن جاپان میں یہ خبر آئی اسی دن شام سے پہلے پہلے محکمہ جنگ میں ۰۷ء۴۱ین وصول ہو گئے اخبار اوساکا نیچی نے اُن کے خاندانوں کے لیے ایک ہزار ین دئے۔ ہروسیما کے ایک دیہاتی ماسٹر نے ان تینوں سپاہیوں کے بچوں کو پرورش کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا کہ اس کی دو لاکھ ین کی جائداد ان بچوں کی تعلیم کے لیے وقف ہی۔

اس واقعہ کے چند دن بعد شنگھائی سے ایک اطلاع موصول ہوئی کہ اُن کے تیز کٹے ہوئے بازو جو ایسے جھلس گئے تھے کہ پہچانے نہ جاتے تھے فتح کے بعد تلاش کر کے حاصل کیے گیے اور ساری فوج نے ان کی پرستش کی۔ ان تین انسانی بموں کے اعضا مل جانے کے بعد میجر جنرل شیمٹا موٹو کی سرکردگی میں نئی عقیدتمندی کے ساتھ اُن کے کارنامے دہرائے گیے ان کی مدح و ثنا کے گیت گائے گیے اور اُن کی روحوں کے لیے دعا کی گئی۔

جب ان بہادروں کی جانبازی کا حال ہز مجسٹی شاہ جاپان کو معلوم ہوا تو انھوں نے ان شہدائے وطن کی ماؤں کے لیے مالی امداد منظور فرمائی۔ اوساکا مے نیچی اور ٹوکیو نچی نچی کے زیر اہتمام ان تینوں بڑھی ماؤں کو اُن کے مواضعات سے ٹوکیو بلایا گیا اور لفٹنٹ جنرل سداؤ آراکی وزیر جنگ نے انھیں اپنا مہمان بنایا اس موقعہ پر انھوں نے فرمایا۔

"تمہارے لڑکوں کی بہادری کے کارنامے ہز مجسٹی شاہ جاپان کی خدمت میں عرض کر دیئے گیے ہیں۔ یہ ایسا اعزاز ہی جو شاذونادر ہی کسی کو حاصل ہوتا ہی۔ دراصل میرے پاس الفاظ

نہیں ہیں کہ ان نوجوانوں کے اس شاندار کارنامے کی تعریف کرسکوں۔ انہوں نے جاپانیوں کی پوشیدہ روح کا صحیح نمونہ پیش کیا۔ قابل رشک ہیں وہ مائیں جنہوں نے ایسے سپوتوں کو جنم دیا۔

بن راکو پپٹ تھیٹر اوسا کا قدیم زمانے کا ایک نہایت معزز اور ممتاز تھیٹر ہے جو ہمیشہ علمی اور ادبی تمثیلیں پیش کیا کرتا ہے لیکن اس نے بھی اپنے سابقہ رویہ کے خلاف ایک جدید کھیل تیار کیا جس میں مایو ہنگچن کے یہ تینوں ہیرو دکھائے گئے تھے۔ ۲۶ اپریل ۳۲ء کو جب ان تینوں سپاہیوں کی راکھ جاپان پہونچی تو جس شہر سے گذری لوگوں نے اس کا زبردست احترام کیا اور جس وقت کیوٹو کے نشی ہانگ وجی مندر میں وہ چڑھائی گئی تو لاکھوں آدمیوں نے اپنی آخری نذرِ عقیدت پیش کی۔

اس واقعہ کے بعد ہی سے سارے جاپان کے بچے اپنے کھیلوں میں اُن کی نقل اتارنے لگے ہر کھیل کے میدان میں چھوٹے چھوٹے بچے مایو ہنگچن کے ان تین انسانی بموں" کا پارٹ ادا کرتے نظر آتے تھے۔ اس کارنامے کے گیت پر گیت تیار ہوئے اور اُن کے ریکارڈ کثرت سے فروخت ہوئے جس سے ان کی جانثاری کے اعتراف اور ان کی غیر معمولی مقبولیت کا ثبوت ملتا ہے۔ آج بھی ان گیتوں کے جملے اور مصرعے زبان زد خاص و عام ہیں اور اب تک "مایو ہنگچن کے سامنے خندقوں میں" والی نظم بکثرت گائی جاتی ہے

۲- جاپانی گھر وطن پرستی کا مرکز

جو لوگ جدید جاپان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ عموماً وہاں کی بڑھتی ہوئی ترقی اور ہر طرف مشینوں کے دور دورے کو دیکھ کر ایک عجب پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کل وہاں قدیم و جدید کے درمیان۔ دیشی اور بدیشی کے درمیان۔ اور سابقہ روایات اور جدید تخیلات کے درمیان ایک خاموش کشمکش جاری ہے تاہم تہذیب جدید کے بڑھتے ہوئے طوفان کے مقابلے میں جاپان والے اپنی قدیم تہذیب کو برقرار رکھے ہوئے ہیں اس سے اُن کی اخلاقی قوت اور انفرادی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے

دراصل اس کی خاص وجہ جاپانی گھر ہی جواب تک تمام خارجی اثرات سے پاک ہی۔

اگرچہ جاپانیوں نے ہر قسم کی نئی سے نئی آرام و آسائش کی چیزیں اختیار کرلی ہیں لیکن انھوں نے اپنی خانگی زندگی میں بیرونی اثرات کا ذرا بھی دخل نہیں ہونے دیا ہے آپ چاہے کسی بڑے سرمایہ دار کے محل میں جائیں یا کسی غریب مزدور کے گھر میں ہر جگہ آپ کو قومی رسم و رواج اور پرانی روایات بدستور ملیں گی۔ ان کے پاکیزہ اخلاق و عادات ان کی قابل قدر سادگی ان کی سادہ آرائش ان کے پُرسکون اور غیر نمائشی ساز و سامان غرضکہ ایک عام مقدس فضا اب تک گھروں میں باقی ہی اور بچوں کی تربیت کے سلسلے میں اس کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہی کہ یہ نمایاں خصوصیتیں جن کی وجہ سے اُن کی انفرادیت قائم ہی بچپنے ہی سے اُن کی زندگی کا جزو بن جائیں۔

جاپان اگرچہ زندگی کے ہر شعبے میں آج بہت زیادہ ترقی یافتہ ہی لیکن وہاں کے باشندوں میں اب بھی وہی مذاق کی سادگی موجود ہی اور عادات و اطوار میں تصنع کا نام نہیں ہی۔ صدیوں سے یہی ان کی امتیازی خصوصیت ہی۔ یہ نہ صرف افراد میں بلکہ ہر ادارہ میں اور ہر عام اور نجی جگہ پر جلوہ گر ہی۔ یہی خوبیاں اُن کی کفایت شعاری اور قومی کیریکٹر کا سبب ہیں اور انھیں کی بدولت وہ اپنے ماضی کی طرح آج بھی وہ کارنامے کر دکھاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اتنے قوی اور دولت مند ہیں۔

غالباً یہ خوبیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نوجوانوں کے ذہن نشین کرنے ہی کی غرض سے اسکول کے بچوں پر یونیفارم پہننا لازمی قرار دیا گیا ہی اس طرح والدین اپنے بچوں کے نمائشی اور امیرانہ کپڑوں کے اس بیجا صرف سے بچ جاتے ہیں جو ہمارے ہندوستانی والدین کو خواہ مخواہ برداشت کرنا پڑتا ہی درسی کتابوں میں بھی سادگی کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہی اس لیے کتابیں بہت سستی ملتی ہیں اور غریب سے غریب شخص بھی اپنے بچوں کے لیے خرید سکتا ہی مہنگی کتابوں کی مشکل بچوں کی تعلیم کے راستے میں حائل نہیں ہے۔ کاش

ہم بھی جاپان کی اس مثال سے فائدہ اٹھائیں۔

اپنی عزت ووقار کا پاس۔ قربانی اور نظم کا جذبہ اور عملی وطن پرستی یہی وہ چیزیں ہیں جن پر جاپان کی عظمت کی بنیاد قائم ہی۔ دنیا کی ہر قوم میں جو اس کشمکش حیات میں زندہ رہنا چاہتی ہی یہی خوبیاں ہونی چاہیئے آج ہم میں بھی ان کی سخت ضرورت ہی اگر ہم ان پر عمل کریں اور اپنی قومی خصوصیات میں ان کا اضافہ کرلیں تو یقیناً ہم بھی قوی اور دنیا کی قوموں میں سرفراز ہوجائینگے لیکن اگر ہم ان سے محروم رہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارا مستقبل تاریک ہی

(جاپان کی وطن پرستی کے بہت سے سبق آموز قصے ناظرین آخری باب میں ملاحظہ فرمائیں)

دوسرا باب

شہنشاہ سے عقیدت

جاپان والوں کی انتہائی وطن پرستی کی اصل وجہ کیا ہی؟ جاپان اتنا طاقتور کیوں ہے، کہ لیگ اقوام کی بھی پروا نہیں کرتا؟ اس باب میں انھیں چند سوالات پر میں بحث کروں گا اور اُن کے جوابات ناظرین کی خدمت میں پیش کروں گا، مشرقی ممالک کی سیر کرنے کے بعد ہر شخص کے دل میں خواہ مخواہ یہ خیال پیدا ہوتا ہی کہ آخر جاپان اتنا متحد کیوں ہی؟ اور چین میں اتنے اختلافات کی کیا وجہ ہی؟ ایک چھوٹے سے ملک جاپان کو اتنی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ چین اور روس جیسے بڑے بڑے ممالک کے خلاف اعلان جنگ کر سکے جو رقبہ میں اس سے کئی گنے اور آبادی میں اس سے کہیں زیادہ ہیں؟ چینیوں کی ناکامی کی وجہ یہ نہیں ہی کہ اُن میں جذبہ وطن پرستی کا فقدان ہی اُن کا نعرہ بھی یہی ہی کہ "چین صرف چینیوں کے لیے ہی"

درحصل اس اختلاف کا راز شاہ پرستی میں مضمر ہی وطن پرستی کا مفہوم اکثر یہی سمجھا جاتا ہے کہ قومی مقاصد کے ساتھ عقیدت ہو یہ عقیدت وقت کی ضرورت، موقع کی اہمیت اور نزاکت اور قوم کے تہذیب و تمدن پر منحصر ہی، لیکن کسی قوم کا تمدن خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو جماعتی مفاد پر انفرادی مفاد کی قربانی بہرحال ضروری ہوتی ہی، قومی نشان کی پرستش اصلی وطن پرستی سمجھا جاتا ہی، ہمارے ہندوستانی بھائیوں کو جھنڈے کے زیر سایہ جمع ہو کر اس کی پرستش کرنا وطن پرستی معلوم ہوتا ہو لیکن جاپانیوں کے نزدیک جن کی پرورش اس خیال کے زیر اثر ہوئی ہی کہ وطن اور شہنشاہ مماثل چیزیں ہیں شاہ پرستی

ہی مذہب ہی۔ ہیں اس باب میں وطن پرستی اور شاہ پرستی میں بین فرق نہ کرسکوں گا اگرچہ میں یہ جانتا ہوں کہ وطن پرستی زیادہ وسیع اصطلاح ہی اور شاہ پرستی اس کا ایک مرکز ہی۔

روزافزوں اجتماعی زندگی میں ایک متفقہ مرکز کا ارتقا نہایت ہی دلچسپ اور قابل غور مسئلہ ہی لہذا اس شاہ پرستی کو سمجھنے کے لیے چند الفاظ تمہید کے طور پر کہنا مناسب معلوم ہوتا ہی۔

انسان نے خالص حیوانی گروہ بندی کے دور سے صدیوں میں بتدریج ترقی کی ہی اور اب اپنی ایک انفرادیت قائم کررہا ہی، سب سے پہلے وہ ایک خاندان میں بچے کی حیثیت سے محبت کے زیر اثر فرماں برداری کا جذبہ پیدا کرتا ہی۔ ایک جماعت، فرقہ یا قوم کے فرد ہونے کی حیثیت سے اور خود اپنے ذاتی نشو ونما کی خاطر وہ محبت کرنے اور اپنی مدد آپ کرنے کا عادی ہوتا ہی، پھر قومی زندگی میں جو متحدہ اجتماعی زندگی کا دوسرا نام ہی ایک رہنما کی سرکردگی میں اُسے وفاداری اور قربانی کا سبق ملتا ہی، جب وہ قومی زندگی کی تاریخ پر نظر کرتا ہی اور اُسے سمجھتا ہی تو قدماء کی زندگیاں اس کے اندر اصولوں کی داغ بیل ڈالتی ہیں جس کی وجہ سے منزل مقصود تک پہنچنے کے سلسلے میں اس میں ضبط نفس پیدا ہوجاتا ہی پھر جب وہ دوسری اقوام کی تاریخ اور اُن کے نظریوں سے واقف ہوتا ہی تو اس میں سے تنگ نظری جاتی رہتی ہی اور وہ ساری دنیا کا ایک فرد مشترک ہوکر رہنا چاہتا ہی۔ لیکن اس وسیع سیاسی زندگی کے دوران میں وہ محسوس کرتا ہی کہ چند مخصوص اور منتخب افراد کی خاطر عوام نظر انداز کردیئے جاتے ہیں، پھر جب دوسری اقوام کے جانبازوں کے ساتھ اسے اخلاقی اور روحانی واسطہ پیدا ہوجاتا ہی تو اس میں بھی یہ جذبہ پیدا ہوتا ہی کہ وہ خود انھیں لوگوں کی پیروی کرے جنھوں نے خلق خدا کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں۔

جاپان کی شاہ پرستی کی تاریخ

جہاں تک حکمرانی کا تعلق ہی یہ کہا جاسکتا ہی کہ سنہ ۱۸۶۰ء تک شہنشاہ جاپان بھی شاہ شطرنج سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا، اور تمام اختیارات شوگن (وزیر اعظم) کے ہاتھوں میں تھے جو اسی طرح حکومت کرتے تھے جیسے ہندوستان میں مرہٹوں کے پیشوا، موجودہ شہنشاہ کے دادا شاہ میجی نے پہلے پہل شوگنوں کے اقتدار

اور حکومت کا خاتمہ کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی، اسی وجہ سے جاپان کی تاریخ میں اس دور کو "شہنشاہیت کی بحالی کا دور" کہا جاتا ہے

آج سے ستر برس پہلے شاہ پرستی جاپانیوں کے لیے ایک نیا تخیل تھا، کیوں کہ اس "دور بحالی" سے قبل جماعتی ذہنیت پر زیادہ زور نہ دیا جاتا تھا، اس زمانہ میں ساری قوم دو حصوں میں منقسم تھی یعنی شوگنوں کے حامی، اور خاندان شاہی کے حامی، اول الذکر تو بادشاہ کو دیوتاؤں کے ایک ارضی نمائندہ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے، لیکن شاہ پرست اسے بذات خود دیوتا سمجھتے تھے یہ دونوں پھر اور چھوٹے چھوٹے فرقوں میں تقسیم تھے، خصوصاً شوگنوں کے حامیوں کا ہر فرد قوم اور اپنے ساتھیوں کو نقصان پہنچا کر اپنی مطلب براری کے لیے کوشاں رہتا تھا، ہر فرقہ تاج و تخت کے وارث کی حمایت میں یا شوگنی امیدوار کے خلاف برسر پیکار رہتا تھا، یا اپنی مدافعت میں مصروف جو برسر اقتدار نہ ہوتے تھے وہ اسی امید پر زندہ رہتے تھے کہ کسی نہ کسی دن وہ جاپان کی قسمت کے مالک ہو جائیں گے

ہندوستان اور جاپان کا فرق

اس زمانہ میں جاپان میں بھی ایسی ہی طوائف الملوکی تھی جیسی یورپین اقوام کی آمد کے وقت ہندوستان میں تھی، ہندوستان کے مختلف نواب اور راجے اتنے بیوقوف تھے کہ برطانیہ کی پھوٹ ڈال کر قبضہ کرنے والی پالیسی کے شکار ہو گئے، لیکن جاپان کے برسر پیکار فرقوں نے امریکہ کے کمانڈر پیری کی آمد سے خطرے کا احساس کر لیا، اور فوراً متحد ہو گیے، اس واقعہ نے جاپانی رہنماؤں کے سامنے ایک نیا تخیل پیش کر دیا اور ان میں ایک نئی سماجی بیداری پیدا ہو گئی، کچھ عرصہ بعد انھوں نے محسوس کیا کہ جاپان کو متحد کرنے کے لیے ایک ایسے مرکز کی ضرورت ہے جس پر سب مجتمع ہو سکیں، چنانچہ سر برآوردہ لوگوں اور جاگیرداروں نے اپنے ذاتی اغراض کو پس پشت ڈال دیا اور قومیت کے نئے مرکز پر جمع ہو گئے، چونکہ یہ ایک نیا تخیل تھا اس لیے بعض مصنفین کا خیال ہے کہ یہ محض رہنماؤں اور پیشواؤں کا ایک اختراع تھا، لیکن یہ فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ بادشاہ کی بطور دیوتا کے پہلے سے پرستش ہوتی تھی اور قومی وفاداری کا جذبہ موجود تھا البتہ جدید رہنماؤں نے

(جیسا کہ ہر رہنما کو کرنا چاہیئے)، انہی پرانے عقائد کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا، اور جدید اور وسیع تر نصب العین کے ماتحت لوگوں کو متحد کرنے میں ان سے کام لیا۔" انھوں نے صحیح طور پر اس کا اندازہ کر لیا کہ جدید قومیت کو کامیاب بنانے کے لیے کن کن چیزوں سے کام لیا جا سکتا ہی اور اُن کا یہی تدبر قابل تعریف ہی، اس سلسلے میں پروفیسر چیمبرلین فرماتے ہیں "بیسویں صدی پر وطن پرستی اور وفاداری کا جاپانی مذہب بالکل نیا ہی کیونکہ پرانے عقائد کی از سر نو چھان بین کی گئی اس میں مناسب ترمیم کی گئی، انہیں دوبارہ ترتیب دیا گیا، اُن سے نئے نئے کام لیے گیے اور بالآخر ایک نیا مرکز ثقل قائم ہو گیا

شاہ پرستی کے کارنامے

متحدہ جاپان دنیا کی زبردست سلطنتوں میں ایک خاص جگہ حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آج دنیا کی پانچ بڑی سلطنتوں میں اس کا شمار ہوتا ہی ایسے سخت سے سخت وقت میں جب مغربی تہذیب اپنا اثر اور نفوذ کر رہی ہی بادشاہ کی یہی مرکزی حیثیت لوگوں کو متحد اور متفق رکھنے میں کامیاب ہو سکی اس سلسلے میں کوئی ہیجان یا خانہ جنگی بھی نہ ہونے پائی، دنیا کی تاریخ میں اس کارنامے کی مثال ملنا مشکل ہی، مصری قوم تو اب ایک ماضی کا افسانہ ہی، رہا ہندوستان تو اس نے ایک بچے کی طرح اپنے آپ کو برطانیہ کے سپرد کر دیا ہی کہ جس طرف چاہے اُسے لے جائے حتی کہ اس کا سارا احساس قومی فنا ہو گیا، لیکن خوش قسمتی سے دور جدید کا ایک نیا ہادی "گاندھی" پیدا ہو چکا ہی جو ہندوستان کو قدیم روحانیت کی طرف پھر لیجانا چاہتا ہی تاکہ وہ ایک بار پھر دنیا کی برادری میں ہمسری سے شریک ہو سکے، چین نے اپنے ماضی کو فراموش کر دیا، اور وہ برباد ہو گیا، اس نے اپنی جدید قومیت کے لیے کوئی نیا مرکز پیدا کیے بغیر قدیم مرکز کو تباہ کر دیا، اب اس کی نجات صرف اسی میں ہی کہ کوئی نیا ہادی پیدا ہو جو بچے کھچے آثار پر لوگوں کو مجتمع کر لے اور اور اس طرح دنیا کی روز افزوں بیداری میں اُن کو بھی شریک کر دے۔

جاپانیوں کے نزدیک شاہ پرستی کی وہی اہمیت ہی جو امریکنوں کے نزدیک جمہوریت کی اور

اور انگریزوں کے نزدیک قوم پرستی کی، البتہ فرق صرف یہ ہے کہ قدامت پسند جاپانی اس چیز کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتے کہ دنیا کی عام بیداری سے وطن پرستی میں کوئی امداد مل سکتی ہے اس لیے وہ بین الاقوامیت سے خوف زدہ ہیں، گذشتہ جنگ عظیم نے جاپانی رہنماؤں کی آنکھوں پر سے پردے ہٹا دیے ہیں اور اب انہیں یہ احساس ہونے لگا ہے کہ تقاضائے انسانیت نے مغربی اقوام کی قومی خودداری کو کس طرح مشتعل کر دیا تھا،

جاپانیوں کے نزدیک شاہ پرستی قومی زندگی کا مرکز ہے، اس خیال کو ادا کرنے کے لیے ہنری سٹوہ نے ایک نئی اصطلاح وضع کی ہے، وہ جاپانیوں کی شاہ پرستی کو "ٹینوازم" یعنی "آسمانی حاکم کی پرستش"، سے تعبیر کرتے ہیں۔

طلوع آفتاب کے ملک کے بادشاہ "ٹینو" کی شخصیت سب سے بڑھ کر اور اس کے اختیارات غیر محدود ہیں، لیکن اس کے باوجود کبھی اس سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ ذاتی مفاد کے لیے اختیارات کا غلط اور ناجائز استعمال کرے گا، بالفاظ دیگر لوگ اس کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ رعایا کی بہبودی اور حفاظت کی خدمت اُس نے اپنے اوپر فرض سمجھ لی ہے، یہی اصول انتظام حکومت میں راعی اور رعایا کے تعلقات میں کار فرما ہے اور اسی کو ٹینوازم کی نئی اصطلاح سے تعبیر کرینگے"

سٹوہ کا یہ خیال بھی ہے کہ انگریزی لفظ "ایمپرر" یعنے شہنشاہ اور چینی لفظ "ٹینو" یعنے آسمانی حاکم دونوں جاپانیوں کے صحیح مفہوم کو ادا کرنے سے قاصر ہیں، کیوں کہ جاپان کی قومی تنظیم میں بادشاہ کی حیثیت بزرگ خاندان کی مانی گئی ہے، گویا بادشاہ مشفق باپ ہے، ملکہ شفیق ماں ہے اور ساری قوم اُن کے بچے ہیں نہ کہ جنگ جو سپاہی، اس طرح جاپانیوں کے قومی خاندان کی تشکیل ہوتی ہے اور پھر یہ عظیم الشان خاندان عام بہبودی کے لیے مشترک و متحد ہو کر کوشش کرتا ہے۔

منوجی کا نظریہ

میرے ہم وطنوں نے یہ اندازہ کر لیا ہوگا کہ "بادشاہ" کا جاپانی تخیل ہمارے ہندوستانی تخیل اور روایات سے بہت ملتا جلتا ہے، جیسا منوسمرتی میں درج ہے اور جیسا رامائن اور دوسری مقدس کتابوں کے

تذکروں سے ثابت ہوتا ہے، دراصل جاپان کے بادشاہ اور ملکہ کو بھی اپنی رعایا کی فلاح اور بہبود کا خاص طور پر خیال رہتا ہے۔

بیرن اوبارا نے جو کسی وقت جاپان کے وزیر داخلہ تھے، وہاں کی قومی زندگی کے اصلی راز کے متعلق ایک موقع پر فرمایا تھا کہ ہمارے شاہی خاندان کی عظمت دنیا کی ہر چیز سے ارفع و اعلیٰ ہے اور جب تک یہ زمین و آسمان باقی ہیں قائم و دائم رہے گی ہر شخص اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے اس لیے اس کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر ہماری قوم کو کسی مذہب کی ضرورت ہے تو میں کہوں گا کہ اُسے وطن پرستی اور وفاداری یا بالفاظ دیگر شاہ پرستی کا مذہب اختیار کرنا چاہیئے۔

ہم جانتے ہیں کہ بیرن اوبارا ایک انتہا پسند شوگنی ہیں اور اس اصطلاح کے قدیم جاپانی مفہوم سے بھی اچھی طرح واقف ہیں، اُن کی اور اُن کی طرح کے اور بہت سے لوگوں کی جرمن ملوکیت کے زیر اثر تربیت ہوئی ہے، لیکن اب جنگ عظیم کے بعد وہ اور اُن کے ہم خیال مشکل سے اس قدیم نظریئے کی تائید کرنے کی جرأت کریں گے، کیوں کہ بین الاقوامی اشتراک عمل کا اصول اب مسلمہ ہو گیا ہے۔

ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ جاپان میں تجارت کی اخلاقی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیئے نئے نئے معیار قائم ہو رہے ہیں سیاست میں اور نجی زندگی میں پاکیزگی کا نیا احساس پیدا ہو رہا ہے اور ترقی کی نئی نئی صورتیں کام کر رہی ہیں، ایک جانب تو سخت قدامت پسند طبقہ اور اس کے انتہائی خیالات ہیں اور دوسری جانب ٹالسٹائی کے پیرؤوں کی اشتراکی جماعت اور اس کی انقلابی ذہنیت ہے اس لیے وہاں بہت سی متضاد چیزیں پائی جاتی ہیں، لیکن ان تمام باتوں کے علم کے باوجود مصنف ہذا کی یہ قطعی رائے ہے کہ ملوکیت، شاہ پرستی، ہٹینوزم یا بزرگی خاندان جس نام سے چاہیں آپ اُسے یاد کریں بہرحال اُس جذبہ نے جاپانیوں کو دنیا کی برادری میں شریک ہونے کے قابل بنا دیا ہے اور جاپان کو تباہی سے بچا لیا ہے۔

اولاً اس جذبہ نے جاپانیوں میں ایک قومی ناز اور فرض کا ایک خاص احساس پیدا کر دیا ہے جس سے انھیں شاہراہ ترقی پر چلنے میں بڑی امداد ملی ہے، یہودیوں کا یہ ناز ہی تھا جس نے انھیں متحد اور متفق رکھا حالانکہ زمانہ اُن پر تاریک ہو چکا تھا، امریکہ والوں کو بھی اسی قسم کا ناز ہے اور اُن میں بھی اتنی ہی شدید وطن پرستی موجود ہے ہر قوم اور ہر فرد میں اسی قسم کا ناز، نصب العین کا ایسا ہی احساس اور کام کی ایسی ہی دھن ہونی چاہیئے

دوسرے یہ کہ اس جذبہ "شاہ پرستی" نے جاپان اور جاپانیوں کو متحد کر دیا ہے چین کے مقابلہ میں جاپان کا یہ اتحاد اس اصول کے صحیح اور کارآمد ہونے کی دلیل ہے۔ در اصل شاہی سلسلہ خاندان کے مظہر کی حیثیت سے بادشاہ وقت کی پرستش ہی کا نتیجہ یہ اتحاد ہے۔ دنیا میں اس خاندان سے طویل سلسلہ اور کسی شاہی خاندان کا نہیں گذرا ہے، جاپان اس عقیدے کے ماتحت متحد و منظم ہوا ہے کہ شہنشاہ دیوتاؤں کا مظہر، اپنے بزرگوں کا مظہر اور خدا کا بھیجا ہوا حکمران ہے

تیسرے یہ کہ "شاہ پرستی" کی بدولت جاپانی تہذیب کا ایک تسلسل قائم رہا جس کی وجہ سے اگرچہ وہ مستقبل کی طرف قدم بڑھاتے رہے لیکن ماضی کی قدر وقیمت کو انھوں نے فراموش نہیں کیا، کسی سماج کے استحکام کے لیے تین چیزیں ضروری ہوتی ہیں، تسلسل، احترام اور ایمان،

تسلسل یعنی اس کی بنیاد ماضی پر قائم ہونی چاہیئے، اور وہیں سے اُسے استفادہ کرنا چاہیئے احترام یعنی اس کا نصب العین حال ہونا چاہیئے اور اسی سے فائدہ اٹھانا چاہیئے، ایمان یعنی اس کی تمام امیدیں مستقبل سے وابستہ ہونی چاہیئے اور اسی کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

کیوں کہ ماضی، حال اور مستقبل کی قدر وقیمت ہی کے مشترکہ احساس سے ایک قوم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

شاہ پرستی نے جاپان میں وہ وطن پرستی پیدا کر دی ہی جس کے لیے آج وہ ساری دنیا میں مشہور ہی، وطن پرستی کا یہی جذبہ جاپان میں سب سے قوی ہی اور یہ بادشاہ کے زیر سایہ جمع ہونے اور حال کو ماضی کے سانچے میں ڈھالنے سے پیدا ہوا ہی اُن کی زندگی اور اُن کے مذہبی ارتقا میں وطن کو جو اہمیت حاصل ہی اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھے یہ کہ شاہ پرستی میں شخصیت اور انفرادیت قائم کرنے کی بہت گنجائش ہے، ہر جاپانی کی یہ دعا اور خواہش رہتی ہی کہ بادشاہ ہی اُن کا رہنما بھی ہو، شاہ پرستی" ملوکیت اور وطن پرستی جاپانیوں کے لیے ہم معنے الفاظ ہیں لیکن مغرب والوں کے نزدیک اُن کے جدا جدا مفہوم ہیں، بہر حال کوشتسو سو ہائے (یعنی شاہی خاندان کی پرستش) کی مذہبی اور سیاسی حیثیت میں ضرور فرق ہونا چاہیئے، مغرب والوں کے نزدیک شاہ پرستی کا مفہوم تو یہی بادشاہ کو دیوتا سمجھ کر اس کے سامنے سر نیاز خم کرنا، لیکن ملوکیت کا مفہوم انتہائی قوم پرستی، اور وطن پرستی کا مفہوم اپنے قومی یا سماجی نصب العین کے ساتھ انتہائی عقیدت رکھنا ہی، چونکہ جاپانیوں کے ذہن میں یہ امتیاز نہیں ہی اس لیے اگر اُن کے سامنے انتہائی قوم پرستی یا غیر خدا کی پرستش کے خلاف کچھ کہا جائے تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ اسے اپنی وطن پرستی کی ہتک تصور کریں کوشتسو سو ہائے کی اصطلاح سے اُن کا مفہوم نہ صرف بادشاہ وقت کا احترام کرنا ہی بلکہ شاہی خاندان کے تمام سلسلے کی اور اُن کے نمائندے کی حیثیت سے بادشاہ وقت کی پرستش کرنا ہی، قیصر کو بھی جرمنی والے ایک دیوتا سمجھتے تھے لیکن یہ محض اُس کی ذاتی قابلیت کی بنا پر تھا، جاپان میں یہ صورت نہیں ہی، وہاں ہر بادشاہ کو دیوتا سمجھا جاتا ہی البتہ جس میں ذاتی محاسن ہوتے ہیں اس کے احترام میں اور اضافہ ہو جاتا ہی مثلاً سابق شاہ جاپان میجی کی شخصیت کا اس کے محاسن کی وجہ سے خاص احترام کیا جاتا تھا، شاہ جاپان کی محض دیوتا کی حیثیت سے پرستش نہیں ہوتی ہی بلکہ ایک مرکزی ہستی کی حیثیت سے بھی اُس کا احترام ہوتا ہی اور یہ احترام اس کی ذاتی قابلیت کی بنا پر کم و بیش ہوتا رہتا ہی۔

بادشاہ کی تصویر کے سامنے جھکنا جاپانیوں کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسا دوسری اقوام کا جھنڈے کو سلامی دینا، سب کے دل میں وطن پرستی ہی کا جذبہ کام کرتا ہے البتہ اظہار کے طریقے مختلف ہیں جن سے غلط فہمیوں کا امکان ہو سکتا ہے، شاہ پرستی کا مقصود مجسم وہ دردمند حکمران ہے جس کے دل میں سلطنت کی خوش حالی کی لگن لگی ہو اور وہ رعایا کے پہلو بہ پہلو برابر اس کے لیے کوشاں رہے، ایک جاپانی نے شاہ پرستی کو اس طرح بیان کیا ہے کہ حاکم و رعایا دونوں باپ اور بچوں کی طرح ہم آہنگی سے کام کریں، اسی اشتراکِ عمل کو سٹوہ نے اپنی کتاب ٹینوازم میں بھی لکھا ہے، ملوکیت کی بحالی کا بھی یہی خاص سبب تھا کیونکہ لوگ اس سے پہلے سخت مضطرب و پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ براہِ راست بادشاہ کے ہاتھ میں ایک مضبوط مرکزی حکومت ہو۔ وہ شوگنوں کو وجاہت طلب اور خود غرض سمجھتے تھے اور انہیں برابر اندیشہ تھا کہ کہیں شوگنی کے مختلف امیدوار کسی وقت ملک میں خانہ جنگی نہ پیدا کر دیں لوگوں کے اس مطالبۂ پیہم کا نتیجہ تھا کہ بحالی کے لیے ملک معظم نے خود پیش قدمی کی، جاپانی طالب علموں میں بادشاہوں کی قربانیوں کے متعدد افسانے مشہور ہیں مثلاً نن توکو کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ انھوں نے اس وقت تک ٹیکس لینا یا اپنے محل کی مرمت کرانا بند کر دیا تھا جب تک لوگ خوشحال نہ ہو جائیں، اس کی مثال بالکل ایسی ہی جیسے ہندوستان میں قدیم رام راج کی۔

تعلیم یافتہ جاپانیوں کا خیال ہے کہ شاہ پرستی ہماری حیات قومی کی منزلِ مقصود نہیں ہے بلکہ ماضی کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ ہم بزرگوں کی پرستش کریں اور مستقبل کا یہ مطالبہ ہے کہ ہم جاپان کو دنیا کی ایک زبردست طاقت بنا دیں، یہ مسئلہ بھی بہت نازک ہے کہ کوریا اور فارموسا کی نوآبادیات کو کس حد تک شاہ پرستی کا سبق دیا جائے قدیم خیال کے لوگوں کو جس قسم کی شاہ پرستی پر اصرار ہے اس پر اب عمل نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ تین چیزیں اس کے خلاف پڑتی ہیں یعنی نئے مقبوضات کا حاصل کرنا، دنیا کی برادری میں شرکت کی خواہش اور جمہوریت کا رواج، لیکن چاہے عوام کو رائے دہی کا پورا حق حاصل ہو جائے پھر بھی

بادشاہ کی شخصیت کی بہرحال ضرورت پڑیگی، دیوتاؤں کے نمائندے کی حیثیت سے نہ بہی تاریخی اور قومی نصب العین کے مظہر کی حیثیت سے، عوام کے نمائندے کی حیثیت سے، قومی زندگی کے مرکز کی حیثیت سے اور ایک بے جان حکومت کے زندہ رخ کی حیثیت سے احیائے ملوکیت کے حامیوں نے یہ اندازہ کیا کہ نہ صرف بادشاہ کے اقتدار کو بحال کرنے کی ضرورت ہی بلکہ اس امر کی ضرورت ہی کہ اسے ایک مرکز بنا دیا جائے جس پر ساری قوم جمع ہو سکے،

حضرت عیسٰےؑ نے فرمایا ہی کہ تم اُن کو اُن کے پھلوں سے پہچانوں گے، پھر بھلا[1] لوگ ایسے معقول نظام پر کیوں نہ ایمان لائیں، جس سے ایسے بہتر عملی نتایج برآمد ہوئے جس نے قومی زندگی کے تمام منتشر اجزار کو ایک مرکز پر لاکر جمع کر دیا اور قومی مقاصد کے حصول کے لیے ایک نیا زبردست ذریعہ مہیا کر دیا ہی چیمبر لین جیسا شاہ پرستی کا سخت مخالف بھی اس کے خوش گوار نتایج کا معترف ہی، اور اُسے بھی اقرار ہی کہ اس نے وفاداری کا ایک نیا جذبہ پیدا کر دیا ہی، سیاسی اہمیت کے علاوہ اس کی مذہبی اہمیت بھی ہی جسے مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہی،

شاہی خاندان کے تقدس سے ملک و قوم کے تقدس کا احساس پیدا ہوتا ہی، اور یہ جذبہ لوگوں کو دنیا کی زبردست مہم کے لیے تیار کرتا ہی، یہودی ابتدا میں اپنے سردار کی پرستش کرتے تھے، لیکن بعد میں اُسے ترک کر کے خدا کے برگزیدہ شخص کی پرستش کرنے لگے، لیکن یہ چیز نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ سردار کی پرستش نے ابتدا میں یہودیوں کو متحد و متفق کرنے میں بڑا کام کیا، علاوہ ازیں یہ بھی مسلّم ہی کہ مجاز ہی سے حقیقت حاصل ہوا کرتی ہی،

وطن پرستی سے مراد عقیدت ہی، وہ عقیدت جس میں خود غرضی کا کوئی شائبہ نہ ہو

---

[1] ماخوذ از جاپانی رسم و رواج

اس کے بعد بلند تر مقاصد کا سوال پیدا ہوتا ہی اور لوگ جلد یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ محض جسمانی قربانی منتہائے مقصود نہیں ہی، یہ بالکل فطری امر ہی کہ ایک انسان جس کے لیے جان دیتا ہی اُسے اپنی آنکھ کے سامنے دیکھنا چاہتا ہی مثلاً وطن یا بادشاہ وغیرہ، اس کے بعد پھر کہیں اسے کسی اصول یا نصب العین کی خاطر جان دینے کے لیے آمادہ کیا جا سکتا ہی، اصول تو اعلیٰ تربیت یافتہ لوگوں میں تحریک پیدا کر سکتے ہیں لیکن عوام تو اپنے موضوع پرستش کو اپنی نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں، پہلے مذہب اور وطن پرستی کو ایک ہی چیز سمجھا جاتا تھا، لیکن جیسے جیسے دنیا ترقی کر رہی ہی تمام ممالک میں یہ دونوں چیزیں علیحدہ ہوتی جا رہی ہیں، دراصل یہ حکومت اور مذہبی اداروں کے درمیاں سخت کش مکش کا بُرا نتیجہ ہی، لیکن جاپان میں اس کش مکش کا نام بھی نہیں ہی، اس لیے وہاں اس قسم کے امتیاز کا کوئی امکان نہیں ہے، اگرچہ درپردہ یہ کوشش جاری ہی کہ شنٹو کو مذہب نہیں بلکہ ایک قسم کی وطن پرستی قرار دے دیا جائے۔

جاپانی قوم ایک بڑے خاندان کی طرح ہی، جس میں بادشاہ بزرگ خاندان کی حیثیت رکھتا ہی، جس طرح ایک خاندان کو اپنی قوتیں مجتمع کرنے کے لیے ایک مرکز کی ضرورت ہوتی ہی اسی طرح ایک قوم یا جماعت کو بھی اس کی ضرورت ہی، جیسے جیسے یہ نظریہ مقبول ہوتا جائیگا، ہم دیکھیں گے کہ بین الاقوامی نظام میں بھی ایک بلند تر مرکز یعنے تمام بنی نوع انسان کو ایک سردار کی ضرورت محسوس ہوتی جائے گی،

جاپانیوں کو یہ تسلیم ہی کہ شاہی خاندان میں بھی معمولی اور غیر معمولی دونوں قسم کی شخصیتیں ہوتی رہی ہیں اور ہر بادشاہ نے ایک انفرادیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہی، ترقی کی یہ خواہش تخیل کو ایک دعوت دیتی ہی اور وہ صرف اس نصب العین سے مطمئن ہو سکتی ہی جس کے لیے کوشش کرتا ہی، ماضی تو ختم ہو چکا اور اس کے ساتھ اس کے قدیم نظریئے بھی، حال کا دور دورہ ہی اور وہ جدید اور بلند تر نظریوں کا مطالبہ کر رہا ہی، مستقبل

بھی سامنے نظر آرہا ہی اور ظاہر ہی کہ وہ اور زیادہ شان دار کارناموں کا مطالبہ کریگا، دنیا کے تمام بادشاہ معمولی انسان ہیں لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہی کہ ایک بلند تر ہستی کے لیے بادشاہوں کے بادشاہ، آقاؤں کے آقا، اور تمام انسانوں کے مقصود مجسّم کے لیے آواز بلند ہوگی اور ضرور ہوگی،

بادشاہ کو اگر رعایا کا باپ تصور کیا جائے تو صرف ایسے بادشاہوں کی ضرورت اور قدر ہوگی جو زیادہ سے زیادہ قربانی کرسکیں، گویا شاہ پرستی کا مفہوم صرف خدمتِ خلق ہوگا جیسا اس مقولہ سے ثابت ہوتا ہی، "جو تم میں سے بڑا ہو وہ تمہارا خادم ہونا چاہیئے" خدمت اور قربانی کے اعلیٰ اصول قوم کے ایک فرد کو دوسرے سے متحد کردیں گے، بقول ولسن: "ہم حکومت کے نہیں بلکہ عوام کے نمائندے ہیں" "ہم لوگوں کے خادم ہیں"

نوٹ:- اس خیال سے کہ کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو مصنف ہذا اس امر کو واضح کردینا چاہتا ہی کہ وہ ہندوستان میں ملوکیت قائم کرنے کا حامی نہیں ہے لیکن اس کا ایمان ہی کہ آزاد ہندوستان کے ابتدائی دور میں گاندھی یا نہرو جیسے کسی قربانی کرنے والے رہنما کی ہمدردانہ ڈکٹیٹری کی ضرورت ہوگی کیونکہ سچے ڈکٹیٹر ہی کی سرکردگی میں ہم اپنے منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں، اب دیکھنا یہ ہی کہ وہ ڈکٹیٹر کون ہوگا لیکن یہ امر یقینی ہی کہ وہ دہلی کے لیجسلیٹو ہال میں ہرگز نہ ملے گا"

تیسرا باب

ہمدرد حکومت

"اگر کوئی قومی حکومت لوگوں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے اور دلسوزی سے اُن کی رہبری کرے تو ایک قوم کیا کچھ کر سکتی ہی، اس کی شاندار مثال اگر دیکھنا ہی تو جاپان کو ملاحظہ کیجئے"

لالہ لاجپت رائے

ہندوستان میں برطانوی دور کی اس سے زیادہ اور کوئی مذمت نہیں ہو سکتی کہ جاپانیوں کی نصف صدی کی سریع اور حیرت انگیز ترقی ذرا تفصیل کے ساتھ پیش کر دیجائے ایک طرف ہندوستان ہی کہ گذشتہ ۱۸۰ سال کے برطانوی دور میں اس کی ہستی برباد ہو گئی ہی، تمام فوجی قوت تباہ ہو گئی ہی، اقتصادی اور صنعتی دولت لٹ چکی ہی، غرضکہ ہر اچھی چیز سے وہ محروم ہو گیا ہی، لیکن دوسری طرف جاپان ہی جس کی ساٹھ سال پہلے کوئی حقیقت بھی نہ تھی مگر آج وہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنتوں میں سربلند و سرفراز ہی آخر اس ترقی کا اصلی راز کیا ہی؟ "ایک دیانتدار اور ہمدرد حکومت جسے اس بات کی لگن لگی ہی کہ اس کی قوم کسی طرح معراج کمال پر پہونچ جائے" یہی میرا جواب ہی اور مجھے یقین ہی کہ ہندوستان کی آزادی کے مخالف بھی اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں دے سکتے،

چرچل اور اسی قبیل کے دوسرے رجعت پسند انگریز ہندوستانی قوم پرستوں کو بے صبری کا الزام دیا کرتے ہیں اور ہمیشہ یہ تلقین کرتے ہیں کہ ہتھیلی پر سرسوں نہیں جم سکتی، اُن کا دعوی

ہی کہ ہندوستانیوں میں جدّت طرازی کی کمی ہی اور مشرق والوں کو نمائندہ قسم کے جمہوری اداروں سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہی اس لیے اُس چیز کا فوراً مطالبہ کرنا جسے خود برطانیہ صدیوں کی جدوجہد کے بعد حاصل کر سکی ہی کہاں تک درست اور جائز ہی۔ اکثر یہ بھی ارشاد ہوتا ہی کہ ہر نظام آہستہ آہستہ خود معرض وجود میں آتا ہی نہ آسمان سے نازل ہوتا ہی اور نہ کوئی اُسے عطا کر سکتا ہی لیکن ہر سمجھ دار شخص جانتا ہی کہ اِن میں سے اکثر دلائل محض ایک فریب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے بلکہ بعض تو احمقانہ بھی ہیں اگر اس کا ثبوت درکار ہی تو جاپان کے نظام حکومت کے ارتقا پر ذرا غور کیجئے،

آج جاپان کا شمار دنیا کی زبردست سے زبردست سلطنتوں میں ہونے لگا ہی مانا کہ ابھی وہ معراج کمال کو نہیں پہنچا ہی لیکن اُس کی ترقی اتنی حیرت انگیز اور اتنی نمایاں ہی کہ اس سے ہمارے بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہی اور ثابت ہوتا ہی کہ مغربی معترضین کی ہرزہ سرائی محض لغو ہی اور اُن کا یہ دعویٰ قطعی غلط ہی کہ مشرقی بوتل میں مغربی شراب نہیں بھری جا سکتی،

اب جو لوگ جاپان کو دیکھتے ہیں یا دور بیٹھ کر وہاں کے حالات پڑھتے ہیں انہیں یہ گمان بھی نہیں گذر سکتا کہ انیسویں صدی کے وسط میں اُس کی کوئی حیثیت نہ تھی لیکن واقعہ یہ ہی کہ جاپان کا دور جدید ۱۸۶۸ء سے شروع ہوتا ہی، اُس وقت جاپان گمنامی کی زندگی بسر کر رہا تھا - اگرچہ وہاں کی آبادی بہت ہی کم ہی تاہم لوگ لاتعداد طبقوں، فرقوں، قوموں اور جماعتوں میں منقسم تھے، انتظام حکومت بھی پُرانے رنگ کا تھا، اور عوام پر بے شمار جاگیردار جو کم و بیش اپنی جاگیر میں مطلق العنان ہوتے تھے طرح طرح کے مظالم کیا کرتے تھے ملک میں فوجی استبدادی حکومت تھی، بادشاہ کو امور سلطنت میں دخل دینے کا کوئی حق نہ تھا بلکہ فوجی سردار اُس کے نام سے سب کچھ کیا کرتا تھا اور سیاہ و سفید کا مالک تھا لوگوں میں بے انتہا جہالت پھیلی ہوئی تھی اور وہ توہمات کے بندے تھے، سارے ملک میں ایک خاص قسم کی تہذیب اور تمدن رائج تھا، اور مذہب اور آرٹ کے لیے وہ ہندوستان اور چین کے

مرہون منت تھے، غرض کہ قومی زندگی میں کسی نظم و ترتیب کا کوئی ذکر ہی نہ تھا، مغربی معیار کے مطابق گویا وہاں بدنظمی، طوائف الملوکی، حتی کہ بربریت کا دور دورہ تھا، مہذب ممالک سے صرف اتنا تعلق تھا کہ ضرورت کی چند چیزوں کا آپس میں تبادلہ ہو جاتا تھا، درآمد برآمد سے کہیں زیادہ تھی، صرف ریشم اور صنعتی نوادر کی چند چیزیں باہر جاتی تھیں، تمام بیرونی تجارت چند ڈچ اور اسپینی جہازرانوں کے ہاتھ میں تھی جنھیں شاہی فرمان کی رو سے کامل اجارہ حاصل تھا، مہذب دنیا سے جاپان کو نہ کوئی سروکار تھا اور نہ آمد و رفت تھی، اس لیے اسے جاپان کے متعلق کوئی معلومات بھی نہ تھیں چند مذکورہ بالا تاجروں کے سوا دوسرے غیر ملکیوں کو جاپان میں داخل ہونے کی بھی اجازت نہ تھی اور جاپانیوں کو بیرونی تجارت کی سخت ممانعت تھی، گویا جاپان ایک کوٹھری کی طرح تھا جس کے دروازے ہمیشہ بند رہتے تھے اور جس میں ہوا اور روشنی کے لیے کھڑکیاں اور روشندان بھی نہ تھے دنیا کو اس کے متعلق کچھ علم نہ تھا، اور نہ اُسے دنیا کا کوئی حال معلوم تھا، وہ صحیح معنوں میں محدود بالذات ملک تھا، اور اسے دوسری اقوام کی برادری میں شریک ہونے کی کوئی خواہش نہ تھی بلکہ یوں کہیے کہ بزور شمشیر اُسے ایسا کرنے سے روکا جاتا تھا، اس کے امراء و روسا، باہمی جنگ، رشک و حسد مقابلہ و مجادلہ میں مگن رہتے تھے، عوام کی زندگی کا صرف یہ مقصد تھا کہ وہ اپنے آقاؤں کی خدمت کریں اور اُن کے لیے محنت و مشقت کریں، خود روکھی سوکھی کھائیں، پھٹا پرانا پہنیں، لیکن جاگیرداروں کے لیے عیش و عشرت کا سامان مہیا کریں، آپ آسانی سے یہ تصور نہیں کر سکتے کہ پچاس سال کے اندر اندر یعنی سنہ ۱۸۶۸ء سے سنہ ۱۹۱۸ء تک کس طرح جاپانیوں نے وہ حیثیت قائم کر لی جو آج انھیں دنیا میں حاصل ہے، اس وقت شمالی اور جنوبی امریکہ میں جزائر ہوائی میں، فلپائن میں، ملایا میں، منگولیا اور منچوریا میں غرض کہ ہر جگہ کثیر تعداد میں جاپانی موجود ہیں، بڑی بڑی جائدادوں کے مالک ہیں اور اعلیٰ پیمانہ پر زراعتی، صنعتی، اور تجارتی کام کر رہے ہیں، دنیا کے پردے پر شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جہاں یہ پستہ قد جاپانی نہ ملتے ہوں

لیکن ہر جگہ ان کا سر بلند رہتا ہی اور اُن کی نگاہیں اُونچی، وہ اپنے ملک کی قوت کی وجہ سے اپنی حیثیت پر نازاں رہتے ہیں، اُنھیں اس کا پوری طرح احساس ہی کہ دنیا میں ان کی کیا اہمیت ہی لیکن وہ اسی پر مطمئن نہیں ہیں بلکہ ہمیشہ آگے قدم بڑھانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں،

جاپان کے پاس اعلیٰ درجہ کی بری و بحری فوج ہی جسے بادشاہ نے قوم کی امداد اور تعاون سے ترتیب دیا ہی لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز یہ ہی کہ اُنھوں نے جمہوری اداروں کو اپنے یہاں رائج کیا ہی اور نہایت کامیابی سے اُنھیں چلا رہے ہیں، ان کے یہاں دستوری طرز حکومت اور جدید ترین تعلیمی نظام قائم ہی، ساٹھ سال کے اندر اندر جاپان سارے مشرق کا معلّم بن گیا ہی، اور اب وہ اُس کی تمام ضروریاتِ زندگی اور آرام و آسائش کا وہ سامان مہیا کرنے لگا ہی جو اب تک مغرب سے آتا تھا، اگرچہ جاپان اب تک نہ تو طرزِ حکومت کے لحاظ سے انتہائی عروج پر پہونچا ہی نہ وسائل کی وسعت کے لحاظ سے، تاہم گذشتہ ساٹھ سال کے اندر اُس نے جو کارنامے کر دکھائے ہیں وہ حیرت انگیز اور قابل یادگار ہیں، جن لوگوں کا یہ خیال ہی کہ کوئی بادشاہ لوگوں کی جدوجہد اور دباؤ کے بغیر دستوری آئین نہیں دیتا اُنھیں جاپان سے سبق سیکھنا چاہیئے، وہ اس کی مکمل مثال ہی کہ کس طرح ایک ہمدرد حکومت اپنی قوم کو جمہوری اداروں کے ذریعہ جمہوریت کی تعلیم دے سکتی ہی، "جدید جاپان" پر ابھی شباب بھی نہ آیا تھا کہ بادشاہ نے اُسے دستوری آئین عطا کرنا طے کر لیا، اور دستوری حکومت نفاذ کر دی، جاپانی اس سے پہلے آزادیِ خیال اور آزادیِ تقریر کے نئے مفہوم سے واقف بھی نہ تھے لیکن جدید تعلیم کو مشکل سے بیس سال ہی گذرے ہونگے کہ وہ ان دونوں نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو گئے، وہاں کے روزانہ اخبارات کی ایک یہ خصوصیت ہی کہ وہ اکثر انگریزی ترجمہ بھی ساتھ ساتھ شائع کرتے ہیں، اُنھیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہی کہ جہاں تک آزادیِ خیال اور آزادیِ تحریر کا تعلق ہی برطانوی اور امریکن اخبار سے جاپانی اخبارات کسی طرح کم نہیں ہیں،

صرف جاپان ہی ایک ایسی عجیب مثال ہی جہاں لوگوں پر اعتماد کر کے اور اُن کو

ذمہ داریاں سپرد کر کے جمہوریت کی تربیت دی گئی ہو، وہاں یہ صورت نہ تھی کہ پہلے اہل بنو پھر مطالبہ کرو، بلکہ یہ صورت تھی جیسے ایک شفیق باپ اپنے بچوں پر کامل اعتماد کرتا ہی اور مغربی معیار کے مطابق اُن سے اہلیت کا ثبوت لئے بغیر عنان حکومت اُن کے سپرد کر دیتا ہے، احساس ذمہ داری کے ذریعہ جو تعلیم و تربیت حاصل ہوتی ہی اس کے مقابلے میں کوئی دوسری تعلیم اتنی مؤثر نہیں ہوتی، جاپانیوں کی حیرت انگیز ترقی کی اصل وجہ یہی ہی کہ خود حکومت نے نہایت دانشمندی اور تدبر سے لوگوں کی رہنمائی کی، اُس نے بلا تامل اور بغیر کسی چون و چرا کے لوگوں کی ہر طرح امداد کی تاکہ ان میں جمہوریت کا جذبہ پیدا ہو اور وہ اپنے وسائل، اپنی تجارت، اور اپنی صنعت و حرفت کو ترقی دے سکیں، اگر جاپان بھی یہ مجہول طریقہ اختیار کرتا تو پچاس سال میں اُس نے جو کچھ کر دکھایا شاید اُسے صدیاں لگ جاتیں اور ممکن تھا کہ اس عرصہ میں وہ خونخوار درندے جو شکار کی تلاش ہی میں رہتے ہیں اُسے ہضم کر جاتے ہلیکن جاپان کو بادشاہ کے اعتماد اور حکومت کی امداد نے بروقت بچالیا یعنی حکومت نے خود ان تمام کاموں کی ابتدا کی جو تعلیم و ترقی کے لیے ضروری تھے،

حکومت کے کارنامے

حکومتِ جاپان صحیح معنوں میں عوام کی محافظ اور امین ہی اور قوم کی اقتصادی اور تمدنی حالت سدھارنے میں کسی چیز سے گریز نہیں کرتی،

ذیل میں وہ خاص خاص صورتیں درج کی جاتی ہیں جو حکومت نے جاپان کو دنیا کے دوسرے ممالک کی سطح پر لانے کے لیے اختیار کیں،

(۱) لازمی تعلیم نافذ کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ننانوے (۹۹) فی صدی سے زیادہ آبادی لکھ پڑھ سکتی ہی،

(۲) سینکڑوں نوجوانوں کو امریکہ اور یورپ بھیجا تاکہ مختلف صنعتوں کی تعلیم حاصل کریں،

(۳) صنعت و حرفت سکھانے کے لیے صنعتی و تجارتی اسکول کالج اور کارخانے کھولے

تاکہ کم شرح پر ہوشیار کاریگر مل سکیں،

(۴) جہازران کمپنیوں کو امداد دے کر جاپان کو دنیا کی تیسرے نمبر کی جہازران طاقت بنا دیا

(۵) بنکوں کے قائم کرنے میں امداد دی تاکہ صنعت و حرفت کی ترقی کے سلسلے میں خاص امداد مل سکے۔

(۶) مختلف قسم کے صنعتی ادارے جاری کرنے کے لیے مالی امداد منظور کی،

(۷) بیرونی مقابلہ سے صنعت اور حرفت اور تجارت کے تحفظ کا انتظام کیا

(۸) ڈاک خانہ اور رسل و رسائل کے ذرائع کو بے انتہا سستا کر دیا

شاید آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ جاپان میں پوسٹ کارڈ پون پیسے میں ملتا ہے حالانکہ ہندوستان میں اس کی قیمت چوگنی یعنی تین پیسے ہے، اسی طرح وہاں لفافہ ڈیڑھ پیسے میں آتا ہے لیکن یہاں اسی وزن کے لیے پانچ پیسے دینا پڑتے ہیں،

جاپان میں رسل و رسائل کے ذرائع اتنے کم خرچ ہیں کہ ہندوستان سے اُن کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا، مثلاً برار سے بمبئی تک روئی لے جانے پر جو خرچ آتا ہے وہ جاپان سے بمبئی تک سات ہزار میل جہاز پر لے جانے کے خرچ سے کہیں زیادہ ہے در اصل جاپان میں ریلیں لوگوں کو لوٹنے کے لیے نہیں بنی ہیں وہاں مال کا ریلوے محصول اور کرایہ ہندوستان سے بہت کم ہے علاوہ ازیں پٹرول بھی بہت سستا ہے یعنی صرف پانچ آنے گیلن ملتا ہے، ہندوستان کی طرح وہاں کی حکومت بڑے بڑے محصول نہیں لیتی یہی وجہ ہے کہ وہاں ٹیکسی ساری دنیا سے سستی ہے، شاید آپ کو یقین نہ آئے کہ میں تین میل سے پانچ میل تک صرف ڈھائی آنے سے چار آنے میں اور چھ میل سے دس میل تک پانچ آنے سے سات آنے میں ٹیکسی میں گھوم لیتا تھا، ٹوکیو دنیا کا تیسرے نمبر کا بڑا شہر ہے لیکن آپ وہاں ہر جگہ پانچ آنے میں ٹیکسی پر جا سکتے ہیں اور چھ آنہ سے زیادہ تو کوئی ٹیکسی والا لیتا ہی نہیں ہے، چاہے آپ پہلے سے ٹھہرائیں یا نہ ٹھہرائیں، ہندوستان میں اس سے چھ گنا زیادہ دینا پڑتا ہے، موسم سرما

میں پرانی دہلی سے نئی دہلی تک جانے میں (جو صرف تین میل ہی) ٹیکسی تین چار روپیہ لے لیتی ہی لیکن جاپان میں اتنا فاصلہ تیس ہی آنے میں طے ہو سکتا ہی چونکہ وہاں دن رات ٹیکسیاں چلتی رہتی ہیں اس لیے اتنے کم کرایہ کے باوجود وہ لوگ کافی روپیہ کما لیتے ہیں اکثر میں نے دس آنے سے تیرہ آنے گھنٹہ میں ٹیکسی لی ہی ذرا اس کا مقابلہ الہ آباد کے تانگوں کے کرایہ سے کیجئے جو پہلے گھنٹہ کا چودہ آنہ کرایہ لیتے ہیں،

جاپان میں ٹرموے اور بجلی کی گاڑیاں بھی دنیا میں سب سے سستی ہیں، آپ مخمل کے گدّوں والی گاڑی میں جس میں تھوکنے اور سگریٹ پینے کی ممانعت ہوتی ہی شہر میں کسی جگہ دس پندرہ میل تک ساڑھے تین پیسے میں جا سکتے ہیں، ٹوکیو کی ٹراموے میں بھیڑ زیادہ ہوتی ہی اور وہ کچھ ایسی اچھی بھی نہیں ہوتی لیکن کوبے کی ٹراموے ساری دنیا میں بہترین مانی گئی ہی،

(۹) "ہر گھر میں ایک ریڈیو ہونا چاہیے" ریڈیو کمپنیوں کا کم از کم شہروں میں یہی مطمح نظر رہتا ہی، صرف چھ آنے مہینہ میں غریب سے غریب شخص بھی دن رات ریڈیو پروگرام سے لطف اندوز ہو سکتا ہی،

(۱۰) صناعوں اور تاجروں کو نئے نئے بازار تلاش کرنے میں امداد دینے کے لیے تجارتی نمائشیں کی جاتی ہیں اور تجارتی بیورو اور معلومات بہم پہنچانے کے دفاتر قائم کیے جاتے ہیں،

(۱۱) جاپانی مال کو مقبول اور مشتہر کرنے کے لیے، امریکہ، یورپ اور دوسرے ممالک میں نمائشوں اور میلوں کا انتظام کیا جاتا ہی،

یہ صرف چند چیزیں ہیں جو میں نے پیش کی ہیں، ممکن ہی ایسی قسم کے اور بہت سے کام بھی ہوں جو اس مختصر سے قیام میں میرے علم میں نہ آئے ہوں،

حکومت کی امداد کی اہمیت

جاپان میں صنعتوں کی ترقی کی اصل وجہ یہی ہے کہ مہربان حکومت نے اُن کی مسلسل سرپرستی فرمائی

شاید آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ ہندوستان میں پہلی مِل جاپان سے بہت پہلے جاری ہوئی تھی، تاہم آج ہندوستان ہر چیز کے لیے جاپان کا محتاج ہی، آخر کیوں؟ اس لیے کہ حکومت نے ہندوستان کی صنعتوں کے ساتھ بے اعتنائی اور بے رحمی کا سلوک کیا، علاوہ ازیں ہماری ملوں کے مالکوں کا خود غرضانہ رویہ بھی اس کا سبب ہی، جو فضول خرچیوں اور بدنظمیوں کی وجہ سے خاص طور پر بدنام ہی، کوئی ملک حکومت کی ہمدردی اور امداد کے بغیر صنعت وحرفت میں ترقی نہیں کر سکتا، مثال کے طور پر جہاز کی صنعت کو لے لیجئے، ہندوستان جو کسی وقت میں جہاز سازی کے لیے مشہور تھا آج اس صنعت میں سب سے پیچھے ہی، لیکن جاپان صرف نصف صدی میں اس میں اتنی ترقی کر گیا کہ انگلستان بھی اس سے متوحش ہی، جاپان کے تجارتی جہازوں سے بھی صنعتوں کی ترقی میں بڑی امداد ملی ہی، سب سے پہلے حکومت جاپان نے خود جہاز سازی شروع کی اور نجی کمپنیوں کو بھی معقول مالی اور اخلاقی امداد بہم پہنچائی، ۱۸٦۸ء میں جاپان کے پاس تجارتی جہاز قطعی نہ تھے حتی کہ ساحلی تجارت کا بھی کوئی معقول انتظام نہ تھا، ۱۸۸۴ء میں جہاز رانی کی پہلی کمپنی قائم ہوئی جس نے دو ساحلی شہروں ٹوکیو اور اوساکا کے درمیان یکوہاما اور کوبے ہو کر آمد و رفت اور نقل و حمل کا سلسلہ قائم کیا اس کے جہاز مہینے میں صرف تین مرتبہ چھوٹتے تھے لیکن اب صرف چونسٹھ سال بعد جاپان کے پاس جہازوں کی ایک فوج ہی جو دنیا کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہی،

صنعتوں کی امداد

شاید ہی کوئی ایسی جدید صنعت ہو جسے جاپان نے اپنے یہاں رائج نہ کیا ہو یہ عظیم الشان کام اس طرح سرانجام پا سکا کہ حکومت نے ہر نئی صنعت کی مدد کی، انھیں مالی امداد دی اور کم شرح سود پر قرض دیا، برخلاف اس کے حکومت ہند سے بارہا اسی قسم کی صورتیں اختیار کرنے کے لئے کہا گیا لیکن سب بیکار ثابت ہوا اور حکومت نے کبھی توجہ نہ کی،

جاپان میں ۱۸۷۵ء تک ڈاکخانہ کے سیونگ بینک میں جو رقم وصول ہوتی تھی،

وہ سب وزیر مال کی نگرانی میں محکمہ ڈیپازٹ بیورو کے سپرد کر دی جاتی تھی، پھر اس رقم میں سے مختلف کاموں کے لیے قرضہ دیا جاتا تھا یا خاص بنکوں کے سرکاری تمسک خرید لیے جاتے تھے

سنہ ۱۹۳۲ء میں ڈاک خانہ کے سیونگ بنک کی یہ رقم جن کاموں میں لگائی گئی اس کے اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہی کہ نجی اداروں اور سماجی سرگرمیوں کو حکومت کی یہ امداد کتنی مؤثر ثابت ہوئی ہی سنہ ۳۲-۱۹۳۱ء کی اس کے مصرف کی خاص خاص مدات ذیل میں درج کی جاتی ہیں

۳۰ لاکھ ین -	پبلک اداروں کے کاموں کے لیے قرض دیا گیا
۳۲ لاکھ ین -	مختلف جماعتوں کے کاموں کے لیے دیا گیا
۵ لاکھ ین -	سماجی کاموں کے لیے دیا گیا
۶۰ لاکھ ین -	بے روزگاروں کی امداد کے لیے دیا گیا
۱۱۵ لاکھ ین -	اس لیے دیا گیا کہ پبلک اداروں کے قرضوں کی شرح سود کم کر دی جائے

کسانوں کی امداد

جاپانی حکومت کسانوں کی بھی طرح طرح سے امداد کرتی ہی ریشم کی صنعت کی مستقل سرپرستی کر کے اُس نے کسانوں کی آمدنی میں اضافہ کر دیا ہی، اور جب کبھی ریشم کا بازار گر جاتا ہی تو حکومت نہایت فیاضی سے بڑی بڑی رقمیں کسانوں کو پیشگی دیا کرتی ہی،

جاپان کی خاص خوراک چاول ہی چنانچہ اس کی قیمت کو برقرار رکھنے کے لیے حکومت بہت کافی مقدار میں چاول خرید لیا کرتی ہی اور وقت ضرورت کے لیے محفوظ کر دیتی ہی دوسری تدبیر اخبار "جاپان اڈورٹائزر" نے یوں بیان کی ہی "کسانوں کی مشکلات کا اندازہ اُن کے بنکوں کے کاروبار سے ہوا کرتا ہی، وہ ادارے جو دیہی جائداد پر قرضہ دیتے ہیں اس خیال سے کہ بازار خراب نہ ہو جائے اپنی مکفولہ چیزیں فروخت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے، اس لئے حکومت کم شرح سود پر قرض دے کر ایک طرف کسانوں کو اس پر آمادہ کرتی ہی کہ وہ اپنے لین دین

کے معاملات از سرِ نو ترتیب دیں اور دوسری طرف بنکوں کو یہ ترغیب دیتی ہی کہ وہ اپنی کفالتوں سے سبکدوش ہو جائیں لیکن اس معاملہ میں خرچ کا تخمینہ اتنا زیادہ ہی کہ فی الحال حکومت محض ایک ابتدا کر دینے سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی "

بخلاف اس کے ذرا ہندوستان کی کیفیت ملاحظہ کیجئے کہ سول نافرمانی کی تحریک کے زمانہ میں حکومت خاص طور پر کسانوں کے مویشی، اُن کی خوراک کا سامان، اور آلات کشاورزی تک قرق کر لیا کرتی تھی اور اکثر کسانوں کے لڑکوں پر جو جرمانے ہوتے تھے اُن کے وصول کرنے کے لیے یہ چیزیں ضبط کی جاتی تھیں، لیکن حکومت جاپان عنقریب ایسا قانون بنانیوالی ہی کہ مذکورہ بالا چیزیں کسی حالت میں بھی حکومت یا زمیندار قرق نہیں کرا سکتا،

غیر ممالک میں بسنے پر امداد

جاپان میں ایسے امدادی ادارے بھی بہت ہیں جو جاپانیوں کو دوسرے ممالک میں بھیجنے اور وہاں بسنے کے سلسلے میں سہولتیں بہم پہنچاتے ہیں، اس طرح امداد کر کے لاکھوں جاپانیوں کو، امریکہ برازیل، فلپائن، منچوریا، وغیرہ میں بسا دیا گیا ہی،

مختصر یہ کہ جاپان میں کوئی ایسی صنعتی اور تجارتی کارروائی نہ ہوگی جس میں حکومت نے کسی نہ کسی طرح ہمت افزائی نہ کی ہو، یا کسی نہ کسی موقعہ پر امداد نہ دی ہو، ایک قلیل مدت میں جاپانی صنعتوں کی اس حیرت انگیز ترقی کا بس یہی راز ہی؛

چوتھا باب

اعلیٰ کردار

جاپان کو اتنی قوت کیسے حاصل ہو گئی کہ وہ دنیا کی زبردست سے زبردست سلطنتوں کی پروا نہیں کرتا، دراصل اس کا راز اس کی سیرت کی حسب ذیل دس خصوصیات میں مضمر ہے:

(۱) ہنس مکھ چہرہ

(۲) قدرتی مناظر سے عشق

(۳) سادہ خانگی زندگی

(۴) تہذیب و تمدن

(۵) مشترکہ خاندان

(۶) انتہائی خوش اخلاقی

(۷) حیرت انگیز تنظیم

(۸) دیانت داری

(۹) انتہائی ڈسپلن

(۱۰) اخلاقی معیار

۱ - ہنس مکھ چہرہ

اگر مغرب کی غیر فطری چیزوں کے بھدے پن اور بدصورتی کو نظر انداز کر دیا جائے تو یقیناً محسوس ہوگا

کہ جاپان کی عام دلکشی اور لوگوں کی عام خوش اخلاقی میں ایک خاص کشش ہی، جاپانیوں کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہی کہ دوسروں کو خوش کریں اس میں وہ اتنا غلو کرتے ہیں کہ کاروباری قسم کے غیر ملکیوں کو بعض اوقات یہ گراں معلوم ہوتا ہی اور وہ بالآخر اس خوش اخلاقی اور مستقل مسکراہٹ سے اُکتا جاتے ہیں بعض غیر ملکیوں کا تو یہاں تک خیال ہی کہ جاپانیوں کا یہ خاصۂ بالکل غیر فطری ہی لیکن میرا خیال ہی کہ وہ غلطی پر ہیں،

جاپان کو اکثر "ٹویو، استی بارا مینر وہو۔ نو۔ کونی" بھی کہتے ہیں اس اصطلاح کے معنی ہیں افراط، اور افراط سے لوگ فطرتاً خوش و خرم رہتے ہیں، گویا اس خطاب کا مفہوم ہوا "خوش و خرم لوگوں کا جزیرہ" اس کے علاوہ وہاں کے باشندوں کی خصوصیت دیانتداری اور شرافت ہی، وہ من جملہ اور چیزوں کے دھوکہ بازی اور سازش سے سخت نفرت کرتے ہیں چاہے کوئی کسی دکان یا دفتر میں جائے یا موٹر یا ٹرامو ئے میں سوار ہو، یا کسی ہوٹل میں کھانے پینے بیٹھے ہر جگہ ہمیشہ اُس سے بجد اخلاق برتا جاتا ہی، آرام پہنچانے کی پوری کوشش کی جاتی ہی، داخل ہوتے ہی مسکراہٹ اور خوش آمدید کے ساتھ اُس کا استقبال کیا جاتا ہی، رخصت ہوتے وقت لازمی طور پر شکریہ ادا کیا جاتا ہی اور پھر اسی مسکراہٹ کے ساتھ الوداع کہا جاتا ہی، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان تمام باتوں سے تجارت کو بہت فروغ ہوا ہے، کیونکہ اس طرح لوگوں کو روپیہ خرچ کرنا بار نہیں گزرتا،

جاپانیوں کی اس مسکراہٹ کے بہت سے اسباب ہیں، کچھ فطری اور کچھ مصنوعی، اگرچہ مؤخر الذکر ان کی قومی سیرت کا ایک جزو بن گئے ہیں اور اتنے قدیم ہیں کہ اُن کی فطرت ثانیہ معلوم ہوتے ہیں

یہ مسکراہٹ کوئی دھوکہ یا محض خارجی چیز نہیں ہی بلکہ اُن کے دلی جذبات کا آئینہ ہی، بلاشبہ یہ شنٹو مذہب کے پہلے اصول کا نتیجہ ہی یعنی یہ کہ جب کبھی کوئی مقدس گوشے کا نظارہ کرتے ہوئے ابد سے ہم کلام ہوتا ہی تو درحقیقت اسے اپنی ہی روح کا دیدار ہوتا ہی،

یہ ہی ابد میں ایک پرستار کا حصّہ یعنی گوشت پوست کو چاہیے تکلیف ہو لیکن بودھ روح ہمیشہ پرسکون رہتی ہے اور شنٹو روح ہمیشہ مسکرایا کرتی ہے،

جہاں تک مجھے علم ہے دنیا کی کسی قوم نے جاپانیوں کی طرح اتنے عرصے تک سخت گیر نظم کی پابندی نہیں کی ہے، اسے "آداب" کے خوشگوار نام سے تعبیر کیا جاتا تھا، معمولی سے معمولی خلاف ورزی کی سزا شدید اذیت حتیٰ کہ موت تک تھی، اس طرح جاپانی روئے زمین پر سب سے مہذب یا بالفاظ دیگر مصنوعی قوم بن گئے،

شاید ہم اُن لوگوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں جو ہمیشہ اپنے آپ کو خلیق بنا کر پیش کرتے ہیں اور شاید اسی لیے ہم اُن کی نیت پر شک کرتے ہیں کیونکہ جب کبھی ہمیں غصہ آتا ہے تو ہم چیختے چلاتے ہیں، اگر ہم کسی شخص سے نفرت کرتے ہیں تو فوراً اُس کا اظہار کر دیتے ہیں یا اگر ہمیں کوئی صدمہ پہنچتا ہے تو ہم روتے ہیں اور اپنا سینہ کوٹتے ہیں لیکن جاپانی ہر مصیبت میں مسکراتے ہیں اور صرف مسکراتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ بعض اوقات ہمیں اُن کو بُرا کہنے کو جی چاہتا ہے،

لیکن یقین کیجیے کہ یہ مسکراہٹ کوئی ریاکاری نہیں ہے، نہ پیشہ ورانہ خوش مزاجی ہے اور نہ محض جبر واکراہ، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ لوگ کچھ ہنس مکھ واقع ہی ہوئے ہیں دوسرے وہ حیرت انگیز قوتِ ارادی کے مالک ہیں اور تیسرے ہر مشکل اور ہر تکلیف میں مسکراتے رہنا اُن کا مذہب ہے اور اُن کی بہادری کی اُن قدیم روایات میں داخل ہے جو ابو شیدو کی شکل میں رونما ہیں، ان تمام باتوں کے علاوہ وہ نیک طینت، سریع الاحساس، اور بیحد زندہ دل ہیں، اور ذرا سی بات پر مسکراتے، ہنسنے، اور قہقہے لگانے لگتے ہیں،

قدرتی مناظر سے عشق

جاپان والے قدرتی مناظر کے سچے پرستار ہیں، روایتی مندر پوجا کے ساتھ ساتھ انھیں مناظر سے بھی خاص شغف ہے، وہ پہاڑوں، چوٹیوں اور وادیوں، سمندروں، دریاؤں،

اور جھیلوں، درختوں، پھولوں اور بیلوں سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں، شاید کسی دوسرے ملک میں مناظر سے اتنا شغف نہیں ہی جتنا جاپان میں ہی، یہ تو جاپانیوں کے تمدن کا ایک جزو بن گیا ہی، قدیم روایات اور لوگوں کے فطری رجحان کا لحاظ کرکے حکومت جاپان نے اعلیٰ سے اعلیٰ بے شمار چمن بنوا دئے ہیں، جن پر حکومتِ ہند رشک کر سکتی ہی، ہر شہر اور ہر قصبہ میں غرض کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں خوبصورت چمن موجود ہیں، یہاں لوگ عام طور پر چہل قدمی اور تفریح کو جاتے ہیں، صحیح معنوں میں دادِ مسرت دیتے ہیں اور دیہاتی مناظر، پھولوں کی خوشبو اور تازہ خوشگوار ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہیں،

عام چمن اور نجی باغوں کی تیاری اور ترتیب کے سلسلے میں جاپان والے اپنی فطرت پرستی اور ذوقِ لطیف کے ایسے ایسے نمونے پیش کرتے ہیں کہ دوسری اقوام سے ان میں فوراً امتیاز کیا جا سکتا ہی، وہ نہایت ہی مکمل باغ لگاتے ہیں جس میں ہر ہر چیز سے اُن کا غیر نمائشی اور پرسکون مسلک تفریح صاف طور پر نمایاں ہوتا ہی، وہ چھوٹے چھوٹے سبزہ زار، پہاڑیاں جھیلیں نہریں اور جزیرے اس خوبی سے بناتے ہیں کہ فطری حسن اور کشش جھلکتی نظر آتی ہی، ان چھوٹے چھوٹے باغوں میں آپ کو بہت ہی ننھے ننھے درخت اور پودے بھی نظر آئیں گے جن میں واقعی پھول لگے ہوتے ہیں، ظاہر ہی کہ باغبانی کی انتہائی مہارت کے بغیر اُن کا بونا آسان کام نہیں ہی، قدرتی مناظر سے یہ عشق اور تاریخی مقامات سے یہ عقیدت جاپانیوں کے جذبہ وطن پرستی میں اور اضافہ کر دیتی ہی،

۳- سادہ خانگی زندگی

سادگی جاپانیوں کے لیے ایک بڑی نعمت ہی، جاپان اپنی خانگی زندگی کا نہایت خوشگوار نمونہ پیش کرتا ہی، باوجودیکہ اس میں رسموں کی افراط ہی لیکن یہ مراسم بھی ایک حسن اور ناز کے رواج بن کر روزانہ زندگی میں شامل ہو گئے ہیں، گھر کا بزرگ علی الصبح اٹھ کر سب سے پہلے منھ ہاتھ دھوتا اور دانت صاف کرتا ہی، پھر وہ ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر سورج کے سامنے کھڑا ہوتا ہی اور اس سرچشمہ حیات

کی خدمت میں یہ سیدھے سادے الفاظ دھراتا ہی "اے معزز ہستی آج کا دن تجھے مبارک ہو" اس کے بعد بزرگوں کی لوحوں کے سامنے جو مقدس الماری میں رکھی ہوتی ہیں، خاموشی سے دعا کرتا ہی،

غروب آفتاب کے قریب مزدور گھر واپس آتے ہیں، اس وقت حماموں میں خوب چہل پہل ہوتی ہی، گرمیوں میں شام کے وقت تو سب کھلے بندوں نہاتے ہیں اپنا اپنا غسل کا ٹب مکان کے باہر لے آتے ہیں اور اس میں بیٹھ کر خوش گپیاں کرتے جاتے ہیں اور دن بھر کا کسل دور کرتے ہیں،

رات میں سب گھر بند ہو جاتے ہیں اور بالکل خاموشی چھا جاتی ہی، مکان کے اندر نیچی نیچی دیواریں بنی ہوتی ہیں، جنہیں چھلانگ کر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جا سکتے ہیں، جاپان کی اور دوسری چیزوں کی طرح بظاہر یہ مکان بھی بہت کمزور اور غیر مستحکم معلوم ہوتے ہیں لیکن زیادہ غور سے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہی کہ یہ خیال بالکل غلط ہی اُن کی نزاکت کے اندر کوئی چیز نامعلوم طریقے پر ایسی چھپی ہوئی ہوتی ہی جیسے لچکدار فولاد ہو، یہ نازک مکان حوادث روزگار کا اسی طرح مقابلہ کرتے ہیں جیسے شنٹو کی غیر محسوس فولادی روح اب تک اُن کا مقابلہ کرتی رہی ہی اور وہ اسے کچلنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے ہیں،

لکڑی کے ان نازک مکانوں پر چھپر پڑے ہوتے ہیں، اندر بہت ہی کم فرنیچر ہوتا ہی، نہ تو کرسیاں ہوتی ہیں اور نہ آسائش کے جدید لوازمات، مکان کو گرم رکھنے کا بھی کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا صرف ایک انگیٹھی ہوتی ہی جس کے چاروں طرف سخت سردی کے زمانے میں سب لوگ ایک ہی لحاف میں لپٹ کر بیٹھ جاتے ہیں، دیواروں پر چند تصویریں، دو چار قطعے اور تھوڑا سا آرائش کا سامان ہوتا ہی اور بس، فرش ہی پر بیٹھ کر وہ کھانا کھاتے ہیں، اور فرش ہی پر سوتے ہیں، امراء کے مکان بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہوتے حتیٰ کہ رؤسا کے محل بھی اندر سے ایسے ہی ہوتے ہیں، ہر معاملہ میں وہ انتہائی کفایت شعاری سے کام لیتے

ہیں، لیکن اُن کی آن بان اُن کی تقریبات اور اُن کی مہمان نوازی سے قطعی یہ ظاہر نہیں ہونے پاتا۔ اُن کے آرٹ۔ تمدن اور قومیت کی کامیابی کا یہی راز ہے، ایک متوسط درجے کے خاندان کی گھر گرہستی کا سارا سامان مثلاً ایک کاکیمونو، ایک گلدان، ایک لحاف، چند پتیلیاں، پیالے اور کچھ کھانے پکانے کے برتن۔ سب ایک چھوٹے سے صندوق میں آجاتے ہیں، اس میں نمائش کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، لیکن یہ بات جہالت، تہذیب کی کمی، یا افلاس کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ارادتاً کفایت شعاری کے خیال سے وہ ایسا کرتے ہیں،

جاپانی دنیا کے سادہ ترین لوگ ہیں، اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں، تفریحات میں، اظہار جذبات میں، غرضکہ ہر چیز میں سادگی کا لحاظ رکھتے ہیں، لیکن ذہنی اعتبار پر وہ کسی سے کم نہیں ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس سادگی ہی کا نتیجہ شنتو بدھ فلسفہ کا عروج ہے، جاپانیوں پر اکثر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ مذہب کی زیادہ پروا نہیں کرتے یہاں میں اس کی پُر زور تردید کرنا چاہتا ہوں، دراصل وہ مذہبی وجوہ کی بنا پر ہی مادی مفاد سے خاص دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں، کیونکہ اُن کے آقائے ولی نعمت، ظلِ الٰہی، مجتہد اعظم ملک معظم میروہیٹو کا یہی حکم ہے کہ دنیا کی جدید ترین چیزوں میں کمال حاصل کرو، وہ زندگی اور اس کی ذمہ واریوں سے احمقانہ بے پروائی نہیں برتتے، بلکہ اُن کی زندگی کی ایک منظم ترتیب ہے جسے بڑی زندہ دلی کے ساتھ وہ روزانہ پورا کرتے ہیں، جاپان میں ہندوستان کا ویراگ کا فلسفہ معیوب سمجھا جاتا ہے، اگر آپ ذرا غور سے دیکھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ کھیتوں میں خاموشی سے کام کرنے والے مزدور یا مختلف پیشے کرنے والے ادنیٰ سے ادنیٰ لوگ بھی ملک کے جانباز فدائی ہیں جو کسی قسم کے جوش وخروش کی نمائش یا ذاتی نمود یا رنج وافسوس کے اظہار کے بغیر ہر طرح کی قربانی اور خطرے کو برداشت کرنے کے لیے ہمہ وقت دل و جان سے تیار رہتے ہیں، لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ان چیزوں سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے، یہ تمام باتیں اُن کی انفرادی اور قومی سیرت کا ایک جزو ہیں،

"تمام سرکاری عمارتوں اور اس کے فرنیچر میں بھی حکومت جاپان نے نہایت کفایت شعاری اور سادگی سے کام لیا ہی ایک طرف چمبیر آف کامرس، غیر سرکاری بنکوں، بیمہ کمپنیوں وغیرہ کی عمارتیں اتنی دلکش اور اتنی اعلیٰ ہیں جتنا دولت کا تقاضہ ہو سکتا ہی تو دوسری طرف سرکاری عمارتیں بہت ہی سادہ ہیں، اگا ئی موشو یا وزارتِ خارجہ کا دفتر جسے دیکھ کر غیر ملکی مدبر جاپان کے متعلق کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں عمارت اور ظاہری حالت ہر اعتبار سے نہایت ہی معمولی ہے اور تکلفات کا تو نام بھی نہیں ہے، یہ ساری عمارت لکڑی کی ہے، اسی طرح مختلف وزارتوں کے دفاتر اور دوسرے سرکاری دفتر بھی لکڑی کے بہت معمولی بنے ہوئے ہیں، البتہ اب حکومت چند معقول عمارتیں بنوانے والی ہی خصوصاً پارلیمینٹ کی وہ عمارت جس پر تکمیل کے بعد جاپان بجا طور پر فخر کر سکیگا، غالباً سنہ ۱۹۳۶ء تک یہ عمارت ختم ہو جائے گی، اس وقت تک پارلیمینٹ اپنی موجودہ لکڑی ہی کی عمارت میں رہے گی، جاپان نہایت آسانی سے بیش قیمت عمارتیں بنوا سکتا ہی لیکن حقیقت یہ ہی کہ وہ تعیش کا شائق ہی نہیں ہی"

بری اور بحری فوج میں بھی عام سادگی اور کفایت شعاری جلوہ گر ہی، لیکن اُن کی کم خرچ وردی اور دوسری معمولی چیزوں کا اُن کی اہلیت اور فرض شناسی پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہی، جاپانی سپاہیوں کو اپنے گذارے کے لیے ہمارے ہندوستانی سپاہیوں سے بھی کم روپیہ کی ضرورت پڑتی ہی، بہر حال شاندار وردی اور چمکدار بٹنوں کے بجائے اُن کے بری اور بحری سپاہیوں نے نظم اور کارکردگی کا وہ معیار پیش کیا ہی کہ آج ساری دنیا کو اُن پر رشک آتا ہی اس کی وجہ یہ ہی کہ نمود و نمائش کی ظاہری چیزوں پر صرف کرنے کے بجائے وہ ٹھوس کاموں پر روپیہ صرف کرتے ہیں،

جاپان میں سرکاری ملازموں کی ایک اور خصوصیت ہی، اُن میں سچا جذبہ خدمت گذاری موجود ہی یعنی تمام سرکاری عہدہ دار اور ملازم واقعی اپنے آپ کو پبلک کا خادم سمجھتے ہیں

وہ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص سے بھی بے پروائی اور رعونت نہیں برتتے، سرکاری دفاتر، ہوٹلوں میں، دکانوں پر ہر جگہ مدد کرنے کا جذبہ یکساں پایا جاتا ہی ہر شخص سے ہمیشہ پوری توجہ اور انتہائی اخلاق کا سلوک کیا جاتا ہی، جاپان کی طرح شاید دنیا میں کوئی حکومت ایسی نہ ہوگی جو اپنی قوم کی اتنی خدمت اور غور و پرداخت کرتی ہو، اور اسی غور و پرداخت کا نتیجہ ہی کہ جاپانی قوم نے بڑے بڑے کارنامے کر دکھائے ہیں، جاپانی حکومت اپنی قوم کی کتنی مؤثر خدمت کرتی ہی اور قوم اس سے کتنا استفادہ کرتی ہی اس کا اگر آپ اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو جاپان کی تجارتی ترقی، صنعتوں کی ترویج اور اُن کے مال کی عالمگیر مقبولیت پر ایک نظر ڈالنا کافی ہوگا،

(۴) تہذیب و تمدن

صرف جاپان ہی ایک ایسا ملک ہی جس کی سب سے طویل اور مسلسل تاریخ موجود ہی اور جس پر ازمنہ قدیم سے بادشاہوں کا صرف ایک خاندان حکمران رہا ہی، جاپانیوں کی ایک زبردست خصوصیت یہ ہی کہ وہ اپنے بزرگوں اور اپنے بادشاہوں کے ساتھ اتنی غیر معمولی عقیدت رکھتے ہیں کہ انھیں دیوتا سمجھتے ہیں اور اپنی اُن روایات کے سخت پابند ہیں جو صدیوں کے عمل اور تجربہ کے بعد قائم ہوئی ہیں، ان کی دوسری خصوصیات سادگی، خوش اخلاقی، فطرت پرستی، خودداری، حب الوطنی، محنت، نظم، مطالعہ کا شوق، اور انتہائی قوم پرستی ہیں، اس کے علاوہ وہ بادشاہ، ملک اور مذہب کو بالکل مترادف سمجھتے ہیں اور شہنشاہیت کو ایک ازلی اور ابدی چیز تصور کرتے ہیں، اُن میں یہ نمایاں خصوصیتیں صدیوں کی روایات اور خود اُن کے آئین کی وجہ سے رفتہ رفتہ پیدا ہوگئی ہیں، روایت تو یہ ہی کہ شاہان جاپان سب سورج کی دیوی کی اولاد ہیں اور دیوی موصوف کا یہ حکم ہی کہ جاپان پر میری اولاد ہمیشہ فغفور بادشاہوں کی طرح حکمرانی کرے گی، اور آئین کا دفعہ اول یہ کہتا ہی کہ سلطنت جاپان پر بادشاہوں کا خاندان ابد تک حکومت کرتا رہے گا،

ماضی اور اس کی روایات سے ان کی یہ عقیدت مغربی تہذیب و تمدن اختیار کرنے میں کسی طرح حائل نہیں ہوئی بلکہ اس کے برعکس انھیں یہ فائدہ ہوا کہ بزرگوں کے تجربے کی کسوٹی پر پرکھنے کا موقع ملا، وہ ہر چیز کو بغیر سوچے سمجھے اختیار نہیں کرتے ہیں بلکہ بادشاہ اور اعلیٰ افسروں سے لے کر معمولی مزدور تک نازک سے نازک مسائل حل کرنے کی غرض سے اپنے بزرگوں کے مزاروں پر جاتے ہیں، اپنے خیالات اور اپنی تجاویز اُن کی روحوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور اُن سے کشف و ہدایات کے طالب ہوتے ہیں، گویا اس طرح انھیں حتی الامکان تمام نشیب و فراز پر غور و خوض کر کے کسی فیصلہ پر پہنچنے کا موقع ملتا ہی، اور وہ اچھی طرح اس کی چھان بین کر سکتے ہیں کہ آیا ہم جو اقدام کرنا چاہتے ہیں یا جو نئے خیالات اور نئی چیزیں اختیار کرنا چاہتے ہیں اُن کا نتیجہ اچھا نکلے گا یا بُرا

وطن کے ساتھ اُن کی فراوانی محبت کا سرچشمہ یہی عقیدہ ہی کہ ہر جاپانی اپنی قوم کو ایک خاندان تصوّر کرتا ہی، بادشاہ کو مشفق باپ کی جگہ دیتا ہی اور خاندانی جائداد یعنی ملک میں ہر بیٹے کو برابر کا وارث سمجھتا ہی، علاوہ ازیں وہ بادشاہوں کے خاندان کو جو ہمیشہ ہمیشہ سے چلا آتا ہی دیوتاؤں کی نسل سے تسلیم کرتا ہی، انہیں عقائد کا نتیجہ ہی کہ جب کبھی ضرورت پڑتی ہی وہ عام قومی مفاد کے سامنے اپنے ذاتی مفاد کی ذرا پروا نہیں کرتا، اور ہمیشہ اپنی ذات کو نظر انداز کر دیتا ہی اکثر حضرات کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اتنے عقلمند جاپانی کیسے یہ عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ بادشاہ کوئی مقدس اور ربّانی ہستی ہی، یا دیوتاؤں کی نسل سے ہی، جاپانی کبھی اس عقیدے کی توضیح و تشریح کرنے کی کوشش نہیں کرتے نہ اس مسئلہ پر وہ بحث مباحثہ کرتے ہیں اور نہ دلائل پیش کرتے ہیں وہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ ہماری زندگی کا جزو ہی، جاپان کے ہر بچے کی گھٹی میں پڑا ہی اور اتنا راسخ ہو گیا ہی جیسے ہزاروں برس سے یہ ہمارے خمیر میں داخل ہو، اس لیے یہ ہمیشہ ہمیشہ ہماری قوم کے لیے مشعل ہدایت کا کام دیگا، جس طرح کسی شخص کے یہ اختیار میں نہیں ہی کہ وہ کسی خاص فرقے یا نسل میں

پیدا ہو جائے بلکہ جہاں خدا اُسے پیدا کر دیتا ہے وہی اُسے قبول کرنا پڑتا ہے اسی طرح جاپانی بھی بلا چوں و چرا اپنے بادشاہ کی ربانی ہستی کو تسلیم کرتے ہیں، اور ایک مخصوص مختتم طریقے پر اُس کا اعلان کرتے ہیں،

بادشاہوں اور بزرگوں کا جاپان میں بے انتہا احترام کیا جاتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس قسم کی پرستش حیرت انگیز نتائج پیدا کرتی ہے، بخلاف مغرب کے عظیم الشان گرجوں کے جاپان میں جگہ جگہ مندر یا بزرگوں کے مزار ہیں، جو بڑے بڑے بھی ہیں چھوٹے چھوٹے بھی، شاندار بھی ہیں سادے بھی ہیں اور بعض بھدے بھی، لیکن ان کی ظاہری حیثیت سے قطع نظر جاپانی تو اپنے بزرگوں کی یادگار کے طور پر اُن کا احترام کرتے ہیں، وہ نہایت ادب سے اُن میں قدم رکھتے ہیں، وہاں پہنچ کر احتراماً جھک جاتے ہیں اور خاموشی سے دعائیں کرتے ہیں بعض سیاح اپنے اشتیاق اور استعجاب کے ماتحت ان مقدس مقامات کی بے عزتی کرتے ہیں لیکن اس سے مخلوق کی آمد و رفت اور ہجوم میں کوئی کمی نہیں آتی،

اِن درگاہوں میں ذرا خوف و ہراس نہیں ہوتا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مرنے والوں کی روحیں زندوں کو ایک پیغام محبت دے رہی ہیں، ایک سکون قلب عطا کر رہی ہیں وہ سال میں صرف ایک ہی بار سجائی نہیں جاتیں اور نہ صرف ایک بار اُن کی زیارت کی جاتی ہے بلکہ اکثر دبیشتر، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کے اعلیٰ خیالات، اُن کے نصب العین اور اُن کے کارناموں کی یاد برابر تازہ ہوتی رہتی ہے، مثلاً ٹوکیو میں ایک چھوٹی سی درگاہ ہے بہت سادہ اور نمود و نمائش سے بالکل پاک لیکن عوام اُس کا بے انتہا احترام کرتے ہیں، یہ گویا وفاداری کی یادگار ہے غالباً اسے سینتالیس جانثاروں کی درگاہ کہتے ہیں، یہاں سینتالیس سموُرائی[1] اور اُن کا آقا مدفون ہے جسے ناجائز طور پر ذلیل کر کے پھر ہلاک کیا گیا تھا، اس ناانصافی اور ظلم کا بدلہ لینے کے لیے ان لوگوں نے اس

---

[1] جانباز سپاہی

طاقتور رئیس کو مار ڈالا تھا جس نے اُن کے آقا پر ظلم کیا تھا اور اس کے بعد سب نے مل کر خودکشی کرلی تھی،

جاپانی تمدن اکثر حیثیتوں سے ہندوستانی تمدن سے ملتا جلتا ہی، دیوتاؤں اور مُردوں کی ارواح کی پرستش جاپان نے ہندوستان سے سیکھی ہی، جاپان میں نہ صرف دیوتا بلکہ بھوت پریت بھی بہت عام ہیں، جاپانی اپنے مُردوں کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے وہ دراصل زندہ ہیں اور اُن کے کارناموں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہورہے ہیں، یہی اُن کے مذہب کا اہم جزو ہی، ہر گھر میں ایک دیوتاؤں کی الماری یا چھوٹا سا مندر ہوتا ہی جو ہر خاندان کے مخصوص دیوتاؤں کے نام سے منسوب ہوتا ہی، اس کے علاوہ ایک ارواح کی الماری ہوتی ہی جسے "بھوت سُدان" کہتے ہیں، اس میں چھوٹی چھوٹی لوحیں رکھی ہوتی ہیں جن پر خاندان کے بزرگوں کے نام لکھے ہوتے ہیں، ان ارواح کی اکثر نذر ونیاز کی جاتی ہی، تھوڑا سا کھانا اور پانی چڑھایا جاتا ہی اور اُن کی راہ نمائی کیلئے چراغ روشن کیے جاتے ہیں، اس طرح تمام جاپانی اپنے مردوں کے ساتھ ایک تعلق قائم رکھتے ہیں اور اُنھیں اپنی مسرتوں میں برابر شریک کرتے ہیں، یہ سب ہندوستانی رسم شرادھ اور پتر پوجا کے سوا اور کیا ہی؟

پرانے زمانہ کا خاص ارواح خانہ شنٹو مندر ہوگیا جس میں اولین شہنشاہ اور مجتہد اعظم کی دیوتا کی حیثیت سے پرستش کی جاتی تھی اور اُن کے بعد کے لوگ اُن کے بچے سمجھے جاتے تھے، رفتہ رفتہ مذہبی پیشواؤں کا پورا ایک خاندان بن گیا جسے قدیم زمانے کے یہودیوں کے دیوتاؤں سے حیرت انگیز مناسبت تھی، بہرحال اس نے جاپانیوں کو ایک قوم بنا دیا اور اُن میں وہ سیرت اور خصوصیات پیدا کردیں جو اُن کے عروج کا اصلی سبب ہیں، جاپان کی عظمت اس وقت تک قائم رہے گی جب تک اُس کی خصوصیات باقی ہیں، لیکن جب یہ شنٹو خوبیاں کم ہونا شروع ہوجائیں گی اور جاپان کی قدیم تہذیب فنا ہوجائے گی تو سمجھنا چاہیئے کہ جاپان بھی ختم ہوگیا، بس پھر اُس کا زوال شروع ہوجائے گا۔

جاپان کی یہ انتہائی روحانیت اُس کی روزانہ زندگی میں برابر جلوہ گر نظر آتی ہی اور اُس کی زندہ مثالوں کا ایک لامتناہی سلسلہ جدید تہذیب کے طوفان کی تہ میں کہیں نہ کہیں ضرور ملتا ہی،

۵ مشترکہ خاندان

جاپانیوں کی دوسری خصوصیت اُن کی قابل رشک خاندانی زندگی ہی جو اُنھیں امدادِ باہمی اور مشترکہ مفاد کے لیے قربانی کا سبق سکھاتی ہی اور متحد و متفق رکھتی ہی

جاپان کے کسانوں کے محنتی طبقہ میں اب بھی قدیم تہذیب کے تمام آثار پائے جاتے ہیں، عورتیں اور لڑکیاں صبح سے شام تک اپنے مردوں کے دوش بدوش خندہ پیشانی سے غیر معمولی محنت و مشقت کرتی ہیں، مزدور بہت تھوڑی اجرت پر مل جاتے ہیں، لیکن وہ بھی اتنے کفایت شعار ہیں کہ اس تھوڑی سی مزدوری میں سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور بچا لیتے ہیں برسوں سے ناگاساکی میں لڑکیاں ہی جہازوں میں کوئلہ جھونکتی ہیں اور پہاڑی علاقوں میں تو عورتیں بھاری بھاری بوجھ لے جاتے ہوئے نظر آتی ہیں، اس طرح گویا کسانوں کی ساری زندگی مزدوری کی خاطر محنت و مشقت میں گذرتی ہی لیکن اُنھیں کسی طرح غیر مہذب اور جاہل نہیں کہا جا سکتا یہ سب اُن کی تہذیب و تمدن کا جزو ہی، اور اس کی بنیاد وہی شنتو مذہب ہی۔

خاندان کو ایک ایسا اجتماعی نظام تصور کیا جاتا ہی جس کا کوئی جزو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور اِس کُل کی بہبودی ہمیشہ پیش نظر رہتی ہی، چاہے اس سلسلے میں کسی جزو کی قربانی ہی کیوں نہ کرنا پڑے (میں اس مسئلہ پر آئندہ کسی باب میں تفصیل سے بحث کروں گا)

۶۔ انتہائی خوش اخلاق

میں نے اپنے ساری دنیا کے سفر میں جاپانیوں کو سب سے زیادہ خوش اخلاق پایا ہی، امریکن، اطالوی آسٹرین، ایرانی اور چینی بھی خوش اخلاق ہیں اور میں اُن کی اس خوبی کا معترف ہوں

لیکن جاپانیوں سے بڑھ کر کوئی قوم نہیں دیکھی، برطانیہ نے مجھے روس جانے کی اجازت نہیں دی تھی اس لیے میں نہیں کہہ سکتا کہ روسی اپنے ملازموں اور مزدوروں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں لیکن جاپان میں تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ملازموں، ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنے والوں، اور بھنگیوں سے بھی برابری کا سلوک کیا جاتا ہے اور انھیں اپنا بھائی تصور کیا جاتا ہے، تمام نوکروں حتیٰ کہ کتوں کو بھی "... صاحب" سے مخاطب کیا جاتا ہے، عام طور پر نوکر گھر کے لوگوں کے ساتھ ایک ہی میز پر کھانا کھاتے ہیں جاپانیوں کا یہ قابل قدر طریقہ مجھے بہت پسند آیا، اس کے مقابلے میں ملازموں کے ساتھ ہمارا سلوک کتنا شرم ناک ہے ہم انھیں بچا کھچا کھانے کو اور پھٹا پرانا پہننے کو دیتے ہیں، جب ہم ان سے ایسا برا سلوک کرتے ہیں تو کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ وہ صاف ستھرے رہیں گے اور دل سوزی سے کام کریں گے ہمیں جاپان سے یہ سبق سیکھنا چاہیئے جاپان کا اخلاق مغربیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ ان کی روایتی چیز ہے اور مشرقیت اس کا منبع ہے، ایک امریکن مصنف نے اسے یوں بیان کیا ہے،

ٹوکوگاوا دور میں جو جاپان کا زریں دور کہلاتا ہے آداب نے ایک مذہبی شکل اختیار کر لی، خوش اخلاقی نے آرٹ اور مذہب کی جگہ لے لی، عام رسم ورواج پر اصولوں کی جلا کی گئی اور نئے نئے مسائل معرض وجود میں آئے جو زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہوگئے بد اخلاقی کا نوک شمشیر سے تدارک کیا گیا، بہر حال جاپانیوں کی غیر معمولی فرماں برداری کی وجہ سے یہ آداب واطوار جو بظاہر مصنوعی اور نمائشی معلوم ہوتے تھے قومی سیرت کا جزو بن گئے یورپ کے امراء میں جو شجاعت اور جانبازی پائی جاتی تھی وہ جاپان کے ادنیٰ سے ادنیٰ کسان میں پیدا کی گئی، صدیوں تک جاپان سخت ترین نظم (ڈسپلن) کا پابند رہا، صدیوں تک وہ طرح طرح کی آفتوں اور جنگ کی تباہ کاریوں کا مسلسل شکار رہا، صدیوں تک وہ افلاس، مصائب اور موت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا رہا اور صدیوں

تک اُس نے ہر بات اور ہر حکم پر صرف "ہاں" کہا گویا "نہیں" کہنا وہ جانتا ہی نہ تھا۔ اُن کی تہذیب اتنی دقیق اور اتنی نازک ہی کہ اگر ہم شرافت کا پورا مفہوم پیش نظر رکھیں تو ہمیں بہت کچھ شکوک پیدا ہو سکتے ہیں لیکن یہ واقعہ ہی کہ عملاً جاپانی ساری دنیا سے زیادہ شریف، سادگی پسند اور خوش اخلاق ہیں، انہوں نے وہ چیز حاصل کی ہی جو گوہر آبدار کی طرح نایاب، بیش قیمت، اور حسین ہی، انہوں نے خوش اخلاقی کو ایک جوہر بنالیا ہی رسم ورواج سے ایک مفید آرٹ کا کام لیا ہی اور آلام ومصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کو اپنا مسلک قرار دیا ہی

۷۔ حیرت انگیز تنظیم

جاپانیوں کی حیرت انگیز تنظیم سیاحوں کو متأثر کئے بغیر نہیں رہتی، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ فرض کیا چیز ہی محض اتفاق پر کوئی چیز نہیں چھوڑی جاتی بلکہ سارے ملک کی ایک خاص نظام کے ماتحت تنظیم کی گئی ہی اور ایسے قواعد اور ضوابط ترتیب دئے گیے ہیں جن پر باضابطہ عمل کرایا جاتا ہی، ہر شخص اپنا فرض محسوس کرتا ہی اور بڑی بات یہ ہی کہ اُسے پوری طرح ادا بھی کرتا ہی اس کا نتیجہ یہ ہی کہ ہر جگہ امن وامان ہی اور وہاں کے باشندے اور سیاح سب محفوظ ہیں

میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ جاپان کے بڑے سے بڑے افسر سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے مزدور تک ہمیشہ اپنے وعدہ کی پابندی کرتے ہیں اور صحیح وقت پر اپنا فرض انجام دیتے ہیں،

ہندوستان میں درزی، موچی، دھوبی، اور اسی قسم کے دوسرے پیشہ ور لوگ وعدہ خلافی کے لیے بدنام ہیں لیکن جاپان میں ایسی صورت کبھی پیش نہیں آتی جاپانیوں کی سیرت کی یہ بہت بڑی خوبی ہی کیوں کہ ہر چیز مشین کے پرزوں کی طرح منظم ہی اور یہ مشین گھڑی کی سوئی کے ساتھ ساتھ چلتی ہی

دیانت داری کا دور دورہ

مجھے جاپانی تاجروں سے کوئی سابقہ نہیں پڑا ہی اس لیے میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ معاملہ کے صاف ہیں یا نہیں؟ لیکن میں عام جاپانیوں کے متعلق ضرور اظہار رائے کر سکتا ہوں کیوں کہ اُن کے ساتھ مجھے رہنے سہنے کا اتفاق ہُوا ہی، قدیم زمانے کے ہندوستانیوں کی طرح جاپانی بھی نہایت ایماندار اور سچّے ہوتے ہیں، اُن میں ایمانداری کا معیار غیر معمولی طور پر بلند ہی ادنیٰ اور متوسط طبقے کے لوگ امراء سے نسبتاً زیادہ ایماندار ہوتے ہیں کیوں کہ وہاں کے امراء کی معاشرت بھی قریب قریب ویسی ہی ہے جیسی دوسرے ممالک کے امراء کی،

جاپانی نوکر بڑے ایماندار ہوتے ہیں اور اپنے مالک کے مال کو ایک مقدس امانت تصور کرتے ہیں، ٹوکیو میں ہمارے گھر میں تالا کنجی نہ تھا اور نہ ہمارے صندوق مقفل رہتے تھے، ہم بارہا عرصے تک اپنے گھر سے غیر حاضر رہے لیکن کبھی ہمارا ایک پائی کا بھی نقصان نہ ہُوا

چوری ڈاکے اور قتل وہاں شاذونادر ہی ہوتے ہیں، آپنے کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ پُرانے زمانے میں ہندوستانی اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے نہ سوتے تھے کیوں کہ سب لوگ نہایت ایماندار تھے اور چوروں کا وجود ہی نہ تھا، جاپان کے دیہاتوں میں یہ چیز آج بھی دیکھنے میں آتی ہی، یہ روایات بھی ہندوستانی ہیں جو جاپان میں اب تک محفوظ ہیں، لیکن ہندوستان میں صرف شمال کے پہاڑی علاقوں میں اس کے کچھ کچھ آثار باقی ہیں کیوں کہ وہاں کے لوگ اب بھی بہت ایماندار، سچے اور چوری وغیرہ کے جرائم سے ناآشنا ہیں، میں نے خود ہمالیہ پر ایسے مقامات دیکھے ہیں، ۱۹۲۷ء میں جب میں نے ہمالیہ پہاڑ پر کوئی ایک ہزار میل کا پاپیادہ سفر کیا تھا تو مجھے اکثر ایسے گاؤں ملے تھے، جہاں چوری کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا

ہندوستان کے انتہائی شمال میں ایک شہر لیہ ہی جو لداخ کا صدر مقام ہی

اور وسطی ایشیا کا تجارتی مرکز ہے، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ وہاں سڑکوں پر ایک پولیس والا بھی نظر نہیں پڑا، میں نے ریاست کشمیر کے گورنر سے دریافت کیا کہ آخر اتنے بڑے شہر اور ایسے اہم تجارتی مرکز میں جہاں تمام ممالک کے لوگوں کا زبردست کاروبار ہے پولیس کیوں نہیں ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ "پولیس کی ہمیں ضرورت ہی نہیں ہے کیوں کہ یہاں جرائم ہی نہیں ہوتے، پولیس کے قدم رکھتے ہی پھر جرائم بھی شروع ہو جائیں گے"،

ہندوستانی پولیس کی جو اس وسیع براعظم میں یونین جیک کی علمبردار ہے کیسی افسوسناک لیکن صحیح تنقید ہے، مگر پولیس کا اس میں کیا قصور؟ سارا قصور تو حکومت کا ہے جو نہایت غیر مہذب اور جاہل کانسٹبل بھرتی کرتی ہے تاکہ وہ اُن ہندوستانی مردوں، عورتوں اور بچوں پر لاٹھی اور گولی چلا سکیں جو صرف اپنے معاملات خود سنبھالنے کا حق چاہتے ہیں،

جاپانی پولیس ہندوستانی پولیس سے بالکل مختلف ہے انگلستان اور اسی طرح جاپان کے پولیس والے عوام کے بہترین دوست اور خیر خواہ ہوتے ہیں، وہ پوری طرح تعلیم یافتہ، مہذب، خلیق اور ہمدرد ہوتے ہیں اُن کی وردی ایسی خوف انگیز نہیں ہوتی جیسی اڈوائر ہندوستان میں رائج کرنا چاہتا تھا،

میں یہ نہیں کہتا کہ جاپان کے سارے پولیس والے ہر طرح کے الزام سے پاک ہیں حال ہی میں کوئی چھ سات واقعات ایسے ہوئے جن میں پولیس والے بھی شریک جرم تھے، مجھے بتلایا گیا ہے کہ اگر ان شریف پولیس والوں کو یہ شک ہو جائے کہ کوئی شخص ایسی سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہے جو اُن کی قومی حکومت کے لیے مضر ہے مثلاً کمیونزم وغیرہ تو وہ بدترین صورتیں بھی اختیار کرتے ہیں، خوش قسمتی سے مجھے کبھی ایسے سلوک کا تجربہ نہیں ہوا البتہ میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ بحیثیت مجموعی پولیس کے اعلیٰ اخلاقی معیار سے جرائم کے انسداد، مجرموں کی سزایابی اور اُن کی اصلاح میں بڑی امداد ملتی ہے،

پولیس افسر فطرتاً بڑے شریف ہوتے ہیں اور وہ مختلف سماجی تحریکوں میں بھی حصہ لیتے ہیں مثلاً غریبوں اور ضرورت مندوں کی امداد وغیرہ، ان کاموں کے لیے اکثر لوگ پولیس کے ذریعہ سے چندہ دیا کرتے ہیں،

انتہائی ڈسپلن

نظم و ترتیب جاپان کی فوجی زندگی کی بنیاد ہے، میرا یہ دعویٰ ہے کہ اس معاملہ میں جاپان دنیا کے تمام ممالک سے حتیٰ کہ جرمنی سے بھی سبقت لے گیا ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں نظم ہی کا دور دورہ ہے، افواج میں تو ہر ملک میں نظم ہوتا ہے لیکن جاپان میں آپ کو پرائمری اسکولوں سے لے کر یونیورسٹی تک تمام تعلیمی اداروں میں، کارخانوں میں، سڑکوں پر، سینما میں، کھیل کے میدانوں میں، ریل میں، موٹروں میں، ٹرامویز میں، پارکوں میں غرضکہ ہر جگہ نظم جلوہ فرما ملے گا،

اسکولوں میں تمام بچے گہرے نیلے رنگ کی وردی پہنتے ہیں، لڑکوں کی وردی فوجی انداز کی ہوتی ہے اور لڑکیوں کی بہت ہی سادی یورپین انداز کی، جب بازاروں میں ہزاروں طلبا، دلکش وردی پہنے ہوئے فوجی انداز سے مارچ کرتے ہوئے نکلتے ہیں تو کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے لاکھوں میں سے ایک پر بھی فیشن کا ذرا اثر نہیں ہوتا، سب طالب علموں کے سر کے بال باریک کٹے ہوئے ہیں اور وہ بند کالر کا کوٹ اور فوجی ٹوپیاں پہنے ہوتے ہیں،

آپ جہاں کہیں جائیں یہ محسوس ہوگا کہ آپ ایک منظم ملک میں ہیں، ہندوستان میں اسٹیشنوں پر اور سینما میں آئے دن جو بدنما اور شرمناک حالات دیکھنے میں آتے ہیں یہاں اُن کا نام ونشاں بھی نہیں ہے، نہ کہیں گالیوں کی بوچھار ہوتی ہے نہ ٹکٹ گھر پر ایک دوسرے کو دھکے دینے کی کوشش اور نہ ملک کے کسی گوشے میں لفنگے پن کا مظاہرہ، اگر اتفاق سے کسی کا شانہ دوسرے سے رگڑ جائے تو دونوں ایک دوسرے کے سامنے تعظیماً جھکتے ہیں اور تین بار

معافی مانگتے ہیں، ٹوکیو میں ٹریموے میں اتنی بھیڑ ہوتی ہی کہ کھڑے ہونے کی بھی مشکل سے جگہ ملتی ہی، مردوں، عورتوں اور بچوں کا آپس میں کھوے سے کھوا اچھلتا ہی مگر کبھی کسی عورت نے بدعنوانی کی شکایت نہیں کی، کیا یہ ہمارے یہاں ممکن ہی؟ خصوصاً شمالی ہند میں جہاں اچھے خاندان کی شریف عورتیں ٹریموے میں بیٹھتے ہوئے ہچکچاتی ہیں، کیوں کہ یہاں تو لوگ عورتوں کا احترام کرنا نہیں جانتے، اس معاملہ میں ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان زیادہ گنہگار ہیں، ہر سال پنجاب کے اخباروں سے معلوم ہوتا ہی کہ دیوالی اور دوسرے تیوہاروں کے موقعوں پر ہمارے نوجوان بھڑکیلی پوشاک کے پیچھے دیوانے ہو جاتے ہیں" کیتنی شرمناک بات ہی، کیا ہمارے رہنما کبھی ان نوجوانوں میں نظم پیدا کرنے کا خیال کرتے ہیں، اور کیا ہماری پولیس راہگیروں کو اور سینما وغیرہ سی تفریح گاہوں میں جانے والوں کو نظم کی تعلیم دینے کی کوشش کرتی ہی؟ کیا ہم ان ناگوار واقعات کا خاتمہ نہیں کرسکتے جو آئے دن اسٹیشنوں پر، ریلوں میں، تھیٹروں میں، اور پبلک جلسوں میں ظاہر ہوتے ہیں؟ نظم نہ ہونے کی وجہ سے کتنی بیگناہ جانیں ضائع ہوتی ہیں، ہندوستانیوں نے کبھی اس کا بھی اندازہ کیا؟ ہردوار میں کمبھ کے میلے کے موقع پر میں نے خود یہ دردناک منظر دیکھا کہ گنگا میں ایک غوطہ لگانے کے لیے لوگ ایسے پاگلوں کی طرح دوڑ رہے تھے کہ چونتیس ۳۴ یاتری کچل گئے، اسی بدنظمی کی بدولت مہاتما جی بھی اکثر چھپٹ میں آگئے اور بال بال بچے، ایک منظم قوم بنے بغیر کیا ہم کبھی آزاد ہوسکتے ہیں؟

ہمیں پہلے جاپان سے نظم کا سبق سیکھنا چاہیئے جو آج دنیا کا سب سے زیادہ منظم ملک ہی،

روایات میں، گھروں میں، اسکولوں میں، مندروں میں، غرض کہ ہر جگہ ہر جاپانی میں سخت ذہنی اور سماجی نظم پیدا کیا گیا ہی جس سے اُن میں غور و فکر او ضبط نفس کی قوت اور خودداری و خوداعتمادی کے محاسن پیدا ہو گئے ہیں، چنانچہ وہ جو کچھ کرتے ہیں انھیں اپنی کامیابی اور سچائی کا یقین ہوتا ہے گویا وہ ہر وقت اپنی روحانی قوت کے اعتماد پر کام کرتے ہیں، جاپانیوں میں آج جو قابل قدر خوبی سب سے ممتاز ہی وہ اُن کا یہی خاصہ

نظم و ترتیب ہی، دنیا کے پردے پر کوئی قوم مشکل سے اتنی منظم ہوگی جتنی یماٹو کی یہ نسل، دنیا کی ایک زبردست طاقت بننے کے سلسلے میں وہ جس نازک دور سے گذر رہے ہیں دراصل اُس میں یہی خوبی اُن کا ساتھ دے رہی ہی،

ساری قوم ایک فرد کی حیثیت سے عمل کرتی ہی اور کوئی طریقہ عمل طے ہو جانے کے بعد اختلاف کی ایک آواز بھی سننے میں نہیں آتی، جاپان میں بھی اندرونی سیاست اور خود غرض مدبرین موجود ہیں لیکن اُن کا غیر معمولی جذبہ وفاداری اور وطن پرستی ہمیشہ انہیں مجبور کر دیتا ہی کہ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ذاتی، مقامی یا جماعتی مفاد کو عام قومی مفاد کے ماتحت نظر انداز کر دیں اگر کسی سرکاری افسر کا ماتحت کوئی بدعنوانی کرتا ہی تو وہ افسر اُس وقت تک چین نہیں لیتا جب تک اس ماتحت کا استعفےٰ نہ آجائے، اس قسم کے استعفے جاپان میں بہت عام ہیں، اس میں کوئی دباؤ ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، ان کا نظم خودداری اور ضمیر خود اُن سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہی صورت اختیار کریں جو گنہگاروں کے لیے زیبا ہی کھیل میں، تجارت میں، محبت میں اور جنگ میں ہر جگہ یہی جذبہ طاری و ساری ہی،

ہمارے کتنے نام نہاد لیڈروں میں ذمہ داری کا ذرا سا احساس اور قومی نظم سے ذرا سا لگاؤ بھی پایا جاتا ہی، معمولی سے معمولی اختلاف پر وہ نئی نئی پارٹیاں بنانے کو کھڑے ہو جاتے ہیں جس سے قومی وقار کو صدمہ پہنچتا ہی لیکن پھر بھی وہ قوم پرست لیڈر مانے جاتے ہیں، سچ ہی ہماری حالت بڑی افسوسناک ہی!

آزادی ملنے کے بعد شروع شروع میں یقیناً ہمیں نظم کی شدید ضرورت محسوس ہوگی اور اُن خود غرضیوں کی سختی سے روک تھام کرنی پڑے گی، جن کا مظاہرہ مختلف جماعتیں اور افراد سیاسی میدان میں اکثر کیا کرتے ہیں، حقیقت میں ہمیں اپنے تعلیمی نظام کو از سرِ نو ترتیب دینا پڑے گا تاکہ ہماری خاص ضروریات پوری ہو سکیں اور ہمارے نوجوانوں میں اتحاد کا احساس اور وطن پرستی کا جذبہ پیدا ہو،

لیکن اس کام کے لیے غالباً کسی ایسی زبردست قوت یا ادارے کی ضرورت پڑیگی جو ملک کے نوجوانوں میں عملی نظم پیدا کرنے اور اُس کی خوبیاں اُن کی ذہن نشین کرانے کی خدمت انجام دے میرا خیال ہو کہ جاپانی فوج اپنے دوسرے فرائض سے کہیں زیادہ نوجوانوں میں نظم اور وطن پرستی پیدا کرنے کی خدمت انجام دیتی ہو اس کا ایک ایسا اخلاقی اثر پڑتا ہو کہ کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی

(۱۰) اخلاقی معیار ہمارے یہاں اخلاق کا مفہوم چال چلن یا جنسی تعلقات سمجھا جاتا ہو لیکن یہاں میرا مقصد صرف اس اخلاق سے نہیں ہو بلکہ عام اخلاقی حالت سے ہو، جاپان میں شراب پینے کی عادت کثرت سے ہو لیکن یہاں مجھے اس کا تذکرہ نہیں کرنا ہو نہ طوائفوں کی شرمناک حالت کا نقشہ کھینچنا ہو یہاں تو میں جاپانی اخلاقیات کا روشن پہلو پیش کرنا چاہتا ہوں اور اپنے ناظرین کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ جاپانیوں کا اخلاقی معیار قابل رشک حد تک بلند ہو، مجھے یہ معلوم کرکے سخت حیرت ہوئی کہ جاپانی زبان میں گالی نہیں ہو حالانکہ دنیا کی کوئی زبان اس سے پاک نہیں ہو، وہاں سب سے برا لفظ "بیوقوف" ہو جسے جاپانی میں "باکا" کہتے ہیں اور بنگالی زبان میں "بوکا"

ہندوستان کی طرح وہاں آپ کبھی لوگوں کو سڑکوں پر یا گھروں میں بدزبانی کرتے یا گالیاں بکتے نہ دیکھیں گے، مجھے یہ کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہو کہ ہمارے والدین چاہے وہ تعلیم یافتہ ہوں یا جاہل جب اپنے بچوں کو برا بھلا کہتے ہیں تو انھیں طرح طرح کے بیہودہ الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں اور اکثر گالیاں بھی دیتے ہیں، لیکن جاپان میں ایسے الفاظ ہی نہیں ہیں، وہاں جب وہ اپنے بچوں پر خفا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں "کیا تم جاپانی نہیں ہو جو ایسا کرتے ہو" بس بچوں کو شرمانے کے لیے اتنا کہنا ہی کافی ہوتا ہو کیوں کہ اس سے اُن کی خودداری کو صدمہ پہنچتا ہو ذرا اس کا مقابلہ ہندوستان کے حالات سے کیجیے، تمام جاپانی حتیٰ کہ اُن کے بچے بھی جاپان اور جاپان کی ہر چیز پر ناز کرتے ہیں لیکن ہمارے اکثر بھائی جو تعلیم جدید

کی پیداوار ہیں طنزاً اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، جیسے "ہندوستانی ٹائم"، "ہندوستانی معیار"، "ہندوستانی تصویر"، "ہندوستانی گپ"، اور "ہندوستان کا بنا ہوا" وغیرہ وغیرہ اور اس طرح وہ اس ملک کی تضحیک کرتے ہیں جس میں وہ پیدا ہوئے، ہمارے اکثر مغرب زدہ نوجوانوں اور ہندوستانی افسروں کی یہ ذہنیت کتنی شرمناک اور غدارانہ ہے گویا وہ اپنے آپ کو ہندوستانی نژاد ہی نہیں بلکہ اینگلو سیکسن نسل سے سمجھتے ہیں،

اب ذرا آئیے ہم اپنے اخلاق کے ایک نہایت اہم پہلو کا جاپانیوں سے مقابلہ کریں ہمارے نوجوانوں کا خصوصاً شمالی ہند کے نوجوانوں کا چال چلن آج کل بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے اور اُن کی اخلاقی حالت گرتی جا رہی ہے، طالبات جب اپنی لاریوں میں گزرتی ہیں تو ہمارے طلبا اُن کو چھیڑتے ہیں، اکثر اُن کے کالج، اسکول یا گھروں تک اُن کا پیچھا کرتے ہیں، میلوں جلسوں، اور جلوسوں میں جہاں کہیں انہیں نوجوان لڑکیاں مل جاتی ہیں وہ اپنی پستی اور خفیف الحرکاتی کا مظاہرہ کرتے ہیں، یہ واقعات پنجاب کے اخباروں میں بار بار آچکے ہیں، شمالی ہند میں ریلوں میں یا ٹریموے میں بہت کم عورتیں دوسرے مردوں کے ساتھ تنہا سفر کرنا پسند کرتی ہیں کیوں کہ انہیں اپنی بے عصمتی کا اندیشہ ہوتا ہے، لیکن جاپان میں حالات بالکل مختلف ہیں کسی عورت یا لڑکی کو خواہ وہ کیسی اچھی پوشاک میں ملبوس کیوں نہ ہو کوئی نظر بھر کر دیکھنے کی بھی جرات نہیں کرتا، ریلوں میں، موٹروں میں، اور ٹریم میں مرد اور عورتیں شانہ بشانہ کھڑی رہتی ہیں لیکن کبھی کسی عورت کو بدعنوانی کی شکایت نہیں ہوتی جاپان والے شریف اور باعصمت عورتوں پر کبھی ہاتھ نہیں ڈالتے، جیسے لاہور، امرتسر اور دہلی میں اکثر سننے میں آتا ہے، یہاں تو اگر کوئی عورت تنہا کسی جلسے، ٹریم یا تفریح گاہ میں نکل جائے تو اس پر آوازے کسے جانا لازمی ہے، اکثر غنڈے جو ہمیشہ کسی شکار کی تلاش میں ایسے مقامات پر گھوما کرتے ہیں اس پر ہاتھ بھی ڈال دیتے ہیں یہ الفاظ سپرد قلم کرتے وقت میری گردن شرم کے مارے نیچی ہوئی جا رہی ہے لیکن میں مجبور ہوں کیوں کہ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ "سماج کے گناہوں" کی طرف اپنے نوجوانوں کو توجہ دلاؤں

مجھے علم ہے کہ ہر جگہ بہتر سے بہتر اخلاق کے نوجوان بھی موجود ہیں لیکن میں اپنے ان نوجوانوں کی پست حالت کا ماتم کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو اپنی قدیم ہندوستانی تہذیب سے ارادتاً یا غیر ارادتاً روز بروز ہٹتے ہی جا رہے ہیں، ہماری تہذیب میں اخلاق تو انسان کی بڑی صفت مانی گئی ہے اس لیے میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں درستی اخلاق کی توفیق عطا کرے کیوں کہ اعلیٰ اخلاق ہی سے قوم کی تعمیر ہو سکتی ہے۔

پانچواں باب

لازمی تعلیم

جاپان اسکولوں کا مجموعہ ہے، سارا جاپان خود ایک سکول ہے یعنی علم و فن کے لحاظ سے وہ ایتھنس ثانی ہے، جاپانی قدیم یونانیوں کی طرح فطرتًا نہایت مستعد اور چست و چالاک ہوتے ہیں، اُن کی ذہنیت میں بڑی گنجائش ہوتی ہے، وہ ہر چیز کو قبول کرنے کو تیار رہتے ہیں اور ہر نئی اور عجیب چیز کو سیکھنے کے شائق، یہ لوگ علم کی تلاش میں ایسے رہتے ہیں جیسے تشنۂ پانی کی تلاش میں (ڈاکٹر نیٹوبے)

میں کوئی ماہر تعلیم نہیں ہوں اور نہ مجھے دعوئی ہے کہ تعلیم جیسے اہم مسئلہ پر رائے زنی کر سکونگا اس لیے میں ناظرین کے سامنے جاپان کی تعلیمی حالت کے متعلق چند ضروری اعداد و شمار اور خاص خاص واقعات پیش کر دوں گا، تاکہ وہ خود یہ طے کر سکیں کہ صحیح تعلیم کیسی نعمت عظمیٰ ہے اور اس کی بدولت کس طرح جاپان ستر سال کے اندر اندر اس قابل ہو گیا کہ برطانیہ اور امریکہ جیسی عظیم الشان سلطنتیں بھی اُس پر رشک کرتی ہیں، بخلاف اس کے ایک سو اسی سال کی برطانوی سرپرستی کے باوجود ہندوستان کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہے،

اس کی وجہ کچھ زیادہ بعید از قیاس نہیں ہے، جاپان کی لازمی تعلیم میں اس کا راز مضمر ہے، جو بنگال میں کلائیو کی فتح کے تقریبًا ایک سو سال بعد وہاں جاری ہوئی تھی لیکن ملاحظہ کیجئے کہ کیسے شاندار نتائج برآمد ہوئے آج وہاں ننانوے فی صدی آبادی تعلیم یافتہ ہے جب کہ

ہندوستان میں تعلیم کا اوسط صرف ۹ نو فی صدی ہی،

سنہ ۱۹۳۱ء میں جاپان میں ۴۵۸۹۸ مدارس تھے اس میں ابتدائی مدارس سے لے کر یونیورسٹیوں تک ہر قسم کے اسکول شامل ہیں جن میں ۱۲،۸۴۷،۳۰۰ طلباء تعلیم پاتے ہیں یہ اسکول ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اور اُن کا اوسط دس میل میں تین اسکولوں کا پڑتا ہی طالب علموں کا اوسط آبادی کا بیسواں حصہ ہی،

یہی وجہ ہی کہ جاپان میں ایک گاؤں یا ایک قریہ بھی ایسا نہ ہوگا جہاں لوگ پڑھتے ہوئے نہ ملیں اور غریب سے غریب طبقے میں بہت کم لوگ ایسے ہونگے جو لکھ نہ سکتے ہوں۔ لازمی فوجی بھرتی کے سلسلے میں ہر سال جو امتحانات ہوتے ہیں اُن سے یہ چیز اور زیادہ واضح ہو جاتی ہی، اس موقعہ پر پتہ چلتا ہی کہ ملک کے نوجوانوں میں بہت کم ایسے ہیں جو پڑھنے لکھنے سے نابلد ہوں،

سرسری طور پر دیکھنے والے متعجب ہوتے ہیں کہ جاپان کو امریکہ اور یورپ سے تعلقات پیدا کیے ابھی صرف پچاس سال ہی گذرے ہیں لیکن اس نے تعلیم میں اتنی سرعت کے ساتھ کیسے ترقی کر لی، بہر حال یہ چیز نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ جاپان ایک قدیم ملک ہی اور جس وقت مغربی تہذیب شروع ہوئی اسے قبول کرنے اور اُس سے استفادہ کرنے کی جاپان میں پوری اہلیت موجود تھی،

شاہ میجی سے قبل جاپان کے تعلیمی نظریے بودھ اور دیگر اثرات کے ماتحت بدلتے رہتے تھے اس لیے لوگ بیرونی تعلیمات کو قبول کرنے کے اہل تھے، چنانچہ اُنھوں نے اپنے قومی آئین اور مخصوص جذبات کی امداد سے اپنی ایک خاص تہذیب کی بنیاد ڈال لی، میجی دور کے ابتدا میں جاپانی لوگ مغربی تہذیب کے اتنے شائق تھے کہ اُنھوں نے ہر مغربی چیز کو اختیار کر لیا تھا، اور طرح طرح کے اصولوں اور نظریوں کی پیروی شروع کر دی تھی، اس پر اکتوبر سنہ ۱۸۹۰ء میں تعلیم کے مسئلہ پر ایک شاہی فرمان جاری ہوا، جس میں ملک کی تعلیمی پالیسی کو بالکل واضح کر دیا گیا، اِس کے بعد تمام اسکولوں نے ان اصولوں پر عمل شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایسا تعلیمی نظام قائم ہو گیا جو ہر طرح قومی ضروریات

کے مطابق تھا،

آج جاپان کا تعلیمی نظام مغربی ممالک کے نظام سے کسی حالت میں کم نہیں ہے اور اسے یہ فخر حاصل ہے کہ اُس نے مشرقی اور مغربی تہذیبوں میں ایک امتزاج پیدا کر دیا ہے جس کی بنیاد اُن کا قومی آئین ہے،

مذکورہ بالا شاہی فرمان کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے

اے ہماری وفادار رعایا تمہیں معلوم ہو کہ:۔ ہمارے بزرگوں نے ہماری سلطنت کی بنیاد وسیع اور دائمی اصولوں پر ڈالی تھی اور نیکی کا بیج بہت گہرا اور ہوشیاری سے بویا تھا، ہماری رعایا جو ہمیشہ وفادار اور سعادت مند رہی ہے نسلاً بعد نسلاً اُس کے حسن کو نمایاں کرتی رہی ہے یہی ہماری سلطنت کی شاندار خصوصیت ہے اور اسی میں ہماری تعلیم کا راز پوشیدہ ہے

تم۔ اے ہماری رعایا!! اپنے والدین کے سعادت مند رہو، اپنے بھائی اور بہنوں سے شفقت سے پیش آؤ، اپنی ازدواجی زندگی ہم آہنگی سے اور ایک دوسرے کے سچے رفیق کی حیثیت سے گذارو، حیا اور اعتدال کا لحاظ رکھو، ہر ایک سے فیاضی سے پیش آؤ، علم حاصل کرو اور فنون کو رائج کرو، اس طرح اپنی ذہنی استعداد اور اخلاقی قوتوں کو بڑھاؤ، علاوہ ازیں عام بہبودی اور قومی مفاد کا خیال رکھو، ہمیشہ اپنے آئین کا احترام کرو اور قوانین کی پابندی کرو، اس طرح اپنے شاہی تخت کی عظمت کو برقرار رکھو، اور اُس کی حفاظت کرو جو تمہاری دنیا اور عقبیٰ کی ایک زیبائش کر دی ہے، تم محض ہماری نیک اور وفادار رعایا ہی نہ رہو بلکہ اپنے بزرگوں کی روایات کے علمبردار بھی بنو

یہ وہ شاہ راہ ہے جو بلاشک و شبہ ہمارے شاہی بزرگوں نے بتلائی ہے جو ہر زمانہ دور ہر موقع پر یکساں کار آمد ہے اور جس پر چلنا اُن کی اولاد اور اُن کی رعایا کے

لیے یکساں لازم ہی، ہماری عین خواہش ہی کہ تم اور تمہارے ساتھ ہم بھی اسے نہایت احترام کے ساتھ اپنے دل نشین کرلیں تاکہ ہم دونوں ایک سے محاسن پیدا کرسکیں اور ایک ساتھ منزل مقصود پر پہنچیں،

۳۰ ماہ دہم سنہ ۲۳ میجی (شاہی دستخط و مہر)

جدید تعلیمی نظام سنہ ۱۸۷۲ء میں فرانس اور امریکہ کے اصولوں پر قائم ہوا تھا لیکن قدیم جاپانی نظام کی خوبیاں برقرار رکھی گئی تھیں نئے دور کے چار سال بعد اور جاگیرداری کی تنسیخ کے ایک سال بعد ہی اس پر عمل شروع ہوگیا یعنی اس سال سے جب کہ لازمی فوجی تعلیم کا حکم نافذ ہوا؛

فی الحال جاپان کا سارا نظام تعلیم حکومت کے ماتحت اور سرکاری محکمہ تعلیمات کے زیر نگرانی ہی لیکن اس کا کچھ حصہ مقامی بورڈوں کے بھی سپرد کردیا گیا ہی تاکہ بخصوص مقامی ضروریات کا لحاظ رکھا جاسکے، مختلف افراد کو بھی یہ اجازت ہی کہ وہ چند شرائط کے ماتحت نجی اسکول اور تعلیمی ادارے قائم کریں، اس طرح جاپان میں مختلف نوعیت اور مختلف مدارج کے تقریباً ۴۵ ہزار اسکول ہیں، جن میں کوئی ایک کروڑ بیس لاکھ طلبا زیر تعلیم ہیں؛

ابتدائی تعلیم

جاپان میں لوئر اور اپر پرائمری اسکولوں کی تعداد ۲۵۶۰۰ ہی جن میں ۹۸ لاکھ ۶۰ ہزار بچے تعلیم پاتے ہیں، لوئر پرائمری کی مدت تعلیم چھ سال ہی اور اپر پرائمری کی ۲ دو سال یا بعض حالات میں تین سال سنہ ۱۹۷۲ء کے قانون کے مطابق ہر لڑکے اور لڑکی پر چار سال کے لیے یعنی چھ سال سے دس سال کی عمر تک مدرسہ میں تعلیم پانا لازمی قرار دیا گیا، اس کے بعد اس مدت میں دو سال کا اور اضافہ ہوا اور یقین ہی کہ عنقریب دو سال اور بڑھا دیئے جائیں گے، ابتدائی مدارس میں مادری زبان میں تعلیم دی جاتی ہی اور شہر کے چند مدارس کے سوا کہیں کوئی غیر زبان نہیں سکھائی جاتی، چھ سال سے بارہ سال کی عمر کے بچوں میں سے ۸۴،۹۹ فی صدی مدرسوں میں جاتے ہیں یہ اوسط اتنا کافی ہی کہ دنیا کے کسی ملک سے اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہی، ابتدائی تعلیم کی اس حیرت انگیز

اشاعت سے لوگوں کی ذہنی اور اخلاقی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوگئی ہے، اس کا ثبوت لازمی فوجی بھرتی کے موقع پر ملتا ہے، سنہ ۱۹۲۶ء میں ان امتحان دینے والوں میں بے پڑھوں کا اوسط ۰۰ء۲۱ فی صدی تھا لیکن سنہ ۱۹۳۲ء میں ۴۸ء۰۰ رہ گیا،

ہر شہر قصبہ یا گاؤں کا یہ فرض ہے کہ ایک دو اسکول ضرور قائم کرے اور چونکہ اس کے اخراجات گاؤں والے برداشت نہیں کر سکتے اس لیے حکومت معقول امداد دیتی ہے، شہروں میں تمام اخراجات کا آٹھواں حصہ تعلیم پر خرچ ہوتا ہے لیکن قصبات اور دیہات میں یہ خرچ نصف تک پہونچ جاتا ہے، حکومت نے طریقہ تعلیم اُستادوں کی قابلیت، حفظان صحت اور نصاب وغیرہ کا ایک خاص معیار مقرر کر دیا ہے، اگرچہ اُستادوں کو بہت کم تنخواہ ملتی ہے یعنی اوسطاً ۲۰۰ین سالانہ لیکن عام سول ملازموں کے مقابلہ میں اُنھیں پنشن بہت فیاضی سے دی جاتی ہے، غرضکہ جاپان کی ابتدائی تعلیم کا نظام اتنا اعلیٰ ہے کہ وہ اس پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے،

لازمی تعلیم کی برکات

لازمی تعلیم کے خوش گوار نتائج پیش کرنے کے لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر نیٹو بے مرحوم کی کتاب "جاپان" کے چند اقتباسات پیش کر دوں، ڈاکٹر صاحب موصوف ایک عالم متبحر اور مشہور و معروف اہل قلم تھے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"ہمارے نظام تعلیم میں ضرورت سے زیادہ تنظیم کے خواہ کتنے ہی نقائص موجود ہوں اور حکومت کا خواہ اُس پر کتنا ہی اثر کیوں نہ ہو لیکن اس کے باوجود اس میں ذرا شک نہیں ہے کہ اس سے حیرت انگیز نتائج مرتب ہوئے ہیں، مختلف صوبوں کی بولیوں میں جو زبردست اختلاف تھا اور ڈیمو لوگ اپنے اپنے علاقے میں مقامی تنگ نظری کے پیش نظر جس کی تلقین کیا کرتے تھے اب وہ بالکل مٹ گیا ہے، زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ شمال کا ایک شخص جنوب کے اپنے ہم وطن کی بات سمجھ بھی نہ سکتا تھا وہ دونوں ایک ہی زبان ایک ہی لغت اور ایک ہی قواعد استعمال کرتے تھے لیکن لہجہ میں آسمان وزمین کا فرق تھا،

جس چیز پر لازمی تعلیم بجا طور پر فخر و ناز کرسکتی ہی وہ رسالوں اور اخباروں کی غیر معمولی تعداد اور اشاعت ہی، ان میں سے دو اخبار تو روزانہ ۱۵ لاکھ شائع ہوتے ہیں، جاپانیوں کی عام تعلیم کا ایک دوسرا بیّن ثبوت یہ ہی کہ تمام روزانہ اخبارات اپنے پہلے صفحہ پر صرف کتابوں اور رسالوں کا اشتہار دیتے ہیں"

لازمی تعلیم کا سب سے اہم کارنامہ عوام کا ذہنی اور سماجی ارتقا ہی، ایک انگریز مصنف نے اس چیز پر بہیم زور دیا ہی کہ جاپانی اسکولوں میں طالب علموں کے درمیان کوئی ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز نہیں کیا جاتا یعنی دولت اور نسل کی بنا پر کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا، اسکول جمہوریت کی تعلیم دینے کا سب سے معقول ذریعہ ہی، یہ خدمت وہ اس طرح انجام دیتا ہی کہ ایک طرف لوگوں کے ذہنی ارتقا کا انتظام کرتا ہی اور دوسری طرف تمام طالب علموں کے ساتھ یکساں سلوک کرتا ہی، نہ تو جاپان کے امرا کبھی اس قسم کی شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے لاڈلے بچے غریب بچوں کے برابر سمجھے جاتے ہیں اور نہ غریب یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے پیارے بچے اسکول میں حقیر سمجھے جاتے ہیں، اکثر عالی خاندان شرفا اپنے بچوں کو امرا کے اسکول میں بھیجتے ہیں جو خاص طور پر اُن کے لیے قائم کیا گیا ہی لیکن اس میں متوسط طبقے کے لڑکے اور لڑکیاں بھی داخل کی جاتی ہیں"

اس قومی نظام تعلیم کا قوم پر ایک یہ بھی احسان ہی کہ اس نے مقامی تنگ نظری کو بالکل ختم کردیا ہی،

ثانوی تعلیم

۱۸ لاکھ لڑکیوں اور لڑکوں میں جو ہر سال ابتدائی تعلیم ختم کرتے ہیں تقریباً دس فی صدی لڑکے اور چھ فی صدی لڑکیاں، ثانوی مدارس میں داخل ہوتی ہیں، لڑکوں کے ثانوی مدارس کی تعداد ۱۵۱۲ ہی جن میں ۵۵۵ مڈل اسکول اور ۹۵۷ فنی اسکول ہیں، مڈل اسکولوں میں پانچ سال کا نصاب ہی، جہاں علم الاخلاق، جاپانی زبان و ادب، چینی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمنی زبان میں سے کوئی ایک زبان، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، علم الطبیعات، کیمیا، قانون، اقتصادیات

ڈرائنگ، موسیقی اور جمناسٹک کی تعلیم دی جاتی ہے، فنی اسکولوں میں ۱۱۹ صنعتی اسکول، ۳۳۹ زراعتی اسکول، ۲۹۶ تجارتی اسکول ۱۲ جہاز رانی کے اسکول اور ۱۹۱ دیگر فنون اور پیشوں کے اسکول ہیں، ان سب کی مدت تعلیم مختلف ہے، ان کے علاوہ تقریباً پندرہ ہزار فنی توسیعی اسکول ہیں، جن میں لڑکوں اور لڑکیوں کو معمولی ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد دو تین سال فنی تعلیم دی جاتی ہے، زنانہ ہائی اسکول کی مدت تعلیم جن میں لڑکوں کے مڈل اسکول کے برابر تعلیم دی جاتی ہے چار یا پانچ سال ہوتی ہے کل ۹۷۰ زنانہ ہائی اسکول ہیں جن میں طالبات کی تعداد لڑکوں کے مڈل اسکولوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی ثانوی تعلیم پر زیادہ توجہ کی جاتی ہے بلکہ اس کی یہ وجہ ہے کہ لڑکوں کے لیے اور بہت سی راہیں بھی کھلی ہوئی ہیں اس لیے ثانوی مدارس میں اُن کی تعداد کم ہو جاتی ہے، زنانہ ہائی اسکول کے نصاب تعلیم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھیں آداب معاشرت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے جس میں چائے کی تقریب اور پھولوں کا سجانا بھی شامل ہے، اس مقصد کے لیے ہر مدرسہ نسواں میں جاپانی وضع کا ایک کمرہ ہوتا ہے جسے "محل آداب" کہتے ہیں، اب لڑکیوں کی شادی زیادہ عمر میں ہونے لگی ہے یعنی عموماً بائیس تئیس برس کی عمر اس لیے تکمیل تعلیم اور شادی کا درمیانی وقفہ امور خانہ داری کی مشق میں یا خیاطی، موسیقی، چائے کی تقریب، پھولوں کی آرائش، خانگی ضروریات وغیرہ کی تعلیم اور تجربہ میں صرف کیا جاتا ہے فی زمانہ بڑے بڑے شہروں میں لڑکیاں دفتروں میں ملازمت بھی کرنے لگی ہیں،

اعلیٰ اور مخصوص تعلیم

وہ نوجوان جو یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں پہلے ہائی اسکول کوٹوگاکو میں داخل ہوتے ہیں جہاں اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے، یہاں دو قسم کے نصاب ہوتے ہیں، امتیازی اور معمولی، معمولی نصاب کی مدت تعلیم سات برس اور امتیازی کی اس کے بعد تین برس ہے، جاپان میں کل ۳۲ ہائی اسکول ہیں جن میں سے چوبیس میں صرف امتیازی نصاب کی تعلیم دی جاتی ہے،

معمولی نصاب کے داخلے کے لیے اسی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے جو مڈل اسکول کے داخلے کے لیے لیکن امتیازی نصاب کے داخلے کے لیے یہ شرط ہے کہ یا تو مڈل اسکول کا چوتھا درجہ پاس ہو یا ہائی اسکول کا معمولی نصاب ختم کیا ہو یا اسی کے برابر کی قابلیت رکھتا ہو، نجی یونیورسٹیاں بھی اسی قسم کی سہولتیں بہم پہنچاتی ہیں، یعنی اُن کے یہاں بھی یونیورسٹی کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے دو تین سال کا ایک ابتدائی نصاب ہوتا ہے،

جاپان میں چھ سرکاری یونیورسٹیاں ہیں یعنی ٹوکیو، کیوٹو، سنڈائی، فیوکیوکا، کیوشو اور سپورو (ہوکائیڈو)، اُن میں سے ہر ایک میں مختلف شعبے ہوتے ہیں، کوریا کی سیول یونیورسٹی اور فارموسا کی تائی ہوکو یونیورسٹی وہاں کی حکومتوں کی زیر نگرانی ہیں، ان کے علاوہ تیرہ سرکاری، دو پبلک، اور چوبیس نجی یونیورسٹیاں اور کالج بھی ہیں، جن میں سے کیو، واسیدا، چودا، میجی، نیہن، رکیو، اور ہوتسی تو ٹوکیو میں اور دوشیشہ کیوٹو میں زیادہ مشہور ہیں، گویا کہ اعلیٰ تعلیم کی تمام درسگاہیں بڑے بڑے شہروں میں واقع ہیں

اعلیٰ نصاب کے فنی اسکولوں میں اٹھارہ[۱۸] صنعتی اسکول، گیارہ[۱۱] زراعتی اسکول، گیارہ[۱۱] تجارتی اسکول اور دو بحری تجارت کے اسکول ہیں، جن میں ثانوی مدارس کے پاس شدگان کو اُن مضامین کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے، ان میں عموماً تین سال کا نصاب ہوتا ہے اور یونیورسٹیوں سے ان کا درجہ کم ہوتا ہے، اس قسم کی بہت سی نجی درسگاہیں بھی ہیں،

معلمی کی تعلیم دینے کے لیے عورتوں اور مردوں کے ایک سو پانچ[۱۰۵] معمولی نارمل اسکول تین اعلیٰ نارمل اسکول (ٹوکیو، ہیروشیما اور نارا میں)، اور ترسٹھ ٹیچرس ٹریننگ اسکول ہیں علاوہ ازیں چودہ سو[۱۴۰۰] کنڈر گارٹن اسکول، تہتر اندھوں کے اسکول، ایک سو بائیس[۱۲۲] گونگے بہروں کے اسکول اور ۸۰۰ متفرق اسکول ہیں،

جاپانی تعلیم کی خصوصیات

اب میں جاپان کی تعلیم کی چند خصوصیات بیان کروں گا، وہاں کنڈر گارٹن سے لے کر یونیورسٹی

اور تحقیقاتی درسگاہوں تک مدارس کا ایک جال سا بچھا ہوا ہے، اُن کا نصاب تعلیم اتنا جامع اور وسیع ہے کہ ہر اس موضوع کی تعلیم کا مکمل انتظام ہے جو انسان کے مفید مطلب اور مستقبل کے لئے کارآمد ہو سکتا ہو، سارے ملک میں ابتدائی تعلیم لازمی اور مفت ہے، رفتہ رفتہ اس کا معیار بھی اعلیٰ ہو گیا ہے، چھ برس کے عمر کے بچوں کی تعداد جن پر اسکول جانا لازمی ہے، ۱،۰۰،۵۶،۶۳۰ ہے جن میں سے ۵۱،۰۱،۴۰۹ لڑکے اور ۴۹،۵۵،۲۲۱ لڑکیاں ہیں، ان بچوں کی صحت، زندہ دلی اور شگفتگی دیکھنے کے قابل ہے، سڑکوں پر جب وہ وردی پہنے باضابطہ لمبی لمبی قطاروں میں مارچ کرتے ہوئے نکلتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی منظم فوج جا رہی ہو، گویا ہر طالب علم ملک کا ایک سپاہی معلوم ہوتا ہے،

ذریعہ تعلیم ہندوستان کے محب وطن ماہرین تعلیم ایک عرصہ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہندوستانی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے لیکن یونیورسٹیوں پر حکومت کا قبضہ ہے اور وہ اُس طرف ذرا توجہ نہیں کرتی بعض غلامانہ ذہنیت کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ انگریزی زبان ہی کو ذریعہ تعلیم رہنا چاہیئے، میں انھیں دعوت دیتا ہوں کہ وہ جاپان جاکر دیکھیں کہ وہاں ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ تک ذریعہ تعلیم جاپانی زبان ہے، یونیورسٹیوں کے تمام شعبوں کی نصابی کتابیں جاپانی میں ہیں اور تمام تحقیقاتی مقالے اور سائنس کے رسالے جاپانی میں لکھے جاتے ہیں، خود ہندوستان میں عثمانیہ یونیورسٹی نے اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دے کر ایک اعلیٰ مثال پیش کی ہے، پھر دوسری یونیورسٹیاں اس کی پیروی کیوں نہیں کر سکتیں.؟

تعلیم کے اخراجات سنہ ۱۹۳۱ء میں تعلیم پر ۲۶،۹۴،۷۶،۴۳۱ ین خرچ ہوتا تھا جس میں سے حکومت ۲۰،۰۲،۳۴ ین اور پبلک بورڈ وغیرہ ۲۹،۴۷،۴۳،۶۴ ین دیتے تھے، درسگاہوں کی مجموعی تعداد ۴۵،۹۰۸ تھی جن میں ۳۷،۷۴،۸۲۱ طالب علم زیر تعلیم تھے، ہندوستان میں سنہ ۳۰-۱۹۲۹ء میں ۱،۶۰،۸۵۲ سرکاری

اور غیر سرکاری درسگاہیں تھیں جن میں ۲۵،۱۵،۲۶ طالب علم تعلیم پاتے تھے کل خرچ ۲،۴۲،۸۲،۰۲،۱۸ روپیہ تھا جس میں سے ۱،۵۰،۳۵،۴۴ روپیہ پبلک فنڈ سے دیا جاتا تھا اس طرح ہمارے یہاں اوسط خرچ فی طالب علم ۲۳ روپیہ سالانہ پڑتا ہی حالانکہ جاپان میں صرف ۸ ین سے ½ ین تک ہی، ہندوستان میں زیادہ روپیہ اعلیٰ تعلیم پر صرف کیا جاتا ہی جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ انگریز پرنسپلوں اور پروفیسروں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں لیکن جاپان میں تعلیم کا تین چوتھای خرچ ابتدائی تعلیم پر کیا جاتا ہی

فرقہ وارانہ درسگاہوں کی لعنت

ہندوستان کی موجودہ فرقہ وارانہ کشمکش کا سبب دراصل وہ لوگ ہیں جنھوں نے مذہبی درسگاہوں میں تنگ نظری کے ماتحت تعلیم پائی ہی، پنجاب اس قسم کی درسگاہوں کا مرکز ہی اس لیے وہاں فرقہ وارانہ کشیدگی بھی زیادہ ہی،

لیکن ہمیں جاپان سے سبق سیکھنا چاہیئے جہاں نصاب تعلیم میں مذہب کی کوئی گنجائش نہیں ہی عام مدارس میں کسی طرح کی مذہبی تعلیم نہیں دی جاتی، البتہ مذہبی انجمنوں کو اختیار ہی کہ وہ اپنے علیحدہ اسکول قائم کرلیں اور مروجہ نصاب تعلیم میں اپنے مذہبی اصولوں کی تعلیم بھی شامل کرلیں، پھر بھی وہ مذہبی جنون کی اشاعت نہیں کرتیں نہ دوسرے مذہب والوں کے خلاف عدم رواداری اور نفرت کی تلقین کرتی ہیں، جیسا ہمارے فرقہ وارانہ درسگاہوں کا عام مسلک ہی،

میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اگر مجھے صرف ایک دن کے لیے ہندوستان کا ڈکٹیٹر بنا دیا جائے تو سب سے پہلا کام میں یہی کردوں کہ ان فرقہ وارانہ درسگاہوں کو بند کردوں تاکہ لاکھوں نوجوان ان کے زہریلے اثرات سے برباد ہونے سے بچ جائیں،

مجھے اس سے انکار نہیں ہی کہ ان درسگاہوں نے تعلیم کی روشنی اور سیاسی بیداری پھیلانے میں کافی خدمت انجام دی ہی لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ انھوں نے قوم کے

نوجوانوں کے دلوں میں نفرت کا بیج بو کر اُس سے زیادہ نقصان پہنچایا ہی اور اس طرح ہندوستان میں برطانیہ کی غلامی قائم رکھنے میں ہمیشہ امداد کی اور اب بھی کر رہی ہیں،

کالج کی تیتلیاں

ہمارے زنانہ اسکول اور کالج آج کل محض خوش نما تیتلیاں تیار کیا کرتے ہیں جو عموماً دق کا شکار ہو جاتی ہیں، کیوں کہ وہ گھر کا کام کاج یا محنت کرنا کسر شان سمجھتی ہیں، لیکن جاپان اپنی لڑکیوں کو صحیح قسم کی تعلیم دے کر نہایت تندرست، مضبوط، اور ذہین قوم پیدا کر رہا ہی ملک کی قسمت کو بنانے میں ان لڑکیوں کا بہت بڑا حصہ ہی یعنی نسوانی مدارس وطن پرست اور اہل مائیں تیار کرنے کے مرکز ہیں،

لڑکیوں کو ہائی اسکولوں میں بہت سے کار آمد اور مفید کام سکھائے جاتے ہیں، مثلاً کھانا پکانا کپڑے دھونا سینا پرونا، کشیدہ کاری وغیرہ، اس کے علاوہ فنون لطیفہ مثلاً موسیقی، رقص، ڈرائنگ اور پھولوں کی آرائش وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی ہی،

لڑکیوں کے اسکول مقامی حالات کے لحاظ سے لڑکوں کے اسکولوں سے بہت کچھ مختلف ہوتے ہیں لیکن اصل خصوصیت دونوں میں مشترک رہتی ہی، اُن کی مقبولیت طالبات کی کثیر تعداد سے ظاہر ہوتی ہی، جو اس وقت اسی ہزار کے قریب ہوگی، یہ لڑکیاں چودہ سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد ہی ہائی اسکول میں داخل ہو جاتی ہیں، اور چار پانچ سال تک تعلیم حاصل کرتی ہیں، اعلیٰ طبقہ میں تو اسکول کی سند حاصل کرنا لازمی ہو گیا ہی، کیوں کہ اس کے بغیر معقول جگہ شادی نہیں ہو سکتی، جس طرح چینیوں میں یہ رسم ہی کہ شرافت اور نجابت کے ثبوت کے طور پر دلہن کے جہیز میں کسی مشہور آرٹسٹ کا بنایا ہوا کیمونو یا اس کی صحیح نقل ضرور دی جاتی ہی اسی طرح جاپانیوں میں کسی اچھے اسکول کی سند جہیز کا ایک خاص جزو بن گئی ہی،

ہر شخص کو یہ تسلیم ہی کہ مستقبل قریب میں ذہنی اعتبار پر عورتیں کافی ترقی کریں گی

بلکہ یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے واقعی حیرت انگیز ترقی کی ہے حالانکہ نظام تعلیم کا یہ مقصد نہ تھا کہ اُن کا معیار بلند کیا جائے، صنف نازک کی یہ بیداری تو نظام تعلیم کا ایک غیر متوقع نتیجہ ہے عام طور پر لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی اور بعض کو ناگوار بھی ہوا، بہر حال اس سلسلہ میں ناانصافی ہوگی اگر عیسائی مشنریوں کی ان بیش بہا خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے جو اُنھوں نے تعلیم نسواں کے سلسلے میں انجام دی ہیں،

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

سارے ہندوستان میں کل پندرہ یونیورسٹیاں ہیں لیکن صرف ٹوکیو شہر میں ۱۶ سولہ اور سارے جاپان میں ۴۶ یونیورسٹیاں ہیں، ان میں ۱۷ سترہ سرکاری ہیں پانچ پبلک بورڈوں کے زیر انتظام ہیں باقی ۲۴ نجی ہیں، ۱۹۳۱ء میں ان یونیورسٹیوں میں ۶۹۶۶۶ طلبا تعلیم پاتے تھے حالانکہ ۳۰-۱۹۲۹ء میں ہندوستان میں طلباء کی تعداد ۴۶۰۳۰ تھی، اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ہندوستان کی آبادی جاپان سے پانچ گنی ہے،

جاپان کی یونیورسٹیاں ایک طرف تو مکمل علمی معیار پر نشو ونما کا انتظام کرتی ہیں تاکہ نوجوان تخلیقی کاموں کے اہل بن سکیں اور دوسری طرف ملک کے مختلف اقتصادی اور صنعتی شعبوں کے لیے ہوشیار کاریگر پیدا کرتی ہیں،

جاپانی غیر معمولی طور پر عملی لوگ ہیں اور محض معمولی تعلیم سے مطمئن نہیں ہوتے ان کے تمام نظام تعلیم کی تہ میں یہ اصول کام کرتا ہے کہ ہمارے بیشتر نوجوان غریب ہیں اور تعلیم کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج طے نہیں کر سکتے اگر انہیں اپنی روزی کمانے کے لیے صنعت وحرفت کی معقول تعلیم نہ دی جائے، چنانچہ صنعت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دو سال کا نصاب مقرر ہے اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے نوجوانوں کو قبل از وقت کشمکش حیات میں مبتلا ہو جانا پڑتا ہے اس لیے جو شعبہ زندگی وہ اختیار کرتے ہیں اس کے لیے انھیں مزید تعلیم وتربیت کی ضرورت ہوتی ہے ایسے لوگوں کے لیے بھی توسیعی صنعتی اسکول کھول دیئے گئے ہیں،

ابتدائی تعلیم کے اختتام پر ثانوی تعلیم کی ابتدا ہوتی ہی، یہاں سے پھر کئی قسم کے نصاب شروع ہو جاتے ہیں تاکہ ہر شخص اپنے حسب منشا اور بمجوزہ مستقبل کے مطابق کار آمد مضامین کا انتخاب کر سکے،

جاپانی بڑے کفایت شعار ہوتے ہیں، وہ قانون فطرت کے اس اصول پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ مادہ کبھی فنا نہیں ہوتا، اور ہر چیز کی اصلیت ہمیشہ برقرار رہتی ہی، چاہے ظاہری طور پر وہ ناقص اور بے کار ہو جائے، چنانچہ وہ ہمیشہ اس کا لحاظ رکھتے ہیں کہ ردی چیزوں کو جو بے کار سمجھ کر پھینک دی جاتی ہیں کسی طرح کار آمد بنا لیں، کالج کی تجربہ گاہوں میں آپ ردی کاغذ کے ڈھیر دیکھیں گے جو کوڑہ گھروں سے جمع کرائے جاتے ہیں، سائنس داں ان پر تجربات کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں کہ اُن سے پھر نیا کاغذ کیسے بن سکتا ہی، صنعتی اسکول جاپان کی صنعتی دنیا کو ماہر کاریگر مہیا کرتے ہیں، ۱۹۳۱ء میں ایسے اسکولوں کی تعداد ۵،۷۰۹ اور طالب علموں کی تعداد ۱،۸۶،۸۸۲ تھی

ہماری تعلیم کے نقائص

اب میں ہندوستان کے نظام تعلیم کے چند خاص خاص نقائص پیش کروں گا جو ایک مشہور ہندوستانی محب وطن نے ظاہر فرمائے ہیں

(۱) ہماری تعلیم کی ہندوستان کے باہر کوئی قدر و قیمت نہیں ہی خود ہندوستان میں یہ ہمیں حکومت کا دست نگر بنا دیتی ہی یا ایسے پیشوں کا محتاج کر دیتی ہی جن کا تعلق نظام حکومت سے ہی، اور جو نیم سرکاری سمجھے جاتے ہیں مثلاً وکالت، مدرسی یا دفتر کی کلرکی وغیرہ، اس قسم کی تعلیم کی اچھائی برائی اس وقت تک نہیں معلوم ہوتی جب تک ہندوستان کے باہر کسی جگہ روزی کمانے کا اتفاق نہ ہو مثلاً اگر ایک ہندوستانی میٹرک، الف اے یا بی اے پاس امریکہ میں ہو اور اس کا ماہانہ خرچ گھر سے آنے میں دیر ہو جائے یا رک جائے تو پھر روپیہ پیدا کرنے کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں ہوتی بجز اس کے کہ وہ کسی ہوٹل میں برتن صاف کرے، ہنر کی خدمت

انجام دے، گھروں میں بھی اسی قسم کے ادنیٰ کام کرے یا کھیتوں اور سڑکوں پر معمولی مزدور کی حیثیت سے محنت مشقت کرے، یہاں بھی یہ ناقص تعلیم سدِ راہ ہوتی ہے، کیوں کہ اسے دست و بازو سے محنت مشقت کرنا سکھایا ہی نہیں گیا، ہندوستانی اسکولوں اور کالجوں میں دس پندرہ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ اس قابل بھی نہیں رہتا کہ اپنے ہاتھ سے برتن صاف کرسکے، جھاڑو دے سکے، یا کھیتوں اور سڑک پر محنت مزدوری کرسکے

(۲) کھانا پکانے، کپڑے سینے اور مریضوں کی تیمارداری کرنے کے معاملہ میں انھیں بہت کم معلومات ہوتی ہے، تیرنا اور کشتی کھینا بھی نہیں جانتے، اپنی مدافعت کے فن سے بھی ناواقف ہوتے ہیں کیوں کہ تعلیم کے اس اہم جزو کی طرف یہاں کوئی توجہ ہی نہیں کرتا، البتہ ایک چیز وہ جانتے ہیں یعنی اپنا کام نکالنے کے لائق انگریزی بول سکتے ہیں اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ جن ممالک میں انگریزی بولی جاتی ہے وہاں وہ بیچ منجدھار میں ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں،

(۳) اب ذرا اس تعلیم کے معاشرتی رخ کو ملاحظہ کیجئے جس کا انھیں کوئی احساس ہی نہیں ہوتا موسیقی سے لطف اٹھانے کے لیے نہ اُن کے کان ہوتے ہیں اور نہ کسی تصویر کے محاسن سمجھنے کے لیے اُن کے پاس آنکھیں، پنجاب اور یو۔پی والوں کے مقابلہ میں بنگالی اور مرہٹے اپنی خاندانی روایات کی وجہ سے اس معاملہ میں کچھ بہتر ثابت ہوتے ہیں، ذرا شمالی ہندوالے سے کہیے کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے حاضرین کو محظوظ کرے، پھر دیکھیے وہ کیسے کیسے عذر کرتا ہے، اسے گانا نہیں آتا، باجا بجانا نہیں جانتا، نظم یا اشعار بھی نہیں پڑھ سکتا، حتیٰ کہ قصے کہانی بھی نہیں کہہ سکتا، اسے کسی محفل رقص و سرود میں یا فنون لطیفہ کی نمائش میں لے جائیے وہاں وہ ایسا محسوس کریگا جیسے کسی پرند کو قفس میں بند کر دیا، نہ کسی چیز کی خوبی کو سمجھ سکتا ہے اور نہ اُس سے لطف اندوز ہوسکتا ہے تنہائی میں وہ بدنصیب اپنا وقت کچھ گنگنا کر بھی نہیں گذار سکتا، بس وہ اتنا جانتا ہے کہ ہندوستان کی قدیم

عظمت کے راگ گائے، حالانکہ اسے یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ عظمت کا اصل راز کیا تھا، یا بعض نوجوان ہندوستان کی پرانی تہذیب کا مضحکہ اڑاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس سے اتنا ہی ناواقف ہوتے ہیں جتنے اس تہذیب کے مدّاح، اگر کسی جگہ کچھ لڑکے اور لڑکیاں تفریح طبع پر تلے ہوں تو اُن کے درمیان میں ایک پنجابی نوجوان کی حالت بڑی مضحکہ خیز ہوتی ہے، وہ اُن کی دلچسپیوں میں شریک نہیں ہو سکتا بس وہ تو ٹھنڈی سانسیں بھرنا جانتا ہے، اگر اُس سے کچھ اشعار پڑھنے کو کہا جائے تو ممکن ہے کہ لجاتے ہوئے وہ ٹینسن اور شیکسپیر کے کچھ بند پڑھ دے، لیکن پنجابی، اردو ہندی یا سنسکرت شاعری کا اسے ایک مصرعہ بھی نہیں آتا، کیوں کہ اُن پر تضیع اوقات کرنا وہ حماقت سمجھتا ہے، اپنے ملک کے گیت بھی اسے نہیں آتے، اکثر ایسے غیر ملکیوں سے اسے سابقہ پڑ جاتا ہے جو اس کے یہاں کے گیتوں اور افسانوں سے اس سے زیادہ واقف ہوتے ہیں اس وقت اس کی ذلت اور شرم کی انتہا نہیں رہتی، اور اس کی حالت قابل رحم ہو جاتی ہے،

لالہ لاجپت رائے کے خیالات

اس باب کے اختتام پر میں تعلیم کے مسئلہ میں لالہ لاجپت رائے کے زرّین خیالات پیش کرنا چاہتا ہوں، کیوں کہ یہ ان محب وطن ہندوستانیوں کے خیالات کا آئینہ ہے جو جاپان، یورپ اور امریکہ ہو آئے ہیں،

"جاپانی تعلیم میں ذہنی اور جسمانی تربیت کا پورا انتظام ہے، اُن کی جسمانی تربیت کا نظام بالکل مکمل ہے، وہ اس پر زور دیتے ہیں کہ ہر نوجوان کو اپنی مدافعت کا فن اچھی طرح سیکھنا چاہیے اس لیے وہ پٹہ بازی، گھونسہ بازی، تیر اندازی، تیراکی، گولی چلانے اور دوڑنے وغیرہ کی بھی تعلیم دیتے ہیں، ہر طرح کے اسکول چاہے وہ مذہبی ہوں یا قومی، علمی ادبی ہوں یا صنعتی، عام ہوں یا خاص، جسمانی تعلیم کے معاملہ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، ٹینس، فٹ بال، اور بیس بال کا بھی کافی انتظام ہوتا ہے، کیوں کہ اُن کا عقیدہ ہے کہ کھیلوں سے انسان مدافعت اور حملہ دونوں کے

قابل بن جاتا ہی اس کے علاوہ ہر لڑکا گانا، بجانا، اور ڈرائنگ بھی جانتا ہی، جاپان والے حسن فطرت کے تو فطرتاً قدرداں ہیں لیکن تعلیم اس ذوق کی تکمیل کر دیتی ہی، جاپانی تعلیم کا یہ ضروری جزو ہی کہ ہر چیز کے متعلق طالب علم کو کچھ نہ کچھ معلومات ہو جانا چاہیئے، یعنی تھوڑا سا پکانا، تھوڑا کپڑے سینا وغیرہ ضرور آنا چاہیئے، آج کل جاپان والے دنیا کے ہر حصے میں پائے جاتے ہیں، قطب شمالی سے لے کر قطب جنوبی تک، اور جاپان سے کیلی فورنیا تک، انھیں (اور چینیوں کو بھی) ہر جگہ خانگی ملازمت مل جاتی ہی لیکن ہندوستانی اتنے بے ڈھنگے ہیں کہ اپنا پیٹ پالنے کے لیے معمولی سے معمولی نوکری بھی ملنا مشکل ہوتی ہی، آخر کیوں؟ اس لیے کہ اُنھیں اس قسم کی تربیت ہی نہیں ملتی، جو انسان کو کم سے کم کار آمد تو بنا دیتی ہی، چاہے وہ کسی شعبہ زندگی میں کمال رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو،

بے شک آج ہمیں سنسکرت اور انگریزی کے عالموں، سائنس دانوں، فلسفیوں، ڈاکٹروں، قانون دانوں، مورخوں، اور ماہرین اقتصادیات کی غرض کہ ہر شعبہ علم کے فاضلوں کی ضرورت ہی، لیکن اس سے زیادہ ہمیں ایسے ہوشیار لوگوں کی ضرورت ہی جو ہر موقع اور ہر صورت میں اپنی ضروریات خود پوری کر سکیں، اور جو چیز بھی موقع پر اُن کے ہاتھ لگے اُسی سے چند پیسے پیدا کر لیں، اِسی قسم کی تربیت پر اعلیٰ تعلیم کی عمارت تعمیر ہونا چاہیئے، علاوہ ازیں اعلیٰ مقاصد کے لیے ملک کو اچھے مشین سازوں ہوشیار بڑھئیوں، بجلی کے کاریگروں، اور سمجھ دار دوا سازوں کی ضرورت ہی، یعنی ملک ایسے لوگ چاہتا ہی جو دوسرے ممالک کے ساتھ صنعت و حرفت میں مقابلہ کر سکیں، ہمارے یہاں قواعد داں، لغت داں زبان داں اور مقرر تو کافی ہیں اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہی جو فلسفہ مذہب اور روحانیات کے متعلق بہت کچھ باتیں بنا سکتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ بھوکے پیٹ والوں کے اعلیٰ خیالات کیسے ہو سکتے ہیں ایک قوم جو بیکس اور غلام ہو جس میں معمولی سمجھ بوجھ اور ذوقِ سلیم کا فقدان ہو اور جو اپنی ضروریات زندگی کے لیے دوسروں کی محتاج ہو مذہب کا نام تو رٹ سکتی ہی مگر اس پر عمل نہیں کر سکتی

فلسفہ مذہب کا تذکرہ اب حد سے گذر چکا ہے اور اب یہ ہمارے مرض کا علاج نہیں رہا ہے۔ اب تو ہمیں زندہ مذہب کی ضرورت ہے جو موجودہ دور حیات میں اعلیٰ نصب العین اور شاندار کارناموں کے لیے ہمیں تیار کرے نہ کہ اس تخیلی زندگی کے لیے جس کا علم صرف غیب دانوں کو ہوگا۔ ہمیں عقلی پرواز کی بھی ضرورت ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ کاروباری زندگی کی ضرورت ہے۔ روح سے ہمیں انکار نہیں لیکن فی الحال تو جسم و جان کو یکجا رکھنے کا سوال درپیش ہے، خدا کے لیے گاڑی کو گھوڑے کے آگے مت رکھو، جو چیز مقدم ہونا چاہیئے اسے مقدم سمجھو اور جو موخر ہونا چاہیئے اسے مؤخر،

دنیا نے ہمارے فلسفہ، ہمارے تصوف اور ہماری روحانیت کی جس کی ہمارے بزرگوں نے نشو و نما کی تھی کافی قدر کی، لیکن اس کے باوجود ہمیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، کیوں کہ ہم میں خودداری، خود اعتمادی، خود اختیاری اور آزادی کی کمی ہے، ہم اپنی قومی زندگی کے بڑے نازک دور سے گذر رہے ہیں اور ہمیں اپنی قوم کی حالت سدھارنے کے لیے مناسب صورتیں پیدا کرنے کا خاص لحاظ رکھنا چاہیئے آج ہم دنیا کے پردے پر سب سے ذلیل اور حقیر سمجھے جاتے ہیں، حتی کہ ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں کی بھی ذرا عزت نہیں ہے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم صحیح تعلیم سے محروم ہیں،

آہ! یہ ناکارہ موجودہ تعلیم!! کاش اگر یہ نہ ہوتی تو ہم اس کشمکش حیات میں اس سے کہیں بہتر رہتے، کیوں کہ اس نے تو ہمیں کہیں کا نہ رکھا،،

اب سے بیس سال پہلے لالہ جی نے اس حقیقت کا انکشاف کیا تھا لیکن ہم اب تک اپنے نظام تعلیم میں ان نقائص کی اصلاح نہیں کر سکے ہیں، مانا کہ حکومت اس معاملہ میں ہماری مدد نہیں کرتی لیکن آخر خود ہم نے عوام کو لکھنا پڑھنا سکھانے کے سلسلے میں کیا کیا ہے، ہر ہندوستانی کا یہی فرض ہے اور اگر وہ اس فرض کو انجام دینے پر دل و جان سے لگ جائے تو دس سال کے اندر اندر سارا ملک تعلیم یافتہ ہو سکتا ہے، لیکن گاندھی کے سوا کون ہزاروں نوجوانوں کو اس خدمت پر آمادہ کر سکتا ہے، کہ وہ دیہات میں جا بسیں اور تعلیم، حفظان صحت،

اور صنعت و حرفت کی اشاعت کو اپنا نصب العین بنالیں، تعلیم ہر چیز سے زیادہ ضروری ہے اور اگر ہماری قوم تعلیم حاصل کرلے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے

سماجی تعلیم

باوجودیکہ جاپان کا نظام تعلیم بالکل مکمل ہے، لیکن پھر بھی وہاں کی علم کی پیاس بجھانے کے لیے کافی نہیں ہے، چنانچہ جو لوگ اسکول کی تعلیم ختم کرلیتے ہیں وہ اپنا مطالعہ جاری رکھنے کے ذرائع کی تلاش میں رہتے ہیں اور دنیا کی عام رفتار اور اپنے خاص شعبہ زندگی میں جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اُن سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ضرورت بڑی حد تک سماجی تعلیم سے پوری ہوتی ہے، جس کی حکومت ہر طرح ہمت افزائی کرتی ہے، اخبار و رسائل کا سماجی تعلیم میں خاص حصہ ہے جاپان کے ناظرین کو تصنیف و تالیف اور ترجموں وغیرہ کی صورت میں مطالعہ کا کافی سامان ملتا ہے وہاں بائیس ہزار مطبوعات جدید اور دس ہزار طبع ثانی کا سالانہ اوسط ہے، علاوہ ازیں کوئی پچاس ہزار رسائل نکلتے ہیں،

کتب خانوں کا بھی سماجی تعلیم سے خاص تعلق ہے، اُن کی تعداد ساڑھے چار ہزار کے قریب ہوگی، ان میں سے بعض نجی ہیں اور بعض تعلیمی اداروں اور مقامی بورڈوں وغیرہ کے زیر اہتمام ہیں، مختلف انجمنوں کی طرف سے مسائل حاضرہ پر اور سائنس پر لیکچروں کا انتظام بھی کیا جاتا ہے، اور بڑے بڑے اخباروں کے یہاں سینما کے ذریعہ تعلیم کی اشاعت کے لئے محکمے قائم ہیں،

سماجی تعلیم کی سب سے اہم جماعتیں نوجوان مردوں اور نوجوان عورتوں کی انجمنیں ہیں جن کا مقصد اچھے شہری پیدا کرنا ہے، وہی لوگ اُن کے رکن ہوسکتے ہیں جو ابتدائی تعلیم ختم کرکے کسی روزگار میں لگ گئے ہیں، یہ انجمنیں ہر گاؤں اور ہر قصبے میں موجود ہیں، نوجوان مردوں کی انجمنوں کی تعداد ۱۵۰۰۰ ہے جن میں ۲۵۰۵۰۰۰ اراکین ہیں اور عورتوں کی انجمنوں کی تعداد ۱۳۳۳۰ ہے جن میں ۱۵۵۰۰۰۰ اراکین ہیں، یہ انجمنیں مختلف قسم کے جلسے کرتی ہیں، مدارس شبینہ کھولتی ہیں اور طرح طرح کی سماجی تحریکوں میں حصہ لیتی ہیں

اُن کے علاوہ بوائے اسکاوٹ کی تحریک بھی سنہ ۱۹۲۱ء میں انگریزی اصولوں پر جاری کی گئی ہی، یہ اسکاوٹس بھی قابل قدر خدمات انجام دیتے ہیں، اس وقت جاپان میں اِن کی ۳۰، جماعتیں ہیں جن میں ۹۲۰،۱۷، اراکین ہیں،

جاپان میں سو سے زیادہ عجائب خانے ہیں، اور ہر علاقہ میں وہاں کی پیداوار کی ایک مستقل نمائش گاہ ہی، اس کے علاوہ متعدد چڑیا گھر اور ایسے باغات ہیں جن میں ہر قسم کے درخت پودے، پھول اور بیلیں موجود رہتی ہیں، محکمہ تعلیم پبلک کے استفادہ کے لیے وقتاً فوقتاً منتخب کتابوں اچھے سے اچھے فلموں اور بہترین ریکارڈوں کی فہرست شائع کیا کرتا ہی، ریڈیو بے انتہا مقبول ہی اور ریڈیو سننے والوں کی تعداد اس وقت دس لاکھ سے زیادہ ہی، یعنی ہر ہزار افراد میں سے ۱۶۰۱ شخص ریڈیو سنتے ہیں، اس کے روزانہ پروگرام میں بھی بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن میں سماجی تعلیم کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہی،

غرضکہ جاپان نے ہمارے سامنے اس کی ایک زندہ مثال پیش کر دی ہی کہ ایک قوم تعلیم پانے کے بعد کیا کچھ کر سکتی ہی، کاش ناظرین اس سادی سی بات کو سمجھ سکیں کہ جاہل لوگ اگر تعداد میں لاکھوں بھی ہوں پھر بھی وہ کسی مرض کی دوا نہیں ہوتے، بلکہ اپنی جہالت کے باعث اکثر نازک مواقع پر خطرناک ثابت ہوتے ہیں، لیکن جب علم کا ہتھیار اُن کے ہاتھ میں دے دیا جائے تو ایک منظم فوج کی طرح قوم پر جانیں قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، اس لیے اگر ہم جنگ آزادی میں عوام کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں تو "ہر گھر میں تعلیم" "ہر خاندان میں تعلیم" یہی ہمارا مسلک اور یہی ہمارا نعرۂ حریت ہونا چاہیئے ؛

چھٹا باب

دختران جاپان

جہاں تک لیبر کا تعلق ہی جاپان کے صنعتی انقلاب کی سب سے بڑی معاون عورتیں ہیں، (ڈاکٹر جیمس اے بی شیرر)

جب کبھی مجھے کسی جاپانی عورت سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہی، جو عموماً مشرقی تہذیب کی آئینہ دار ہوتی ہی تو میرا سر خود بخود تعظیماً جھک جاتا ہی، کیوں کہ مجھے اس میں قدیم ہندوستانی تہذیب کی زندہ تصویر نظر آتی ہی، مجھے ایک جاپانی عورت اور ایک ہندوستانی عورت میں کیا باعتبار ظاہری وقار اور عصمت مآبی یا باعتبار نرم دلی اور خوش اخلاقی یا بلحاظ شیریں کلامی اور مادرانہ شفقت کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا اور آخر کیوں محسوس ہو جب کہ دونوں ایک ہی تہذیب کی خوشہ چین اور پروردہ ہیں،

مشرقی سماج میں ماں کو جو درجہ اور حیثیت حاصل ہی مغرب کے مادہ پرست اس کا مذاق اڑاتے ہیں کیوں کہ وہ روحانیت، محبت اور باہمی رواداری کی نظر سے کسی چیز کو دیکھنے کے عادی ہی نہیں ہیں،

ایک مشرقی عورت قربانی، پاکیزگی اور شرافت کا مجسمہ ہوتی ہی، بخلاف اس کے مغربی عورت (باستثنا چند) صرف ذاتی نفع اور روپیے کی فکر میں رہتی ہی، مشرقی ماں اپنے بچوں پر شفقت کے ماتحت حکومت کرتی ہی اور اس کا غیرمعمولی اثر واقتدار ہوتا ہی لیکن مغربی ماں بچے پیدا کرنے کی مشین سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، چونکہ زندگی کو یہ دونوں بالکل متضاد

زاویۂ نگاہ سے دیکھتی ہیں اس لیے یہ ایک دوسرے کو سمجھنے سے قاصر ہیں، جاپان میں عورتیں انفرادیت سے بالکل ناواقف ہیں کیوں کہ وہ خاوند اُن کے لیے کماتی ہیں اسی کے لیے زندہ رہتی ہیں اور اگر ضرورت پڑے تو اس پر سے جان بھی قربان کر دیتی ہیں، وہ والدین کی عزت کرتی ہیں، شوہروں کی وفادار ہوتی ہیں اور بچوں سے محبت کرتی ہیں، مختصر یہ کہ جاپانی عورتوں کا نظریۂ زندگی بالکل وہی ہے جو منوجی نے پیش کیا تھا،

یہ صحیح ہے کہ بعض مشرقی ممالک میں عورتوں کو مساوات کے حقوق نہیں دئے جاتے اور بعض صورتوں میں جاہل اور خود غرض خاوند اُن کے ساتھ بے انصافی بھی کرتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ قدیم نظریہ غلط ہے، جاپان اور ہندوستان کی قدیم اور جدید تاریخ میں ایسی بہت سی شاندار مثالیں موجود ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق حاصل تھے، وہ محض عالم، فلسفی، شاعر، آرٹسٹ، اور سپاہی نہ تھیں بلکہ برسوں تک انھوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ ملک پر حکمرانی بھی کی ہے،

حکمران خاتونیں

رضیہ بیگم، نورجہان، جہانسی کی رانی، اور مہارانی ہلکر کے نام آج ہندوستان میں کون نہیں جانتا ہندو تاریخ بہادر اور جانباز عورتوں کے فسانوں سے بھری پڑی ہے، عدم گنجائش کی وجہ سے ہم یہاں ہندوستان کی ان قابل فخر بیٹیوں کا تفصیل سے تذکرہ نہیں کر سکتے،

اسی طرح جاپان میں بھی عورتوں کو بڑا اونچا درجہ حاصل تھا، متعدد عورتوں کے نازک ہاتھوں میں جاپان کی عنان حکومت رہی ہے اب تک دس رانیاں وہاں حکومت کر چکی ہیں، ملکہ جنگو خود افواج لے کر کوریا فتح کرنے گئی تھیں،

نارا دور کے آٹھ حکمرانوں میں سے چار عورتیں گذری ہیں جن میں ملکہ کوکن نے توڑے دبدبہ سے حکومت کی تھی البتہ ۱۸۸۹ء سے عورتوں کا تخت نشین ہونا قانوناً ممنوع قرار دے دیا گیا،

جاپان اور ہندوستان کے قدیم دور میں مرد اور عورتیں یکساں تعلیم یافتہ تھیں اور انہیں سماج میں پوری مساوات حاصل تھی، دورِ وسطیٰ میں مرد لالچی ہو گئے اور عورت کے جذبۂ قربانی اور وفاداری سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگے، لیکن تاریخ تو اپنے آپ کو دہرایا کرتی ہے، چنانچہ آج پھر عورتیں اپنے حق کا مطالبہ کر رہی ہیں منوجی نے فرمایا ہے کہ "وہ گھر جنت ہے جس میں عورتوں کی عزت ہوتی ہے اور وہ خوش رہتی ہیں" مجھے یقین ہے کہ جاپان اور ہندوستان دونوں میں وہ وقت دور نہیں ہے جب کہ اس اصول کی پیروی کی جائے گی،

زوال اور عروج

جس طرح ہندوستان میں پوران کے دور میں خود غرض پروہتوں نے عورتوں کو غلام بنا لیا تھا، اسی طرح جاپان میں کان فیوکس دور میں پہلے ٹوکوگاشوگن لای. بے یا سو نے اُن کی غلامی کی تلقین کی اس تحریک کا سب سے بڑا حامی کے بارا ایکین تھا، اس کا نظریہ تھا کہ عورت کو یہی سمجھنا چاہیئے کہ اُس کا خاوند مجسم جنت ہے اور ہر وقت یہی خیال دامنگیر رہنا چاہیئے کہ کس طرح وہ اپنے خاوند کے لئے اپنی ہستی کو فنا کر دے تاکہ عقبیٰ کے عذاب سے بچ جائے" اس شخص نے طلاق کے جو سات وجوہ بیان کئے تھے اُن میں سے چند یہ ہیں، ساس اور سسر کی نافرمانی، بانجھ ہونا، حسد کرنا، اور زیادہ باتونی ہونا،

جب ٹوکوگا دور ختم ہوا اور میجی دور شروع ہوا تو نوجوان بادشاہ نے ۱۸۶۸ء میں ایک فرمان جاری کیا جس میں اور بہت سے دلیرانہ اقدامات کے علاوہ اس پر بھی زور دیا تھا کہ "جب امراء باہر جایا کریں تو اپنی بیویوں، بیٹیوں اور بہنوں کو ساتھ لے جایا کریں تاکہ وہ ان ممالک میں اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ سکیں کہ وہاں کی عورتیں کس طرح تعلیم حاصل کرتی ہیں"، نوجوان بادشاہ کا مزید ارشاد تھا کہ "اب تک عورتوں کو سماج میں کوئی حیثیت حاصل نہ تھی کیوں کہ وہ ناقص العقل سمجھی جاتی تھیں لیکن دورِ جدید کے رہنماؤں کی رائے ہے کہ اگر وہ تعلیم یافتہ اور عقلمند ہوں تو اُن کا پورا احترام کیا جائے"

۱۸۷۱ء میں پانچ جاپانی لڑکیوں کی ایک چھوٹی سی سفارت امریکہ بھیجی گئی تھی تاکہ وہ امریکہ والوں کے حالات کا مطالعہ کریں، اور جو باتیں وہاں اچھی دیکھیں آکر جاپانی عورتوں کی نئی نسل کو سکھائیں بادشاہ نے اس سفارت کی خاص طور پر سرپرستی فرمائی روانگی سے پہلے انھیں ٹوکیو طلب کیا گیا، اور شاہ میکاڈو کے اظہار خوشنودی کے طور پر اور قدیم رسم ورواج کے مطابق درباریوں نے انھیں قرمزی کریپ پیش کی علاوہ ازیں حکومت نے یہ حکم دیا کہ اُن کے قیام امریکہ کے تمام اخراجات سرکاری خزانہ سے ادا کئے جائیں،

اُومے سُودا نے جو اس سفارت میں سب سے کم عمر یعنی صرف سات برس کی تھی ایک عرصہ کے بعد ٹوکیو میں عورتوں کا وہ انگریزی اسکول کھولا جس سے جاپانی عورتوں کو بہت فائدہ پہنچا غرض کہ اس روشن خیال حکومت نے اپنے شایان شان اسی طرح کی اور بہت سی خدمات انجام دیں،

لیکن ٹوکوگوا کے جبر واستبداد کے ڈھائی سو سالہ دور میں جو زبردست نقصان پہنچا تھا، اس کی تلافی کے لیے بھی ایک عرصہ چاہیئے تھا، چنانچہ دور جدید کے بیس سال بعد کہیں آئین کے ذریعہ عورتوں کے ذاتی حقوق تسلیم کیے گئے، ۱۸۹۸ء میں قانون پر نظر ثانی کی گئی اور اُس کی رو سے کثرت ازدواج کو خلاف قانون قرار دیا گیا، عورتوں کی مرضی کے خلاف اُن کی شادی کرنا ممنوع قرار دیا گیا، پچیس ۲۵ سال سے زائد عمر کی عورتوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے سرپرستوں کی رضامندی کے بغیر بھی شادی کر سکتی ہیں، انہیں جائداد کی ملکیت کا حق دیا گیا اور شادی شدہ عورتوں کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ اپنے خاوند کی اجازت سے اپنے طور پر خود کاروبار کر سکتی ہیں، نئے قانون کی رو سے یہ چند حقوق عورتوں کو دئے گئے اگرچہ یہ مردوں کے حقوق سے کم تھے لیکن تاہم اتنا بھی غنیمت تھا کیوں کہ اب تک تو عورتیں اس سے بھی محروم تھیں،

اس کے دس سال بعد عورتوں کی پہلی انجمن "ووِمنز پیٹریاٹک الیوسی ایشن" کے نام سے قائم ہوئی جس میں اس وقت ۵ لاکھ ممبر ہیں، ۱۹۱۹ء تک اُن کی انجمنوں کی تعداد بے شمار ہوگئی، حتیٰ کہ آج اُن کے فیڈریشن میں ۳۰ لاکھ ممبر ہیں، اس کے بعد "نیلے موزے کا کلب" "ڈسٹیوشا" قائم ہوا جو اپنی حماقتوں کی وجہ سے پبلک میں جلد بدنام ہوگیا، اس لئے حکماً اسے توڑ دیا گیا، ۱۹۲۰ء میں "نیو وومنز سوسائٹی" "شن فوجین کیوا کائی" قائم ہوئی، یہ سیاسی خیال کی عورتوں کی جماعت تھی، اور اس کا خاصہ اثر تھا، کچھ عرصہ بعد یہ سوسائٹی تو ختم ہوگئی لیکن اس سے پانچ نئی انجمنیں بنیں، جن کی ۱۹۲۳ء کے زلزلہ کی بیش بہا خدمات سے نسائیت کو بے انتہا فائدہ پہنچا ٹوکیو کے ہر خیال کی عورتیں ایک مشترکہ مقصد کے لیے متحد ہوگئیں اور انھوں نے اس موقع پر یہ محسوس کیا کہ سیاسی حقوق نہ ہونے کی وجہ سے انھیں ایک ایک قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چنانچہ آئندہ سال ہی "ووِمنز سفریج لیگ" (حق رائے دہی کا مطالبہ کرنے کی لیگ) قائم ہوئی، اور اب لیکچروں، چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں اور زنانہ رسالوں کے ذریعے سے اُن انجمنوں کے اغراض و مقاصد کی ملک میں اشاعت کی جاتی ہے جو عورتوں کے حقوق کی حامی ہیں،

عورتوں کی معذوریاں ایک ترقی یافتہ جاپانی عورت ہم وطنوں کی موجودہ حالت کو کس نظر سے دیکھتی ہے اس کا اندازہ مسز کیگوایے کے حسب ذیل بیان سے ہوگا، آپ کا تعلق کوبے کے زنانہ کالج سے ہے،

"اتنا کہنا ہی کافی نہ ہوگا کہ عورتوں کا درجہ مردوں سے بہت ہی کم ہے، عورتوں کو صرف عرضی گذارنے اور سیاسی جلسوں میں شرکت کرنے کا حق حاصل ہے، نہ تو وہ سیاسی پارٹیوں میں شریک ہوسکتی ہیں اور نہ مجالس آئین ساز میں حصہ لے سکتی ہیں، وہ شہریت کے حقوق سے بھی محروم ہیں جس سے وہ بلدیہ کے انتظامات میں براہ راست حصہ نہیں لے سکتیں، بہر حال ۱۹۲۵ء کے قانون انتخاب کے بعد سے عورتیں سیاسیات میں ایک خاص حصہ

حاصل کرنے کے لیے پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کام کر رہی ہیں کیوں کہ اُن کی قطعی رائے ہی کہ ووٹ کا حق حاصل ہوئے بغیر عورتوں کی حالت کبھی قابل اطمینان نہیں ہو سکتی،

نظام حکومت میں عورتوں کی شرکت کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہی کہ اب وہ اُن خود مختار پبلک اداروں میں جو اپنا آئین خود بناتے ہیں حصہ لے سکتی ہیں مثلاً زراعتی ایسوسی ایشن، تشخیص ٹیکس کی کمیٹیاں، آب رسانی کی کمیٹیاں وغیرہ وغیرہ اور ان میں مختلف عہدے بھی اُن کو تفویض کیے جا سکتے ہیں،

علاوہ ازیں محکمہ تعلیم میں انھیں سرکاری ملازمت بھی مل سکتی ہی، لیکن عموماً ادنیٰ درجہ کی ملازمت دی جاتی ہی یعنی کوئی عہدہ سپرد نہیں کیا جاتا بلکہ کرایہ کے مزدوروں کا سا سلوک کیا جاتا ہی، سول افسروں کے تقرر کے قانون کے ماتحت اب تک انھیں اتنا حق دیا گیا ہی کہ صرف دو عورتیں اعلیٰ عہدوں میں سے سب سے ادنیٰ درجہ پر مقرر کی جا سکتی ہیں اور ایک سو چوبیس عورتوں کو بغیر کسی عہدے کے یہ خطاب بھی عطا کیا گیا ہی، گویا ابھی تک مساوات کا اصول مسلّم نہیں ہوا ہی اور عورتوں کو یہ حق نہیں ہی کہ وہ سرکاری اور غیر سرکاری یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پروفیسر مقرر ہو سکیں، بہت کم عورتیں پرائمری اسکولوں کی صدر مدرس ہیں، اور ہائی و مڈل اسکولوں میں تو ایک عورت بھی پرنسپل نہیں ہی

عورتوں کی اقتصادی حالت کے متعلق یہ عرض کرنا ہی کہ وہ زیادہ عرصہ تک اپنی موجودہ حیثیت سے لاپروائی نہیں برت سکتیں، اب انھیں اس کا احساس پیدا ہو گیا ہی کہ چاہے وہ مردوں کے برابر بھی کام کریں پھر بھی انھیں اُن کے برابر مزدوری نہیں ملتی، نیز یہ کہ انھیں اقتصادی آزادی حاصل نہیں ہی

سماج میں عورتوں کی حیثیت بہت غیر مساوی اور غیر مستحکم ہی، مثلاً طوائفوں کو لیجیے جن کی ہستی اب تک اقتصادی وجوہ کی بنا پر باقی ہی، یعنی ایک لڑکی اپنے والد کے قرضہ کے عوض میں اپنے آپ کو فروخت کر دیتی ہی یا باپ اسی غرض سے اُسے بیچ ڈالتا ہی، موجودہ

سماج کی اِس قسم کی برائیوں سے ہماری عورتوں کے اخلاق پر خراب اثر پڑتا ہے، لیکن تعلیم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ عورتوں میں بھی بیداری پیدا ہو رہی ہے، طلاقوں کی کثیر تعداد اور اسی قسم کے دوسرے سماجی ردِ عمل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عورتیں اب اپنی اہمیت کو سمجھنے لگی ہیں اور یہ محسوس کرتی ہیں کہ خاندان، سماج، ملک حتیٰ کہ بین الاقوامی معاملات میں اُن کی کیا حیثیت ہونی چاہیئے،

نظامِ حکومت کے علاوہ عام قانون خصوصاً ضابطہ دیوانی اور ضابطہ فوجداری کے ماتحت بھی عورتوں کی وہی حیثیت ہے جو آج سے تیس برس پہلے تھی، نہ تو قانون نے اخلاق کا کوئی معیار مقرر کیا ہے اور نہ بیوی، ماں اور بیوہ کی کوئی حیثیت تسلیم کی ہے، لیکن یہ واقعات بھی نظر انداز نہیں کیے جا سکتے کہ اگرچہ قدیم قانون اب بھی نافذ ہے مگر بہت سی عدالتوں نے قانون کے منشا کے خلاف اور رفتارِ زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے خاندان میں عورت کی حیثیت کو تسلیم کر لیا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ طلاق شدہ عورت کو اب اُس کے بچے دلا دئے جاتے ہیں، حالانکہ قانون اس کی اجازت نہیں دیتا لیکن گذشتہ چند برسوں میں اس پر برابر عمل کیا گیا ہے، یہاں پر یہ ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ حال ہی میں قانون میں ترمیم کر دی گئی ہے کہ ۱۹۳۶ء کے بعد سے عورتوں کو وکالت کرنے کی بھی اجازت ہوگی،

ایک اور عیسائی کالج کی مشنری صدر معلّمہ ڈاکٹر ایلن۔ کے۔ فاسٹ کا خیال ہے کہ "اگر جاپانی عورتوں کو ہر شعبہ زندگی میں مردوں کے برابر فوراً حقوق دے دیئے جائیں تو قومی تباہی یقینی ہے" انھوں نے یہ انتہائی دلچسپ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ "گذشتہ پچیس سال میں جاپانی عورتوں کی حالت میں اتنا انقلاب ہو گیا ہے جتنا یورپ میں پانچ سو برس میں ہوا تھا"

ڈاکٹر شیرر بھی اس بیان کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ "میں پچیس سال کے بعد جاپان واپس آیا تو مجھے سب سے زیادہ اور غیر معمولی تبدیلی اسکول کی لڑکیوں اور نوجوان عورتوں کی شکل و صورت اور صحت میں معلوم ہوئی، پہلے اُن کے جسم بہت نحیف اور اُن کے

چہرے زرد ہوتے تھے گویا خون کا نام نہ ہو، لیکن اب اُن کے قوٰی بہت مضبوط ہیں اور اُن کے رخسار خون کی سرخی سے دمکتے نظر آتے ہیں، پہلے وہ بڑی نزاکت سے چلتی تھیں لیکن اب ان کے قدم تندرست اور طاقتور عورتوں کے سے پڑتے ہیں، عام اسکولوں میں جو قواعد اور کھیل ہوتے ہیں اُن سے ان کا اوسط قد دو انچ بڑھ گیا ہے، اور اسی تناسب سے اُن کے وزن اور اعصاب کی قوت میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔"

جاپانی عورتوں میں حیرت انگیز انقلاب کی تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ کیجئے۔

ساتواں باب

عورتوں میں انقلاب

ٹوکیو کے ۱۹۲۳ء کے تباہ کن زلزلے اور آگ کے بعد سے جاپانیوں کی معاشرت میں جو انقلاب ہوا ہے اس میں سب سے نمایاں عورتوں کے لباس اور وضع کی تبدیلی ہے، عورتوں کے مقابلہ میں مردوں میں اتنے آہستہ آہستہ تبدیلی ہو رہی ہے جیسے ایک پرسکون چشمہ بہتا ہے،

جاپانی عورتوں کی جو تصویریں اکثر سیاح ساتھ لے جاتے رہے ہیں، ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ٹوکوگاوا دور سے ۱۹۰۵ء کی جنگ روس و جاپان تک ہر طبقہ کی عورت کی تصویر بیٹھی ہوئی حالت میں ہے اور اُن کے ہاتھ آستینوں میں چھپے ہوئے ہیں جو کرسی پر بیٹھی ہیں انھوں نے بھی اپنی لمبی لمبی آستینیں گود میں رکھ لی ہیں اور اپنے ہاتھ ان میں چھپا لیے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اُن کی نشست کا یہ خاص انداز تھا۔

اُن کا یہ انداز محض فوٹو ہی میں نہیں ہوتا تھا بلکہ راستہ چلتے وقت بھی وہ اپنے ہاتھ حتی الامکان چھپائے رہتی تھیں، سردیوں میں وہ اپنے دونوں ہاتھ آستینوں میں لپیٹے اور بڑی خوبصورتی سے سینے پر رکھے ہوئے آہستہ آہستہ چلتی تھیں، جاپانی عورتوں کا سینے پر ہاتھ باندھ کر ذرا سا جھک کر آہستہ آہستہ چلنے کا یہ انداز اتنا مشہور اور مقبول ہو گیا ہے کہ یورپ اور امریکہ میں جب کبھی ایکٹرسیں مشرقی خصوصاً جاپانی عورتوں کا پارٹ ادا کرتی ہیں تو اسی طرح چلتی ہیں۔

جاپانی عورتوں کو اپنے ہاتھ کھولتے ہوئے شرم معلوم ہوتی تھی، یہ دراصل اُن قدیم آداب کا نتیجہ تھا جن کے مطابق عورتوں کو مردوں کی طرح باہر کام کرنے کی اجازت نہ تھی اور اُن کی شرافت کا سب سے بڑا ثبوت یہی سمجھا جاتا تھا کہ اُن میں محنت مشقت کرنے والوں کی طرح کرختگی پیدا نہ ہو اس لیے اُن کے لیے یہی زیبا تھا کہ وہ امورِ خانہ داری میں، اپنے بچوں کی تربیت میں اور اپنے خاوند کی امداد میں سارا وقت صرف کریں۔

جنگِ روس و جاپان کے بعد جاپان بڑی تیزی سے صنعتی ملک بننا شروع ہوا چنانچہ عورتوں کو بھی اپنی سابقہ تربیت کے باوجود آستینوں میں ہاتھ لپیٹے رکھنا ناگوار گذرنے لگا، ہر سماجی نظریہ، قانون اور اخلاق سے بڑی حد تک تجاوز کر کے شروع ہوتا ہے اور قریب قریب آخر دم تک یہ دونوں اُسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے، جب تک جاپان خام پیداوار اور مزدوری کرنے والوں کا ملک رہا بے شک وہ مشرق کا ایک خوابیدہ ملک تھا لیکن جب ۱۹۰۴ء میں وہ صنعتی ملک بننا شروع ہوا تو تمام روایات پر نظرِ ثانی کی گئی جنگ روس و جاپان تک اس کی تکمیل ہوگئی، اس کے بعد جاپان نے غیر معمولی سرعت سے صنعت و حرفت میں ترقی کرنا شروع کر دی۔

جاپان میں صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ہی کارخانوں میں عورتوں کی مانگ بڑھ گئی، کیوں کہ وہ سستی پڑتی تھیں اور اُن کے ہاتھ نرم ہوتے تھے، مشین کے کارخانوں کو اب مردوں کے سخت ہاتھوں کی ضرورت نہ تھی اس کے علاوہ مرد مزدور مہنگے بھی پڑتے تھے، یہ صحیح ہے کہ شروع شروع میں امیر گھرانوں کی لڑکیاں کارخانوں میں داخل نہیں ہوئیں لیکن سماج تو بہر حال ایک نظام ہے اور اگر اُس کے کسی جزو میں کوئی زبردست انقلاب ہو تو ممکن ہی کبھی نہ کبھی سارے نظام پر اُس کا اثر نہ پڑے چنانچہ کارخانوں میں مزدور کی حیثیت سے ادنیٰ طبقے کی لڑکیوں کے داخل ہونے سے اعلیٰ طبقے کی لڑکیوں کی روزانہ زندگی پر بھی نہایت غیر معمولی اثر پڑا۔

میجی دور کے اواخر سے عورتوں میں کتابیں پڑھنے کا شوق بھی پیدا ہو گیا اور سینکڑوں زنانہ رسالے جاری ہو گئے جن کی اشاعت لاکھوں تک پہنچ گئی، عموماً ان رسائل کے پہلے صفحہ پر اعلیٰ خاندان کی حسین عورتوں کی تصویریں ہوا کرتی تھیں، بعض رسالے نوان تصاویر کے شائع کرنے میں خاص طور پر مشہور تھے، ان تصویروں میں ہماری نظر سب سے پہلے اس چیز پر پڑتی ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ نہایت آزادی سے کھولے بیٹھی ہیں اس زمانہ میں مغربی وضع کے کپڑے زیادہ مقبول نہ تھے اور بال بھی اس طرح نہ کترے جاتے تھے بلکہ میرا تو یہاں تک خیال ہے کہ مغربی ممالک میں بھی یہ نئے نئے فیشن ابھی نکلے ہیں، بہرحال یہ عورتیں پرانی وضع کا لباس پہنتی تھیں اُن کے کرتے کی وہی لمبی لمبی آستینیں ہوتی تھیں اور وہی چھپے ہوئے لہنگے ہوتے تھے لیکن اُن کے ہاتھ بلا تکلف باہر کو نکلے ہوتے تھے یہ چیز قابل لحاظ ہے اور اس سے جاپانی عورتوں کی معاشرتی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے۔

تعلیم نسواں جاپان میں شروع شروع تعلیم نسواں اس مقصد سے جاری نہیں کی گئی تھی کہ عورتیں مردوں کی ہمسری کرنے لگیں بلکہ صرف اس لیے کہ وہ بہترین بیویاں اور قابل تقلید مائیں بن سکیں، ہر زنانہ اسکول کے پرنسپل کو اپنی نوکری کی خاطر اس کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا کہ اس کی طالبات نیک بیویاں اور ہوشیار مائیں بننے کے اصول کو فراموش نہ کردیں اور اُن میں مردوں کی ہمسری کا جذبہ پیدا نہ ہونے پائے، اسی وجہ سے وہ لڑکیوں کو سائنس اور فنون کی تعلیم دینے کا خیال بھی ظاہر نہ کر سکتے تھے اگر کوئی پرنسپل کھلم کھلا اس تعلیمی اصول کی حمایت کرتا تو ساری پبلک اور حکومت اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگتی اور اُسے خاندانی نظام کے مخصوص آداب و اخلاق کا مخالف اور باغی سمجھتی، تعلیم نسواں کی یہ صورت میجی دور کے اواخر تک جاری رہی۔

قدامت پسند طبقے کی ہر طرح حکومت کے ذریعہ سے بھی اور عوام میں بھی یہ کوشش رہتی تھی کہ تعلیم نسواں کو محض نیک بیویاں اور ہوشیار مائیں بنانے کے اصول تک محدود

رکھا جائے لیکن اِس کے باوجود سماجی حالات میں جو انقلاب ہو رہا تھا وہ اُن کی کوششوں اور آرزوؤں پر خودبخود پانی پھیر رہا تھا، یہ سماجی حالات کیا تھے؟ ذرا غور سے ملاحظہ کیجئے۔

نوجوانوں کو اپنی روزی کمانے کے سلسلے میں آئے دن مشکلات بڑھ رہی تھیں اس لیے دیر میں شادی کرنے کی طرف اُن کا رجحان زیادہ ہو رہا تھا، جنگ چین و جاپان تک کوئی مرد ۲۵-۲۶ برس کی عمر تک غیر شادی شدہ نہ رہتا تھا لیکن جنگ روس و جاپان کے بعد اور میجی دور کے آخر میں یہ عام قاعدہ ہو گیا تھا کہ مرد عموماً تیس سال کے بعد شادی کیا کرتے تھے، تعلیم کے معاملہ میں اگرچہ "نیک بیوی" اور "ہوشیار ماں" بنانے کے اصول پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا لیکن لطف یہ کہ ان نیک بیویوں اور ہوشیار ماؤں" کی مانگ روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب عورتوں نے ازدواجی زندگی کے دروازے بند دیکھے تو انھوں نے کارخانوں کی طرف قدم بڑھانے شروع کیے اور مردوں کے میدان میں داخل ہونا شروع کر دیا، پھر تو ایک چکر سا بندھ گیا یعنی عورتیں مردوں کے روزی کمانے کے حدود میں داخل ہوتی تھیں، جس سے مردوں کو کام ملنا مشکل ہوتا جاتا تھا اور اُن کی آمدنی گرتی جاتی تھی اس لیے وہ تیس پینتیس کی عمر میں بھی شادی نہ کر سکتے تھے، پھر جب شادی کے پوری طرح اہل مردوں میں روز بروز کمی ہوتی جاتی تھی اور عورتوں کے لیے شادی کے تمام راستے مسدود ہوتے جاتے تھے تو وہ کارخانوں کا اور زیادہ رخ کرتی تھیں، یہ صورت جنگ روس و جاپان کے کوئی دس سال بعد تک جاری رہی اور نتیجہ یہ ہوا کہ "نیک بیویوں اور ہوشیار ماؤں" والا زرّین اصول جو تعلیم نسواں کی روح رواں تھا خودبخود ختم ہو گیا، چنانچہ آج عورتوں میں بھی یہ احساس پیدا کیا جاتا ہے کہ وہ بھی انسان ہیں اور ہر طرح مردوں کے برابر ہیں، اس مقصد کی تکمیل کے لیے انھیں بھی سائنس اور فنون کی عملی تعلیم دی جاتی ہے، اب وہ ہسپتالوں کی ڈاکٹر، سرکاری عہدہ دار، پروفیسر، جج، وکیل، سب کچھ بن سکتی ہے، "نیک بیویوں" اور "ہوشیار ماؤں" والا اصول اب سماجی اور اقتصادی حالات کے ماتحت ہو گیا ہے،

میجی دور کے اواخر تک "نیک بیویوں" اور "ہوشیار ماؤں" کے اصول پر سختی سے عمل ہوتا تھا عورتوں کی کتب بینی پر سخت پابندیاں تھیں اور جسمانی ورزش ممنوع تھی، وہ صرف وہی کتابیں پڑھ سکتی تھیں جو خاص طور پر اُن کے لیے موزوں ہوں، علم وفضل پر ناز کرنا یا کسی مسئلہ میں بحث مباحثہ کرنا، یا مردوں سے تبادلہ خیالات کرنا اُن کی بدنامی کا باعث ہوتا تھا، صنف نازک پر ایسی ایسی پابندیاں عائد تھیں کہ دورِ حاضرہ کا لحاظ کرتے ہوئے اُن پر کسی طرح یقین نہیں آسکتا، یعنی اگر ریل یا ٹریم میں کوئی عورت اخبار یا کتاب پڑھتی نظر آئے تو یہ اس کی انتہائی بدتمیزی اور ناقابل معافی گستاخی سمجھی جاتی تھی۔

اس زمانہ میں اگر متوسط یا ادنیٰ طبقے کی عورتیں روزی کمانے کا خیال کرتی تھیں تو اُن کے لیے ایسے کام تلاش کیے جاتے تھے جو عورتوں کے لیے قطعی موزوں ہوں اور ان کاموں کا رخ نہ کیا جاتا تھا جس سے اُن کا حسن و نزاکت مجروح ہو، علاوہ ازیں ایسے کاموں سے بھی انھیں بچایا جاتا تھا جو افزائش نسل کے لیے مُضر پڑیں، کیوں کہ صنف نازک کا اس زمانہ میں یہی مقصد سمجھا جاتا تھا اور عام طور پر تعلیم یافتہ حضرات بھی اسی رائے کے حامی تھے۔

دوسری جانب زمانہ اسکولوں میں جسمانی ورزش کا نصب العین سال بہ سال بدلتا جا رہا تھا اور عورتوں کے کھیلوں اور ورزشوں پر جو قیود عائد تھیں وہ یکے بعد دیگرے ہٹتی جا رہی تھیں اس لیے اُن کی صحت بڑی سرعت سے بہتر ہو رہی تھی، چنانچہ جب اُن کی جسمانی حالت بہتر ہونے لگی تو اُن کی اہلیت کو قدیم معیار پر جانچنا بھی ممکن نہ رہا، اس طرح گویا مردوں اور عورتوں کے دائرہ عمل میں بہت کم فرق رہ گیا۔

جنگ عظیم کے اثرات یہاں اس مسئلہ پر کچھ زیادہ تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جنگ عظیم کے طوفان میں پھنس جانے پر یورپین اقوام نے جو صورتیں اختیار کیں اُن کا جاپانی تہذیب پر روحانی اور مادی دونوں حیثیتوں سے کیا اثر پڑا، جیسے جیسے جنگ بڑھتی گئی اور یورپین اقوام فوری اور ہنگامی

تدبیریں اختیار کرتی گئیں ساری جاپانی قوم ان سے اتنی متاثر ہوتی گئی کہ شاید کسی دوسری چیز سے نہ ہوئی ہوگی، غرض کہ ایک قدامت پسند حکومت جو فاش غلطیاں کر سکتی ہے اور اُن کا جو خمیازہ اسے اٹھانا پڑتا ہے اس سے جاپانیوں نے پوری پوری عبرت حاصل کی۔

مزید براں جاپان کو ساری قوم کو مجتمع کرنے کی اہمیت کا بھی احساس ہوا، اب تک چین و جاپان اور روس و جاپان کی لڑائیوں کے علاوہ اُسے کوئی ایسے غیر معمولی مواقع پیش نہیں آئے تھے کہ قومی نصب العین ترتیب دیتا، اس کا تو بس یہ عقیدہ تھا کہ اگر کسی ملک کے پاس معقول مستقل فوج ہو جسے ساری قوم کی تائید حاصل ہو تو وہ تمام بیرونی حملوں کی مدافعت کر سکتا ہے لیکن جنگ عظیم کے زمانہ میں برسر جنگ حکومتوں میں جو صورت حالات رونما ہوئی اس نے بڑی خوبی سے جاپان کے یہ ذہن نشین کر دیا کہ تمام نظریوں کو بنیادی طور پر بدلنے کی ضرورت ہے، شاید سینکڑوں کتابوں اور لیکچروں سے بھی یہ نتیجہ مترتب نہ ہوتا جو اس ایک زندہ مثال نے کر دکھایا۔

جاپانیوں پر یہ آشکارا ہو گیا کہ آئندہ کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے محض یہ کافی نہیں ہے کہ قوم کی مدافعت کی ذمہ واری کسی خاص طبقے کے سپرد کر دی جائے، بلکہ ہر عورت، مرد، بوڑھے، بچے جوان غرض کہ ہر فرد قوم کو اس میں برابر سے شریک ہونا چاہیئے اور حسب حیثیت و استعداد اپنا فرض انجام دینا چاہیئے، ان پر یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بین الاقوامی مشکلات کی صورت میں کوئی قوم اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی اور نہ وہ اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکتی ہے جب تک اس کے افراد کی صحت اچھی نہ ہو اور اُن میں قوتِ حیات موجود نہ ہو۔

چنانچہ ۱۹۱۶ء میں یعنی شاہ تائشو کے پانچویں تا ساتویں سنہ جلوس میں نظام حکومت میں بنیادی طور پر اصلاح کی گئی، ایک مصنف نے اس تبدیلی کو "تائشو کے خاموش انقلاب" کے نام سے تعبیر کیا ہے، اس خاموش انقلاب کی خاص خاص چیزیں یہ تھیں، کہ اوّل تو نمائندہ

حکومت کی بنیاد ڈالی گئی، اور دوسرے تعلیم نسواں میں خصوصاً عورتوں کی جسمانی تعلیم کے معاملے میں زبردست اصلاح کی گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک جاپان میں صحیح معنوں میں کوئی نمائندہ حکومت نہ تھی اشتراکیت وغیرہ کو اربابِ حکومت خطرناک چیز سمجھا کرتے تھے، جنگ عظیم شروع ہونے کے بعد تک وہ عام انتخاب" سے گھبراتے اور ڈرتے تھے، غرض کہ سنہ ۱۹۱۶ء میں کہیں جاکر ایک قسم کا اشتراکی نظام جاپان میں رائج ہوا۔

جنگ عظیم سے جو نئے نئے سبق حاصل ہوئے تھے، سخت سے سخت قدامت پسند بھی اُن سے انکار نہ کرسکے اور انھیں تسلیم کرنا پڑا کہ وقت پڑنے پر اگر ساری قوم کو مجتمع کرنے کی ضرورت پیش آئی تو عورتوں کو مردوں کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہو کر اپنے فرائض متعلقہ انجام دینا پڑینگے، یہ صحیح ہے کہ پہلے بھی ہر شخص کی زبان پر "تمام سلطنت کے اتحاد اور اتفاق" کا نعرہ تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ جنگ کے زمانے میں عورتوں نے بھی اکثر اس قسم کی خدمات انجام دی تھیں جیسے فوجی اسپتالوں میں تیمار داری کرنا، رسد اور اسلحہ جات بھیجنے میں مدد دینا یا محاذ جنگ پر گئے ہوئے سپاہیوں کے خاندانوں کو امداد دینا وغیرہ، لیکن یہ سب کام اتنے معمولی اور آسان قسم کے تھے کہ صنف نازک کے حدود اور اُن کی استعداد سے باہر نہ تھے جنگ عظیم کے حالات سے جو سبق حاصل ہوئے تھے اُن کی بنا پر نیا قومی اشتراکی نظام ترتیب دیا گیا اور اس نظام کے ماتحت عورتوں سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنی قدیم نسائی خصوصیات کو ترک کرکے میدان عمل میں اتر آئیں۔

اس طرح جاپان میں تعلیم نسواں کا قدیم نظریہ قطعی بدل گیا اور صحیح یا غلط کی اصولی بحثوں کو واقعات نے بالکل نظر انداز کر دیا، یہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ نوجوان عورتیں ہر سال زیادہ سے زیادہ تعداد میں شادی سے محروم ہوتی جاتی تھیں اس لیے وہ کارخانوں کی جانب رخ کرنے پر مجبور ہو رہی تھیں حالات کی یہ رفتار بھی ایک حد تک اس تبدیلی کا

باعث ہوئی، بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قیود جو میجی دور سے تائشو کے ابتدائی دور تک عورتوں کو نسائی حدود کے اندر رکھنے کی غرض سے اُن کی جسمانی اور ذہنی تعلیم پر عائد کی جاتی تھیں رفتہ رفتہ خود بخود ہٹ گئیں۔

عورتوں پر زلزلہ ۱۹۲۳ء کا اثر جاپان کی عورتوں میں ۱۹۲۳ء کے ہولناک زلزلہ کے بعد سے حقیقی انقلاب شروع ہو گیا اس اندوہناک حادثے نے انہیں جدید طرز زندگی اختیار کرنے پر مجبور کیا اور مختلف قسم کے کاروبار اور تجارتی دفاتر میں وہ داخل ہونے لگیں، ان کی خدمات اس ہنگامی ضرورت کے لیے بھی حاصل کی گئیں کیوں کہ تباہ شدہ علاقہ کو از سر نو تعمیر کرنے کے عظیم الشان کام کے لیے ہر مرد اور عورت یعنی قوم کے ہر بالغ فرد کی امداد کی ضرورت تھی

جس طرح جنگ عظیم نے یورپ اور امریکہ کی عورتوں کو مزدوروں کے کاروباری اور صنعتی میدان میں داخل ہونے کا موقع دیا اسی طرح جاپان کے ۱۹۲۳ء کے زلزلے نے شرمیلی عورتوں کو یہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ بھی اپنے خاوندوں اور بھائیوں کے حدود میں قدم رکھیں۔

دفتروں میں داخل ہوتے ہی عورتوں نے یہ محسوس کیا کہ شکستہ اور زلزلہ زدہ عارضی دفاتر میں ڈھیلے ڈھالے اور قیمتی کیمونو پہننا بہت گراں پڑتا ہے اس لیے انھوں نے نہایت چست یورپین لباس پہننا شروع کر دیا لباس کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ پھر غازہ کا استعمال ہونٹوں اور گالوں کی لالی اور زلفیں کترنا بھی شروع ہو گیا لیکن اس سلسلے میں سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ عورتوں کو اپنی یہ نئی زندگی بہت مرغوب تھی اس لئے جب وہ ایک مرتبہ دفاتر پر قابض ہو گئیں تو پھر کسی حالت میں اپنے ان نئے حقوق سے دست بردار ہونے کو تیار نہ ہوئیں۔

یہ ہے دختران جاپان میں خاموش انقلاب کی مختصر تاریخ!

مغربی فیشن کا جنون جاپان کی صنف نازک آج مغربی فیشن کے طوفان میں بہی چلی جا رہی ہے، جاپان کے اکثر بڑے شہروں میں

تیس فی صدی عورتیں ہونٹوں اور گالوں پر لالی لگاتی ہیں اور بال کترواتی ہیں، ناچنا، گانا شراب پینا اور مغرب کی اسی قسم کی دوسری برائیاں بھی بڑی سرعت سے پھیل رہی ہیں اور مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جاپان مغربیت کے پیچھے اتنا دیوانہ کیوں ہوا جا رہا ہے، لیکن مجھے جاپان کے صائب الرائے حضرات کی دانشمندی اور دوراندیشی سے توقع ہے کہ وہ حالات کو قابو سے باہر نہ ہونے دیں گے۔

جاپانی اس بات میں خاص طور پر مشہور ہیں کہ وہ ہر بیرونی چیز سے بہترین استفادہ کرتے ہیں اس کی اچھی باتیں اختیار کر لیتے ہیں اور اس کی برائیوں کو ترک کر دیتے ہیں اس لیے بظاہر اگرچہ وہ بالکل مغرب زدہ معلوم ہوتے ہیں لیکن اصلیت میں وہ سو فی صدی مشرقی بلکہ جاپانی ہیں، دفتر تو وہ مغربی لباس پہن کر جاتے ہیں لیکن گھروں میں وزیر اعظم سے لے کر معمولی مزدور تک ہر ایک اپنا قومی لباس کیمونو ہی پہنتا ہے، اس لیے بظاہر اس کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ جاپان پر مغربی تہذیب کبھی حاوی ہو سکے گی

میں خود مغربیت کا مخالف ہوں اور ہائیڈ پارک اور ہالی ووڈ کی معاشرت کو قطعی پسند نہیں کرتا اس لئے مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ جاپانی عورتوں کو مغربی لباس کے مقابلہ میں جاپانی لباس اور جاپانی آداب معاشرت سے زیادہ محبت ہے مثلاً سرکردہ عورتیں بڑے بڑے جلسوں میں تو مغربی لباس پہن کر جاتی ہیں لیکن اُن کے صندوق خوبصورت سے خوبصورت کیمونو سے بھرے رہتے ہیں، امراء اور متوسط طبقے کی لڑکیاں مغربی لباس کے مقابلہ میں اپنے قومی لباس میں کہیں زیادہ حسین معلوم ہوتی ہیں

آج اگر کوئی شخص ایک ہفتہ کیلیے بھی جاپان جائے تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوگی کہ اکثر نوجوان عورتیں اپنے قدیم رسم و رواج کو ترک کر کے مغربی زندگی اختیار کرتی جا رہی ہیں ان لڑکیوں کی تعداد میں جو اپنے قومی لباس کے بجائے مغربی لباس اختیار کرتی جا رہی ہیں اتنا نمایاں اضافہ ہو رہا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا سیاح ہو جس نے جاپان کے اس معاشرتی انقلاب کو محسوس

نہ کیا ہو یا اس پر رائے زنی نہ کی ہو۔

اس سے زیادہ اہم یہ چیز ہے کہ یہ تبدیلی محض خارجی حالات تک محدود نہیں ہے بلکہ نوجوان عورتوں اور لڑکیوں کی ذہنیت میں مکمل اور بنیادی انقلاب ہو رہا ہے۔

ٹوکیو کے گنزرہ میں جو دہلی کے چاندنی چوک کی طرح وہاں کا خاص بازار ہے آپ کو آدھی سے زیادہ لڑکیاں یورپین لباس پہنے ہوئے نظر آئیں گی، حالانکہ دس سال قبل مشکل سے دس فی صدی لڑکیاں اس کی جرات کرتی تھیں، کیوں کہ انھیں یہ اندیشہ تھا کہ مغرب پرستی کے لیے وہ نشانہ ملامت بنائی جائیں گی

"موگا"[1] یعنی مغرب پرست لڑکی جاپانی شہروں میں آج کل "موگا" بہت مقبول ہو رہی ہے، جاپان کے مرد بھی اب پہلے سے نازک کتابی چہروں سے جو اب صرف پرانی تصویروں میں نظر آتے ہیں متاثر نہیں ہوتے اب تو وہ لڑکی زیادہ مقبول ہوتی ہے جس کی آنکھیں بادام سے مشابہ نہ ہوں، جو ہائی وڈ فیشن کے مطابق بال بناتی ہو اور جو ہونٹوں اور گالوں پر لالی لگاتی ہو، اُس لڑکی کی اب قدر نہیں ہوتی جو اپنا چہرہ بالکل سفید کرلے یا جو صدیوں پہلے کے رواج کے مطابق عجیب ہیئت کی خوش رنگ ٹوپی پہنے۔

چونکہ جاپان میں یورپ اور امریکہ کی عورتیں بہت کم ہیں، اس لیے وہاں کی لڑکیاں فیشن میں عموماً امریکہ کی فلم ایکٹرسوں کی تقلید کرتی ہیں، اس سلسلہ میں جون کرافورڈ، کانسٹنس بینٹ۔ کے فرانس، اور کیرول لومبارڈ کے انداز خاص طور پر مقبول ہیں، ہر جاپانی لڑکی جس کی پرورش لکڑی کے کھڑاؤں پہن کر ہوئی تھی، اپنی پسندیدہ فلم ایکٹرس کی نشست و برخاست حرکات و سکنات اور خصوصاً رفتار کی پیروی کرتی ہے اور اس طرح مغربی عورتوں کی رفتار کی پوری پوری نقل اتار لیتی ہے۔

---

[1] ماڈرن گرل کا جاپانی مخفف ہے

جاپانی لڑکیوں نے انگریزی فلموں سے محض یہ دلکش رفتار ہی نہیں سیکھی ہی بلکہ محبت کا مغربی مفہوم بھی سیکھا ہی اس کا نتیجہ والدین کے لیے سخت تکلیف دہ ہی کیوں کہ اُن کا اب تک یہی خیال ہی کہ لڑکے اور لڑکی کو خود شادی نہ کرنا چاہیئے بلکہ بزرگوں کو اس کا انتظام کرنا چاہیئے جو فریقین کی بھلائی برائی پر زیادہ سنجیدگی سے غور کر سکتے ہیں، اور ان ناعاقبت اندیش نوجوانوں کے مقابلہ میں اونچ نیچ کو بہتر سمجھ سکتے ہیں، لیکن جاپانیوں کی معاشرت پر مغربیت کا اس قدر زبردست اثر ہو رہا ہی کہ بزرگوں کی چیخ پکار نقارخانہ میں طوطی کی آواز کے مصداق ہی اور آئے دن نئے نئے فیشن بے محابا اختیار کئے جا رہے ہیں۔

مغربیت کے مفید پہلو

بعض جاپانی مفکرین کا خیال ہی کہ عورتوں کے مغربی تہذیب اختیار کرنے سے قوم کو فائدہ پہنچا ہی یعنی جب سے انھوں نے کیمونو ترک کیا ہی اور مغربی لباس اختیار کیا ہی اُن کی جسمانی صحت بہتر ہو گئی ہی، کیمونو سے حرکات و سکنات پر ایک بندش سی ہو جاتی تھی جس سے لڑکیوں کے نشوونما پر بُرا اثر پڑتا تھا لیکن مغربی لباس میں زیادہ آسانی سے اعضا کو جنبش دی جا سکتی ہی، اس لئے اب لڑکیاں بسہولت مختلف قسم کے کھیلوں اور ورزشوں میں شریک ہو سکتی ہیں اور اس سے اُن کے جسم کی نشوونما بہتر ہوتی ہی۔

جاپان کی یہ لڑکیاں مشرقی حسن کا ایک ایسا نمونہ پیش کرتی ہیں جو محض مغرب کی نقل نہیں کہا جا سکتا اسی وجہ سے ٹوکیو کے حسن کے مقابلوں" کے جج صاحبان کا خیال ہی کہ جاپان کی ملکۂ حسن" دوسرے ممالک کی حسین ترین عورتوں سے کسی طرح کم نہیں ہی وہ محض مشرقی حسن کا ایک مغربی نمونہ نہیں ہوتی بلکہ دونوں براعظموں کے بہترین خط و خال کی ایک امتزاجی شکل ہی

ٹوکیو میں اکثر عورتیں بال کترواتی ہیں اور دکانوں اور دفتروں میں کام کرنے والیاں اور کارخانوں کی مزدور لڑکیاں عموماً کیمونو کی جگہ فراک پہنتی ہیں، اس سلسلہ میں

مغربیت کے حامی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ موجودہ شہری زندگی کے لیے جاپانی رسم ورواج قطعی ناقابل عمل ہیں اور جاپانی لباس مغربی لباس سے کہیں مہنگا پڑتا ہے، ہر عورت کو متعدد کیمونوؤں کی ضرورت پڑتی ہے کیوں کہ ہر موسم کے لحاظ سے اس کے نمونے بھی مختلف ہوتے ہیں اور ہر لباس کے ساتھ اُس کے اتنے متعلقات ہوتے ہیں کہ ایک معمولی سے جوڑے پر بیس ین خرچ ہوجاتا ہے، حالانکہ جاپان میں ایک مزدور کی ماہانہ آمدنی بھی قریب قریب اتنی ہی ہے اس لئے دفتر یا کارخانوں میں کام کرنے کے لیے مغربی لباس زیادہ سستا پڑتا ہے۔

وزارت داخلہ کی تحقیقات سے اس حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ چودہ برس سے انیس برس کی لڑکیوں کے قد میں گذشتہ صدی کے مقابلے میں انچ سوا انچ کا اضافہ ہوگیا ہے یہی وہ زمانہ ہے جب کہ لڑکیوں نے میدانی کھیلوں اور ورزشوں میں حصہ لینا شروع کیا جاپان نے گذشتہ چند سال میں ان کھیلوں میں کتنی ترقی کی ہے اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ اب جاپانی لڑکیاں بین الاقوامی مقابلوں میں بھی شریک ہونے لگی ہیں۔

جسم اور چہرے کے علاوہ جاپانی لڑکیوں کی اور دوسری چیزوں میں بھی غیر معمولی تبدیلی ہوگئی ہے مثلاً سر کی پوشش بالکل بدل گئی ہے، علاوہ ازیں ان کی زلفوں کے انداز کا ان کی ظاہری شکل وشباہت پر سب سے زیادہ اثر پڑتا ہے، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ زلفوں کا قدیم انداز امریکہ اور یورپ کے انداز سے بہر نوع متضاد تھا مثلاً مغربی زلفوں کا حسن یہی ہے کہ گھونگر یا لہریں بنی ہوں لیکن جاپان میں اس سے سخت نفرت کی جاتی تھی، مغرب میں یہ فیشن ہے کہ بالوں کے ایک دو چھلّے خوبصورتی سے رخساروں پر لٹکتے ہوں لیکن جاپان میں یہ ناپسند کیا جاتا تھا، مغرب میں سنہرے بال دولت حسن کا بیش بہا خزانہ تصور کیے جاتے ہیں، لیکن جاپان میں چمکیلے سیاہ بالوں کے سوا سب ناقابل اعتراض تھے، مغرب میں بہت تھوڑا تیل استعمال کیا جاتا ہے، لیکن جاپان میں خوب دل کھول کر لگایا جاتا تھا

اس لیے بال سنوارنے کا قدیم انداز بدل جانے سے جاپانی لڑکیوں کی شکل وشباہت

میں حیرت انگیز فرق ہوگیا حتی کہ معیار حسن بدل گیا پرانے طرز کی زلفوں کی مناسبت سے لمبا اور پتلا چہرہ پسند تھا لیکن اب مغربی زلفوں کی وجہ سے گول چہرہ پسند کیا جاتا ہے، بہرحال جاپانی عورتوں کے فطری چہرے سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے ہائیڈ پارک، ہالی ووڈ اور پیرس کے زلفوں کے فیشن میں کافی ترمیم کرنا پڑے گی یہی حال دوسری چیزوں کا بھی ہے۔

نظر غور سے دیکھنے والوں کو آج کل کوئی منظر اتنا دلچسپ معلوم نہیں ہوتا جتنا یہ کا ایک ہوگا، جدید فیشن کی دلدادہ لڑکی اپنی قدیم وضع کی پابند بو کے ساتھ جا رہی ہو، ڈاکٹر فاسٹ فرماتے ہیں کہ اب یہ خیال جاپانیوں میں ترک ہوتا جا رہا ہے کہ نزاکت ہی حسن کی جان ہے وہ یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ طاقتور بچے پیدا کرنے کے لیے پہلے ماؤں کو طاقت ور بنانا چاہیئے چنانچہ وہ نسائی حسن میں کوئی کمی بھی نہیں آنے دیتے اور نہایت کامیابی سے اپنے مقاصد کی تکمیل بھی کر رہے ہیں نوجوان عورتیں اب ہر طرح کے مقابلے کے کھیلوں میں شریک ہوتی ہیں چنانچہ مس کینو ہتومی نے گذشتہ اولمپک کے موقع پر تیز دوڑنے کا ریکارڈ قائم کیا تھا بالآخر پریگ میں حد سے زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے اس کی جان بھی گئی۔ بہرحال آج جاپان میں لڑکیاں موٹروں کی دوڑ میں شریک ہوتی ہیں، ہوائی جہاز چلاتی ہیں، اور اڑان چھتری کے ذریعہ ہوائی جہاز سے نیچے کودتی ہیں، غرض کہ مشکل سے مشکل کام میں وہ مردوں کے برابر ہی حصہ لیتی ہیں۔

آٹھواں باب

جاپان کی نجات دہندہ

جاپانی[1] عورت پر سب سے زیادہ محنت پڑتی ہے، اور وہ دنیا کی عورتوں میں سب سے زیادہ محکوم ہے، وہ انجینیری کے کارخانوں میں ملازمت کرتی ہے بھاری بھاری بوجھ اٹھاتی ہے، دستی ٹھیلے کھینچتی ہے، ہوٹلوں میں ملازمت کرتی ہے دکانوں میں نوکری کرتی ہے، کھیتوں پر مزدوری کرتی ہے، ملوں میں کام کرتی ہے، جہازوں میں کوئلہ جھونکتی ہے، غرض کہ ہر قسم کے سخت سے سخت اور مشکل سے مشکل کام انجام دیتی ہے، لیکن اس کی گاڑھی کمائی پر اس کا باپ خاوند، یا بیٹے قبضہ کر لیتے ہیں، گویا وہ محض ایک بار برداری کا جانور ہے جسے کوئی قانونی یا انفرادی حقوق حاصل نہیں ہیں، مرد اخلاقی، ذہنی، سماجی، ہر حیثیت سے اس کا حاکم سمجھا جاتا ہے اور وہ عموماً اس کی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کرتی ہے، وہ اس کی باندی کی حیثیت سے رہتی ہے اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کی ذاتی جائداد تصور کی جاتی ہے جو اسے زیادہ سے زیادہ روپیہ دینے والے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، مسز جیسپرٹن

جاپان کی طرح آپ کو دنیا کے کسی ملک میں ایسی عورتیں نہ ملیں گی جو زبان پر شکایت کا ایک حرف لائے بغیر سخت سے سخت محنت اور نہایت خندہ پیشانی سے بڑی سے بڑی قربانیاں کرتی ہوں میں ان کے اس جذبہ قربانی کی دل سے قدر کرتا ہوں اور ان کی اس خوش مزاجی

---

[1] - میں اپنے ذاتی تجربہ اور تحقیقات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ عام طور پر یہ صحیح نہیں ہے۔

پر مجھے رشک آتا ہے، ہندوستان اور دیگر ممالک میں جو خوشنما جاپانی کپڑا کثرت سے استعمال ہوتا ہے اس کا بیشتر حصہ ان عورتوں ہی کے ہاتھ کا تیار کیا ہوتا ہے، وہ ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں، سینما اور تھیٹروں میں، دکانوں اور کارخانوں میں، موٹر بسوں اور ٹراموے پر غرض کہ ہر جگہ قوم کی خدمت کرتی ہیں، ہر موقع پر ایک دلاویز مسکراہٹ کے ساتھ آنے والوں کا استقبال کرتی ہیں اور جب وہ روانہ ہونے لگیں تو "اریگاتو" "شکریہ" سے ان کو رخصت کرتی ہیں۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ جاپان کی صنعتی ترقی پچاس فی صدی سے زیادہ ان عورتوں کی بے مثل قربانیوں کی مرہون منت ہے، ہندوستان میں تو لڑکی کو ایک بار سمجھتے ہیں لیکن جاپان میں والدین اسے ایک نعمت تصور کرتے ہیں کیوں کہ اسے والدین سے حیرت انگیز محبت ہوتی ہے، ہر سال سینکڑوں لڑکیاں اپنے بھوکے ماں باپ کا پیٹ بھرنے کی خاطر جو زراعتی کساد بازاری کا شکار ہوتے ہیں اپنے آپ کو بیچ ڈالتی ہیں سچ پوچھئے تو لڑکیاں جاپان کی نجات دہندہ ہیں، مثال کے طور پر جاپانی صنعتوں کو لیجئے

صنعتوں کو عورتوں کی ذات سے فروغ ہے

تازہ ترین اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتنے اور بننے کی صنعت میں ۸۲.۴ فی صدی عورتیں کام کرتی ہیں، اس صنعت میں مرد کاریگروں کی تعداد صرف ۱۰۱,۲۸۵ ہے لیکن عورتوں کی تعداد ۵۱۱,۰۴۰ ہے، دیگر متفرق صنعتوں میں بھی ان کی تعداد ۴۳.۵ فی صدی ہے اگرچہ بعض صنعتوں میں مثلاً مشین سازی، دواسازی، اشیاء خوردنی کی تیاری طباعت جلد سازی، گیس و بجلی کا کام، اور دھاتوں کی صنعتوں میں مردوں کی تعداد زیادہ ہے لیکن مجموعی طور پر عورتیں ہی اکثریت میں ہیں یعنی مرد کاریگروں کی کل تعداد ۷۷۴,۰۹۸ اور عورتوں کی ۸۶۴,۲۳۴ یا ۵۶.۲۳ فی صدی ہے

اگر ہم اپنی تحقیقات میں آمدنی اور نفع کے تمام پیشے شامل کرلیں تو اندازہ ہوگا کہ خاص جاپان کی ۲,۹۰,۰۰,۰۰۰ عورتوں میں سے ۹۹,۳۰,۰۰۰ عورتیں محنت مزدوری کے

ذریعہ کچھ نہ کچھ ضرور کماتی ہیں، یہ تعداد تمام مزدوری کرنے والوں کی نصف تعداد سے کہیں زیادہ ہی گذشتہ چند برسوں میں انھوں نے "نسائی صنعتوں" سے بڑھ کر دوسرے میدانوں میں بھی قدم رکھنا شروع کر دیا ہی یعنی مختلف دھاتوں اور مشینوں کے کارخانوں میں بھی داخل ہو گئی ہیں، اس کے علاوہ جسمانی محنت کے بجائے دماغی کاموں کی طرف بھی کافی رجحان ہو رہا ہی، چنانچہ سنہ ۱۹۳۱ء میں ۸۶۹۳ ڈاکٹرنیاں، اور دواساز عورتیں تھیں اور ۱۵۴،۱۵۳ نرسین اور دائیاں، دوسرے شعبوں کے متعلق مجھے سنہ ۱۹۲۸ء کے اعداد مل سکے جن سے معلوم ہوتا ہی کہ ۹۴۶،۸۱ معلمہ تھیں، ۴۷،۳ تار، ڈاک اور ٹیلیفون کے محکموں میں اور ۹۴۵۲ ریلوے میں ملازم تھیں، ٹائپسٹ اور دکانوں کی ملازم تو کثرت سے لڑکیاں ہی ہوتی ہیں صرف ٹوکیو میں سترہ ہزار عورتیں محنت مزدوری اور ملازمت کرتی ہیں، ان میں سے ۷۵،۶ فی صدی ایسی ہیں جو اپنی روزی پیدا کرنے کے علاوہ اپنے خاندان کی پرورش میں امداد کرتی ہیں، ان میں زیادہ تر ۱۶ سے ۲۵ سال عمر کی ہیں اور عموماً تیس ین ماہوار حاصل کرتی ہیں، اس قلیل آمدنی میں وہ اپنا گذر بھی کرتی ہیں اور کچھ پس انداز بھی کر لیتی ہیں

ذاتی مشاہدات کی بناپر

میں نے اکثر مقامات پر خصوصاً کانے گفوچی مل میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہی کہ ان لڑکیوں کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا سلوک کیا جاتا ہی، وہ اپنے کام کو ایک خوشگوار فرض سمجھ کر انجام دیتی ہیں، ہمارے یہاں کے مزدوروں کی طرح بار نہیں سمجھتیں، نہایت ہوشیاری مستعدی اور خوش مزاجی سے وہ اپنا کام کرتی ہیں اُن کے سکونتی اور کام کرنے کے مکانوں میں اتنی صفائی ہوتی ہی کہ بہت سے ملک اس پر رشک کر سکتے ہیں

ہر ایک مل سے متعلق خوبصورت چمن، سینما ہال، اسکول اور ہسپتال ہوتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہی کہ مزدوروں کے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا جاتا ہی، اُن کے بستر، اُن کا لباس، اور اُن کے کمرے ہمارے یہاں کے اکثر لکھے پڑھوں سے بھی زیادہ صاف ستھرے ہوتے ہیں،

اُن کا دو منزلہ اسپتال دہلی کے سول ہسپتال سے کہیں بہتر ہی، جب میں چھٹی کے وقت ان لڑکیوں کو رنگ برنگے کیمونو پہنے چمنوں میں گل گشت کرتے دیکھتا تھا تو کسی طرح یہ یقین نہ آتا تھا کہ یہ مزدوری کرنے والی لڑکیاں ہیں، گانے گفوجی مِل کی ان مزدور لڑکیوں کی آزادی اور زندہ دلی پر ہندوستان کی اکثر نواب زادیاں اور راج کماریاں رشک کر سکتی ہیں۔

ان لڑکیوں کو تعلیم اور طبّی امداد مفت دی جاتی ہی اس کے علاوہ ایک سال کی خدمت پر ۴۰ سے ۶۰ دن کی اجرت انعام میں ملتی ہی جس میں آئندہ ہر سال ۱۰ سے ۲۰ فی صدی تک اضافہ ہوتا جاتا ہی، اوسطاً ان کی ملازمت کی مدت دو ڈھائی سال ہوتی ہی کیوں کہ اس کے بعد ان کی شادی کا زمانہ آجاتا ہی، داخلہ کے وقت کوئی اقرار نامہ بھی نہیں لکھوایا جاتا اور عام نظم و نسق قائم رکھنے کے علاوہ ان کی انفرادی آزادی پر پابندیاں بھی عائد نہیں کی جاتیں، گانے گفوچی ملوں کا بہت بڑا انتظام ہی، اس میں کاتنے، بننے، سینے اور روئی، ریشم اون وغیرہ صاف کرنے کے ۱۱۵ کارخانے ہیں جن میں ۴۵ ہزار کاریگر کام کرتے ہیں، میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ روس کے سوا کسی دوسرے ملک میں مزدوروں کے لیے اس قسم کی چیزوں کا انتظام نہیں ہوتا جیسے حفظانِ صحت کے لیکچر، دار المطالعے اور کتب خانے، سینما، تھیٹر اور دیگر تفریحات فٹ بال، بیس بال، اور ٹینس وغیرہ لیکن جاپان کے بڑے بڑے کارخانوں میں یہ چیزیں بہت عام ہیں۔

برتاؤ کا فرق

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہی کہ ہر مزدور لڑکی سے اچھا برتاؤ ہوتا ہی، بلکہ صنعت کی نوعیت، سرمایہ کی کمی بیشی، اور کاروبار کی وسعت کے لحاظ سے برتاؤ میں بھی فرق ہو جاتا ہی، یہ صحیح ہی کہ بعض چھوٹی صنعتوں میں اُن کے ساتھ بہت خراب سلوک ہوتا ہی، لیکن عام طور پر محنت کے اوقات میں کمی ہو رہی ہی، کارخانوں کی سالانہ رپورٹ بابت سنہ ۱۹۳۰ء میں درج ہی کہ کام کے اوقات عام طور پر کم کیئے جا رہے ہیں لیکن پھر بھی زائد از وقت کام لینے کی مثالیں

موجود ہیں خصوصًا مشین سازی کے کارخانوں میں نوجوان مزدوروں سے زائد از وقت کام لیا جاتا ہی سنہ ۱۹۳۱ء میں کارخانوں میں اوسطًا دس گھنٹہ روزانہ کام ہوتا تھا جس کے درمیان میں نصف گھنٹے کی چھٹی ہوتی تھی، اور مہینہ میں ایام کارکردگی کا اوسط ۲۶ر۴ رہتا تھا،

لے مینز فازن مشن تحقیقاتی کمیٹی کے اراکین نے سنہ ۱۹۳۳ء میں نہایت مفصّل تحقیقات کرنے کے بعد جاپان کے متعلق لکھا ہی کہ گذشتہ چند برسوں میں ضابطۂ کارخانہ جات میں کافی اصلاح ہو گئی ہی، اور اب وہ دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے قوانین سے کسی طرح کم نہیں ہی،

ضابطۂ کارخانہ جات، ضابطۂ کان کنان، اور ضابطۂ بیمۂ صحت میں زچگی کے لیئے بھی مناسب انتظام کیا گیا ہی، اوائل سنہ ۳۴ء میں ولی عہد کی پیدائش کے موقعہ پر شاہ جاپان نے ½ لاکھ ین زچہ بچّہ کے تحفّظ کے لیے عطا فرمائے تھے، امید ہی کہ عورتوں کو اس عطیہ سے غیر معمولی فائدہ پہنچے گا اور عام طور پر اس کا زبردست اثر بھی پڑے گا۔

مزدوروں کے ساتھ ناجائز اور ناروا سلوک محض غیر منظّم صنعتوں تک محدود ہی، مثلًا متفرق صنعتوں کے چھوٹے چھوٹے کارخانے یا ریشم کے چند چرخی گھروں میں، گویا اُن کے ساتھ اچھا یا بُرا سلوک ملوں کے نظام پر منحصر ہی، جتنا زیادہ کسی مِل کا نظام اچّھا ہوتا ہی اتنا ہی سلوک بھی خراب ہو جاتا ہی، خوش قسمتی سے کپڑوں کے تمام بڑے بڑے کارخانوں کا انتظام نہایت معقول ہی اور اُنہی میں زیادہ تر مزدور عورتیں کام کرتی ہیں

کپڑے کے کارخانوں میں روزانہ اجرت کا اوسط حسب ذیل ہی:۔

	مردوں کے لیے	عورتوں کے لیے
روئی کاتنا	۱ر۷۰ ین	۱ر۲۰ ین
بُننا	۱ر۵۰ ین	۱ر۰۰ ین
ریشم کاتنا	۱ر۴۰ ین	۱ر۸۰ ین
رنگائی	۲ر۰۰ ین	ر۹۰ ین

اس سے اندازہ ہوگا کہ روئی کے کام میں مردوں کی شرح اجرت زیادہ ہے لیکن ریشم کے کام میں جس میں نسبتاً نرم ہاتھوں کی ضرورت ہوتی ہے عورتوں کی شرح اجرت زیادہ ہے۔

تاریک پہلو اس باب کو ختم کرنے سے پیشتر میں تصویر کا تاریک رخ بھی پیش کرنا چاہتا ہوں یہ رخ اگرچہ اتنا تاریک نہیں ہے جتنا ذیل کے نقشے سے ظاہر ہوتا ہے لیکن بہرحال قابل مطالعہ ضرور ہے

ایک یوروپین نامہ نگار اس سلسلہ میں رقم طراز ہے :۔

یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں کسی ملک کی عورتوں سے اتنا برا سلوک نہیں کیا جاتا جتنا جاپان کی عورتوں سے، غالباً یہ صحیح نہیں ہے پھر بھی سرکاری اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادنیٰ طبقہ میں دس فی صدی عورتوں کو اُن کے خاوند عموماً نکال دیتے ہیں، پہلے زمانہ میں تو ۳۳ فی صدی کا یہی حشر ہوتا تھا، اگرچہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ بہت کم اس قسم کی ذلیل حرکت کرتے ہیں، لیکن ادنیٰ طبقہ کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور باہر والوں کا یہ قول پوری طرح صادق آتا ہے کہ جاپان میں بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے بس اتنا کافی ہوتا ہے کہ پانچ سنٹ موٹر کے کرایہ کے لیے اس کے ہاتھ پر رکھے اور حکم دے دیا کہ بوریہ بستر باندھ کر مکان خالی کردو، (یہ سراسر جھوٹ اور محض لغو ہے) یہ معلوم ہونے کے بعد غالباً آپ کو اس رواج پر تعجب نہ ہوگا کہ جاپانی عورتوں کو خوف کے ماتحت آداب کی تلقین کی جاتی ہے، اور قدیم زمانہ سے اُن کے اخلاقیات میں یہ داخل ہے کہ اپنے بزرگوں کی بلاچون و چرا تابعداری اور فرمان برداری کریں، یعنی ہر عورت کا یہ فرض ہے کہ اپنے والد، اپنے خاوند اور اپنے بھائیوں کے احکام کی نہایت عجز و ادب کے ساتھ تعمیل کرے۔

آج کل اس قسم کی تابعداری ممکن نہیں ہے، خصوصاً اس وجہ سے کہ عورتیں خود اپنی روزی پیدا کرتی ہیں آج جاپان میں اپنی روزی خود پیدا کرنے والی عورتوں کی تعداد ۱۵ لاکھ سے کم نہیں ہے، اور جاپان کی لڑکیاں اپنے پیدائشی حق سے پوری طرح واقف ہوگئی ہیں۔

اگرچہ عورتوں سے سلوک کی مذکورہ بالا تصویر میں مبالغے سے کام لیا گیا ہی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان کی طرح جاپان میں بھی عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق حاصل نہیں ہیں،

نواں باب

مشترکہ خاندان

"جاپان میں مزدوروں کی زندگی مشترکہ خاندان کے اصول پر مبنی ہے،
اُن کا آمد و خرچ بھی خاندان کے آمد و خرچ کا ایک جزو سمجھا جاتا ہے، اس وجہ
سے اکثر عورتیں اور بچے کارخانوں میں کم سے کم اجرت پر کام کر سکتے ہیں"
اخبار "اساہی"

جاپان نے تہذیب، تمدن، مذہب اور رسم و رواج کی طرح مشترکہ خاندان کا اصول بھی ہندوستان سے سیکھا ہے، اور اسے اپنے فائدہ کی خاطر بڑی عقیدت کے ساتھ برقرار رکھے ہوئے ہے، ہندوستان میں تو افلاس، غلامی اور سماجی برائیوں کی وجہ سے نظام خراب ہو گیا ہے، اور مغربیت کے زیر اثر اسے ختم کر دینے کا خیال ظاہر کیا جاتا ہے، لیکن جاپان اسی کی بدولت اس کشمکش حیات میں سلامت رہ سکا ہے، میرا عقیدہ ہے کہ مشترکہ خاندان کے نظریہ میں بطور خود کوئی برائی نہیں ہے کیوں کہ یہ حقیقی اشتراک عمل اور کل کے لیے جزو کی قربانی کا سبق سکھاتا ہے، ہندوستان میں باقی تمام افراد خاندان کمانے والوں کے لئے بار ہوتے ہیں لیکن جاپان میں ہر ایک کماتا ہے اس لیے اس کا ہر فرد خاندان کے لئے ایک نعمت ہے مشترکہ خاندان کی یہی خوبی ہے جس کی وجہ سے یہ نظام وہاں اب تک برقرار ہے

مغرب میں شادی شدہ جوڑے کو خاندان میں مرکزی حیثیت حاصل ہے، ہر نیا جوڑا ایک نیا خاندان بناتا ہے اور جب وہ مر جائے یا آپس میں جدائی ہو جائے تو خاندان

بھی وہیں ختم ہو جاتا ہے، مغربی خاندان بہت مختصر ہوتا ہے، اس میں خاوند اور بیوی کے علاوہ صرف بچے شریک ہوتے ہیں لیکن وہ بھی محض اُس وقت تک جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں، اس کے بعد وہ جداگانہ خاندان ترتیب دیتے ہیں پھر یہ بھی لازمی نہیں کہ وہ اپنی سابقہ خاندانی روایات اور طرز زندگی کی پیروی کریں

جاپانی خاندان میں خاوند بیوی کو ثانوی حیثیت حاصل ہے اور وہ خاندان کے معمولی افراد تصور کیے جاتے ہیں، وہاں اس چیز کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے کہ خاندانی نام، خاندانی سلسلہ، اور خاندانی کاروبار نسلاً بعد نسلٍ جاری رہے، اور خاوند بیوی کو صرف اتنی اہمیت حاصل ہے کہ وہ خاندانی نسل کو برقرار رکھنے کا ایک ذریعہ ہیں، اس قسم کے خاندان کو بڑا خاندان کہتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس میں بہت سے افراد ہوتے ہیں، بلکہ یہ کہ خاندانی سلسلہ برقرار رکھنے کے اصول پر عمل کیا جاتا ہے، اگر کوئی خاندان مذکورہ بالا اصول پر عمل پیرا نہ ہو تو چاہے افراد کی تعداد کے لحاظ سے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اسے بڑا خاندان ہرگز نہ کہیں گے، بخلاف اس کے اگر ایک چھوٹا سا خاندان جو صرف بوڑھے والدین، ایک نوجوان جوڑے، اور دو ایک بچوں ہی پر مشتمل ہو، استحکام اور تسلسل خاندان کے اصول پر عمل کرے تو اسے بڑا خاندان سمجھا جاتا ہے،

ہر جاپانی خاندان میں چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی خاندانی حیثیت کو محفوظ رکھنے کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے، وہاں محض جائیداد کو وراثت نہیں کہتے بلکہ خاندانی نسل و نام وغیرہ بھی وراثت میں شامل ہیں اور ورثا کا فرض ہوتا ہے کہ وہ انھیں برقرار رکھیں، چونکہ ملک کا آزاد خیال طبقہ بھی اس اصول کا حامی ہے اس لیے قدامت پسند فطرتاً زیادہ سختی سے اس کی پابندی کرتے ہیں، قریب قریب ہر جاپانی خاندان اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ اپنی معاشرتی خصوصیات کو نسلاً بعد نسلٍ قائم رکھے، ساری قوم اس خاندانی نظام کو تسلیم کرتی ہے، اس لیے اس کے قیام اور استحکام کے لیے طرح طرح کے ضابطے اور رواج مقرر ہو گئے ہیں۔

مثلاً ایک بیوی اپنے خاوند کی شریک زندگی ہونے کے علاوہ اس کے خاندان کی ایک

نئی فرد بن جاتی ہی، بیوی کی حیثیت سے تو اس کا فرض ہی کہ اپنے خاوند سے انتہائی محبت کرے اور اس کے خیالات وجذبات سے ہم آہنگی اور مناسبت پیدا کرے، لیکن خاندان کے نئے فرد کی حیثیت سے اس کے لیے لازم ہوتا ہی کہ وہ اس نئے خاندان کی معاشرتی روایات کی بھی پابندی کرے اور اس کے رسم ورواج کے سانچے میں اپنے آپ کو پوری طرح ڈھال لے، کوئی عورت چاہے اپنے خاوند سے کتنی ہی محبت کرتی ہو لیکن اگر وہ خاندانی روایات کی پیرو نہ ہو تو اُسے خاندان کا فرد نہیں سمجھا جاتا، ایسی عورت سے خاندان کے تمام افراد بڑی سرد مہری کا برتاؤ کرتے ہیں اور بالآخر اسے طلاق ہو جاتی ہی، جاپان میں خاندانی روایات کی پابندی نہ کرنا طلاق کی معقول وجہ سمجھی ہی، قومی زندگی میں اس اصول کے مسلم ہو جانے کی وجہ سے بیوی کی اہلیت کا یہ معیار مقرر ہو گیا ہی کہ وہ خاندانی روایات کی کتنی پابند ہی۔

ایک بیوی کا یہی فرض نہیں ہی کہ وہ اپنے خاوند کے خاندان کے استحکام کے لیے اپنی زندگی وقف کر دے بلکہ وہ ایسے ورثا کو جنم دے اور اُن کی اس طرح تربیت کرے کہ وہ خاندانی روایات کے علمبردار بن سکیں، کیوں کہ خاندانی زندگی کا استحکام والدین اور بچوں کے اشتراک عمل ہی سے ہو سکتا ہی، اس سلسلہ میں ماں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہی کیوں کہ بچوں کی تربیت کا تمام تر انحصار اسی پر ہوتا ہی، اور وہ اس خدمت کے لیے موزوں ترین ہستی مانی گئی ہی، لیکن اگر وہ بانجھ ہو یا بچوں کی تربیت کرنے کی اہلیت نہ رکھتی ہو تو چاہے وہ کتنی ہی قابل ہو یا اپنے خاوند سے کتنی ہی محبت کرتی ہو یہ ضرور سمجھا جاتا ہی کہ وہ مشترکہ خاندان کی فرد بننے کی اہل نہیں ہی، آج کل بانجھ ہونے کی بنا پر عورتوں کو بہت کم طلاق دی جاتی ہی لیکن پہلے زمانہ میں تو بانجھ ہونا طلاق کی اولین وجہ سمجھی جاتی تھی، اس طرح گویا جاپان میں ایک بیوی کو بہت سی خوبیوں کا حامل ہونا چاہیئے،

علاوہ ازیں بچوں پر بھی بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، سب سے بڑے لڑکے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہی والدین کے انتقال کے بعد خاندانی معاشرت کو برقرار رکھنے اور اندرونی

انتظام کو قائم رکھنے کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے، وہ تمام تقریبوں میں خاندان کی نمائندگی کرتا ہے، دوسرے بچوں سے وہ ممتاز سمجھا جاتا ہے اور خاص سلوک کا مستحق ہوتا ہے، اس کو خاندان پر حکومت کرنے اور اپنے والدین کی متروکہ جائیداد کا انتظام کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، اور ان مراعات کے بدلے میں اسے خاندانی روایات کی پابندی اور ان کا تحفظ کرنا ہوتا ہے، وہ تمام افراد خاندان کے روزگار کا بھی انتظام کرتا ہے چونکہ اُسے اتنی اہم خدمات انجام دینا ہوتی ہیں اس لئے اس کی تربیت کا بھی خاص انتظام کیا جاتا ہے، اس قسم کے مشترکہ خاندان میں اسے اپنی مرضی سے شادی کرنے کی اجازت نہیں ہو سکتی، کیوں کہ خاندانی نظام پر اس کی بیوی کے عادات و اطوار کا کافی اثر پڑنے کا امکان ہوتا ہے اس لیے اس کی بیوی کا انتخاب خاندان کے بزرگ اور قریبی رشتہ داروں کے ذمہ ہوتا ہے اور وہ ایسی عورت کو منتخب کرتے ہیں جسے سمجھتے ہیں کہ خاندان کے لیے مفید ثابت ہوگی، اگر کوئی جانشین خاص سلوک اور تربیت کے بعد بھی خاندانی روایات سے انحراف اور سرکشی کرے تو بزرگ خاندان انتہائی محبت کے باوجود اس کو حق جانشینی سے محروم کر دیتا ہے اور دوسرا جانشین منتخب کرتا ہے۔

چونکہ خاندانی نظام میں جانشین کو اتنی اہمیت حاصل ہے اس لئے جاپانی قانون اس کی بھی اجازت دیتا ہے کہ اگر خاندان میں معقول جانشین نہ ملے تو باہر سے کوئی لڑکا متبنیٰ کر لیا جائے، متبنیٰ ہونے کے بعد اس لڑکے کو خاندان میں بیٹے کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اس کی رگوں میں اس خاندان کا خون ہو یا نہ ہو، یہ لڑکا خاندان کا ایک نیا فرد بن جاتا ہے تاکہ وہ اس خاندان کے نام اور سلسلہ کو قائم رکھ سکے، خاندان کی نسل جاری رکھنے کا مقصد اس سے پورا نہیں ہو سکتا لیکن جاپان میں نسل کے قائم رکھنے پر خاندان کی اجتماعی زندگی برقرار رکھنے کو ترجیح دی جاتی ہے یعنی چاہے نسل برقرار نہ رہے لیکن اجتماعی زندگی اور مشترکہ خاندان منتشر نہ ہونے پائے، اس بنا پر وہ خاندان جن میں معقول جانشین موجود نہیں ہوتے دوسرے لڑکوں کو متبنیٰ کر لیتے ہیں تاکہ خاندانی روایات اور سلسلہ ختم نہ ہو اس تشریح کے بعد غالباً آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا

کہ جاپان میں لڑکے کا متبنیٰ کرنا بقائے نسل کے جذبہ پر منحصر نہیں ہے، بلکہ اجتماعی زندگی کے استحکام اور تحفظ پر منحصر ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر خاندانی روایات اور سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کیوں برقرار رکھا جائے؟ اور ان چیزوں کے تسلسل سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ بات یہ ہے کہ اجتماعی زندگی یا خاندان کا تمام افراد احترام کرتے ہیں، کیوں کہ اس میں انھیں ایک بڑی خوبی نظر آتی ہے، اور وہ یہ کہ سب کے سب شفقت و محبت کے زیر اثر متحد ہو کر رہتے ہیں اور مادی و روحانی ہر حیثیت سے ایک مشترکہ زندگی بسر کرتے ہیں، یعنی خاندان کا ہر فرد ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں برابر کا شریک ہوتا ہے گویا یہ خاندانی نظام زندگی کو ایک استقلال بخشتا ہے، بخلاف اس کے اگر ہر فرد کو دوسرے سے اختلافات ہوں اور وہ اپنے مفاد پر دوسروں کو قربان کرنے کو تیار ہو تو زندگی کا لطف جاتا رہتا ہے، خاندانی روایات کا احترام ختم ہو جاتا ہے اور خاندانی تسلسل برباد ہو جاتا ہے

گویا جاپان کا خاندان ایک قسم کی انجمن امداد باہمی ہے جس کا ہر رکن اس کی فلاح و بہبود کی کوشش کرتا ہے، اس لیے ہم کو بھی یہ عہد کرنا چاہیئے کہ ہندوستان میں مشترکہ خاندان کو صدمہ نہ پہنچنے پائے بلکہ اس میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں انہیں رفع کر دیا جائے، اگر جاپان اس امداد باہمی کے نظام سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو ہم جو اس کے جنم داتا ہیں آخر اس سے کیوں نہ استفادہ کریں۔

دسواں باب

صنعتی ترقی کے راز

صدیوں پہلے ہندوستان نے روئی کو جنم دیا، لیکن پھر بھی وہ کپڑے کے لیے لنکاشائر اور جاپان کا محتاج ہی، اسی سے اندازہ کیجیے کہ جاپان نے کتنی ترقی کر لی ہی۔

(۱)

ابھی مشکل سے پچھتر برس گذرے ہوں گے کہ جاپان نوابی کی گرفت سے آزاد ہوا اور اس نے جدید اقتصادی نظام ترتیب دینا شروع کیا، دنیا حیران ہی کہ کس طرح اتنے تھوڑے عرصہ میں جاپان خالص زراعتی ملک سے جہاں معمولی گھریلو صنعتیں رائج تھیں ایک عظیم الشان صنعتی ملک بن گیا، متعدد اندرونی خانہ جنگیوں کے بعد ۱۸۶۸ء میں جاپان میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، حکومت نے یہ محسوس کیا کہ اقتصادی بحالی محض صنعتوں کی ترقی پر منحصر ہی اس لیے صنعتوں کی ہمت افزائی کی طرف اُس نے انتہائی توجہ کی۔

پہلا کام تو حکومت نے یہ کیا کہ سرکاری کارخانے قائم کیے اور انھیں بیرونی مشنری کے جدید ترین ساز و سامان سے آراستہ کیا بہت سے انجنیر باہر سے بلا کر ملازم رکھے، اس طرح سوت کاتنے اور اٹیرنے، اون نکالنے، لوہے کا سامان تیار کرنے، سیمنٹ، کاغذ، اور شیشہ بنانے اور دوائیں تیار کرنے کی صنعتوں کو رواج دیا، دس بیس سال کے بعد معدودے چند کے علاوہ باقی تمام صنعتیں کامیاب اور نفع بخش ثابت ہوئیں اور انھیں پبلک کے سپرد کر دیا گیا۔

جاپان کے تعمیری دور میں رفتہ رفتہ یہ صنعتیں اُن کی صنعت و حرفت کی روح رواں ثابت

ہونے لگیں اور ۱۸۸۵ء کے بعد جب رسل و رسائل اور نقل و حمل کی سہولتیں مہیّا ہوئیں، مالی اداروں کی تکمیل ہوئی اور کاغذی سکّہ کی اصلاح ہوئی، جس سے سرمایہ میں اضافہ اور شرح سود میں کمی ہوگئی، تو ان صنعتوں کو مستحکم مالی بنیادوں پر قائم کیا گیا، اس سے بعض گھریلو صنعتوں کو بھی ترقی کرنے کا موقع ملا، ۱۸۹۴ء میں جنگ چین و جاپان سے قبل بعض صنعتیں مثلاً (دیا سلائی، کاغذ اور موزہ بنیان وغیرہ بنانا) اتنی کافی ترقی کر چکی تھیں کہ نہ صرف بیرونی مال کو انھوں نے ملک سے خارج کر دیا تھا بلکہ دوسرے ممالک کے بازاروں میں بھی اپنے لیے گنجائش نکال لی تھی، اور ہر جگہ قدم جمانا شروع کر دیئے تھے، چنانچہ ۱۸۸۸ء میں جو مال باہر جاتا تھا اس میں صرف ۱۱ فی صدی تیار شدہ سامان ہوتا تھا لیکن ۱۸۹۳ء تک اس کی مقدار ۴۲ ½ فی صدی ہوگئی دوسری جانب اسی عرصے میں تیار شدہ سامان کی درآمد ۵۴ ½ فی صدی سے گھٹ کر ۳۴ ¾ فی صدی رہ گئی۔

لیکن جنگ چین و جاپان کے بعد ہی مختلف فنون کی تعلیم اور مشنری کی ترویج کے ذریعے جدید طرز کی صنعتوں کی بنیاد ڈالی گئی، جاپان کی اس صنعتی ترقی کے خاص اسباب یہ تھے کہ (۱) کاغذی سکّے کی اصلاح ہو جانے سے وافر سرمایہ دستیاب ہونے لگا، شرح تبادلہ میں یکسانیت پیدا ہوگئی اور مالی اداروں کی ترقی اور تکمیل ہوئی، (۲) خام پیداوار کی قیمت بڑھ گئی جس سے شرح سود میں کمی ہوگئی اور چاندی کی قیمت گرنے لگی (۱۸۹۷ء تک جاپان تقریباً نقرئی معیار پر قائم تھا) (۳) ملکی اور غیر ملکی بازاروں میں جاپانی مال کی مانگ بڑھ گئی اور (۴) ذرائع رسل و رسائل اور نقل و حمل میں اضافہ ہوگیا

۱۸۹۲ء میں ایسے کارخانوں کی تعداد جن میں ۲۰ مزدور سے زیادہ کام کرتے تھے ۲،۶۷ تھی لیکن ۱۸۹۴ء میں ۵،۹۸۵ اور ۱۸۹۵ء میں ۷،۱۵۴ ہوگئی، اگرچہ یہ تعداد انیسویں صدی کے اختتام پر کچھ کم ہوگئی تھی لیکن ۱۹۰۲ء میں پھر بڑھ کر ۷،۲۴ ہوگئی اسی طرح ۱۸۹۳ء اور ۱۹۰۲ء کے درمیان تیار شدہ سامان کی برآمد ۴۲ ½ فی صدی سے بڑھ کر ۴۹ فی صدی ہوگئی

اور درآمد ۳۳ر۱ فی صدی سے گھٹ کر ۲۷ر۳ فی صدی رہ گئی۔

لیکن ۱۹۰۴ء کی جنگ روس و جاپان کے بعد تو جاپان نے صنعتوں میں بڑی سرعت سے ترقی کرنا شروع کی، سارے ملک میں کافی سرمایہ اور مشینوں کے پورے ساز و سامان سے بڑے بڑے کارخانے قائم ہو گئے ان کارخانوں کا مال بلحاظ خوبی بہتر ہوتا گیا، اور بلحاظ مقدار بڑھتا گیا، پرانی صنعتوں نے جو کسی نہ کسی وجہ سے زمانہ کا ساتھ نہ دے سکتی تھیں نئی صنعتوں کے لئے جگہ خالی کر دی، چنانچہ اس دس سال کے عرصے میں جاپان کی صنعت و حرفت میں قطعی انقلاب ہو گیا، علاوہ ازیں ۱۹۱۱ء میں شرح محصول میں تبدیلی کی گئی جس سے جاپان کو مروجہ محصولوں سے نجات مل گئی، جدید محصولوں سے صنعت کے مختلف شعبوں کا تحفظ ہو گیا چنانچہ ترقی کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی، کارخانوں مزدوروں، اور صنعتی کمپنیوں کی تعداد اور سرمایہ، تجارت اور کسٹم کے اعداد و شمار سے غیر معمولی صنعتی ترقی ظاہر ہونے لگی تا نشوو دور کے اوائل (۱۹۱۲ء) میں اس میں کچھ تنزل واقع ہوا تھا لیکن ۱۹۱۴ء میں جنگ یورپ چھڑ جانے سے اتنی ترقی ہوئی کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے، اس کے خاص اسباب یہ تھے کہ درآمد کے کم ہو جانے یا قریب قریب بالکل رک جانے سے دیسی مال کی مانگ بے انتہا بڑھ گئی، خام پیداوار کی قیمتیں چڑھ گئیں، غیر ممالک میں مال کی نکاسی کے لیے نئے نئے بازار حاصل ہوئے اور سلحہ جات کی فرمائشوں پر فرمائشیں آنے لگیں۔

غرض کہ نئے نئے کارخانے آئے دن کھلنے لگے اور پرانی مشنری میں توسیع کی گئی، صنعت و حرفت کے فن میں بھی ترقی ہوئی، جو صنعتیں بیرونی مقابلہ کی وجہ سے نفع بخش نہ تھیں انھوں نے موقع کو غنیمت سمجھا اور بس سے پورا فائدہ اٹھایا، سچ پوچھئے تو یہ زمانہ جاپان کی صنعت و حرفت اور اقتصادیات کے لیے ایک زرین دور تھا، ذیل کے چند اعداد و شمار سے اس زمانہ کے قابل رشک حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

۱۹۱۸ء میں دس سے زیادہ کاریگروں کے کارخانوں کی تعداد ۲۲،۳۹۱ ہو گئی، برآمد میں ۴۳½ فی صدی تیار شدہ مال باہر جانے لگا اور اس کی درآمد صرف ۱۰ر۱ فی صدی رہ گئی۔

جنگ عظیم کے اثرات

جاپان کی صنعتوں کی کامیابی کا راز صرف یہی نہیں تھا کہ انہیں دیانت دار، ہوشیار اور آسودہ کاریگر میسر تھے یا انتظام بہت سادہ اور کاروبار نہایت مکمّل تھا بلکہ اور بہت سی چیزیں بھی کام کر رہی تھیں، اس سلسلہ میں ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم جاپان کے لیے ایک نعمت ثابت ہوئی، بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ اُن کے لیے یہ داتا کی دین تھی، بعض نامعلوم وجوہ کی بنا پر جاپان کی تیز رفتاری کی ابتدا جنگ عظیم ہی سے ہوئی، لیکن اسے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے جاپان اور جرمنی کے تعلقات کو ذہن نشین کر لیا جائے۔

۱۹۱۴ء تک جاپان بڑی حد تک جرمنی کا محتاج تھا، وہ نہ صرف اپنے نوجوانوں کی صنعتی تعلیم و تربیت کے لیے جرمنی کا مرہون منت تھا بلکہ بے شمار کیمیاوی چیزوں اور صنعتی سامان کے لئے بھی اس کا دست نگر تھا، کبھی یہ چیزیں خود تیار کرنے کا اسے خیال ہی نہ آیا تھا، چارلوٹن برگ یا کسی دوسرے جرمن اسکول میں تعلیم پانے کے بعد جاپانی نوجوان اکثر وہیں کسی بڑے کارخانے میں رہ جاتے تھے، جنگ سے بہ یک وقت دو فائدے حاصل ہوئے، ایک تو یہ کہ تمام جرمن مال آنا یکایک بند ہو گیا دوسرے تمام تربیت یافتہ نوجوان جاپان کو واپس مل گئے، اس کے اثر سے دو نتیجے برآمد ہوئے یعنی جن چیزوں کے لیے وہ جرمنی کا محتاج تھا انھیں مہیّا کرنے کے لیے اسے خود کارخانے قائم کرنا پڑے دوسرے اُن کا انتظام کرنے کے سلسلے میں ماہرین کو صرف اپنے ہی وسائل پر اعتماد و اکتفا کرنا پڑا۔

اس طرح گویا جنگ عظیم نے جاپان کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا، اور وہ طرح طرح کا سامان خود تیار کرنے لگا، علاوہ ازیں پارچہ بافی کے کارخانوں میں جو پہلے سے قائم تھے ایک نئی روح پیدا ہو گئی، کیوں کہ انھیں نوجوان اور تربیت یافتہ ماہرین کی خدمات حاصل ہو گئیں، لیکن جاپان کے سامنے محض اپنی خانگی ضروریات پورا کرنے کا سوال نہ تھا، بلکہ اتحادیوں نے جو اسلحہ جات اور سامان حرب تیار کرنے میں اتنے مصروف تھے کہ انھیں دوسری چیزیں بنانے کا موقع ہی نہ ملتا

تھا، طرح طرح کی فرمائشیں جاپان کے پاس بھیجنا شروع کردیں، گویا وہ نہ صرف اسلحہ جات اور رسد بلکہ مختلف قسم کے سامان کا بھی اتحادیوں کا ٹھیکہ دار بن گیا، اپنی مخصوص ہوشیاری مستعدی، اور سلیقہ کی وجہ سے اُس نے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ تمام فرمائشوں کو پورا کیا اور اس چار سالہ جنگ کے زمانہ میں دولت کے ڈھیر لگا لیئے۔

جنگ عظیم شروع ہونے کے وقت جاپان قریب قریب دیوالیہ ہو رہا تھا، لیکن نئی صنعتی اشیاء کی فروخت سے اُسے اتنی کثیر آمدنی ہوئی کہ قومی دولت میں ۲۸ - ارب ین کا اضافہ ہوگیا، اور نئے سامان کی تیاری کے سلسلہ میں زیر کار سرمایہ ایک کروڑ ین سے بڑھ کر ۳۵ کروڑ ۶۰ لاکھ ین ہوگیا، اس نے اپنی پرانی صنعتوں کو بھی بڑی تیزی سے فروغ دینا شروع کیا، سنہ ۱۹۱۳ء میں ۲۴,۰۰۰ ٹن لوہا اور ۲۵,۰۰۰ ٹن فولاد باہر جاتی تھی، لیکن سنہ ۱۹۱۸ء تک یہ مقدار علی الترتیب ۶۹,۰۰۰ اور ۵۳,۰۰۰ ٹن ہوگئی، یہی نہیں بلکہ برآمد کے سابقہ سامان کی قیمتیں بھی بڑھ گئیں، مثلاً کچے ریشم کی جو گانٹھ ۸۰۰ ین میں جاتی تھی اب ۱۴۰۰ ین میں فروخت ہونے لگی، اسی طرح سوت کی گانٹھ ۱۰۰ ین کے بجائے ۴۰۰ ین میں جانے لگی۔

لیکن خوشحالی اور فراوانی کی یہ ایک لہر تھی جو کچھ عرصہ بعد عام لہروں کی طرح اتر گئی، صلح کی خبر شائع ہوتے ہی لوہے کی قیمت ۵۵۰ ین فی ٹن سے گر کر ۳۵۰ ین فی ٹن ہوگئی، حتی کہ اوائل سنہ ۱۹۱۹ء تک ۱۲۰ ین فی ٹن رہ گئی، اسی طرح تانبا خاص طور پر جاپان سے باہر جاتا تھا اُس کی قیمت بھی ۱۷۰ ین فی ٹن سے صرف ۳۵ ین فی ٹن رہ گئی، اور جہاز کا کرایہ ۴۰ ین فی ٹن سے گھٹ کر ۹ ین فی ٹن رہ گیا جس میں جہاز کے اخراجات بھی پورے نہ ہوتے تھے۔

لیکن حقیقی کساد بازاری تو سنہ ۱۹۲۰ء میں شروع ہوئی، سال مذکور کی ابتدا میں جاپان کے بیرونی قرضہ جات صرف ۱۶ لاکھ ین تھے (حالانکہ سنہ ۱۹۱۴ء میں ایک ارب ۹۰ کروڑ تھے) اور سونے اور بیرونی سرمایہ کی شکل میں وہ چار ارب ین کا مالک تھا، (حالانکہ چار برس قبل اس کے پاس صرف ۱۸ کروڑ ین تھے) لیکن مارچ میں کساد بازاری شروع ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اواخر سنہ ۲۲ء

تک اس کے پاس صرف ۷،۵ کروڑ ین کا سونا باقی رہ گیا، یعنی سنہ ۱۹۱۴ء سے بھی ۴۰ کروڑ ین کم۔

ان سب پر سنہ ۱۹۲۳ء کا زلزلہ اور آتش زدگی مستزاد ہوئی یعنی پورا یکوہاما شہر اور تین چوتھائی ٹوکیو تباہ و برباد ہوگیا جس میں اتلاف جان کے علاوہ دس ارب ین کا مالی نقصان ہوگیا، ان نقصانات کی تلافی کے لیے جاپان کو ۲½ کروڑ پونڈ انگلستان سے اور ۱۵ کروڑ ڈالر امریکہ سے قرض لینا پڑا جس پر اس سے ۶ فی صدی کا غیر معمولی سود وصول کیا گیا۔

اس وقت کابینۂ وزارت کو ہوش آیا اور اس نے اپنی اقتصادی غلطی کی اس طرح تلافی کی کہ صنعتوں میں سختی کے ساتھ تخفیف کرنا شروع کردی، تمام صنّاعوں نے حیرت انگیز طریقے پر اس کی تعمیل کی، چنانچہ سنہ ۱۹۳۱ء میں جب نئے کابینہ نے طلائی ادائیوں کو ملتوی کیا، تب کہیں صنعتی بحالی کی لہر دوبارہ اٹھی جو اب تک اسی طرح جاری ہے۔

جاپان میں پارچہ بافی کی صنعت ازمنہ قدیم سے رائج ہے، وہاں کی پرانی کتابوں میں ریشم اور سوت کا تذکرہ ملتا ہے لیکن پرانے زمانہ کی روئی جسے کتابوں میں "یو" کے نام سے لکھا گیا ہے اصلی روئی نہ ہوتی تھی بلکہ شہتوت یا سن سے تیار کی جاتی تھی، پہلے پہل سولھویں صدی میں جاپان میں کپاس سے کپڑا تیار ہوا۔

روئی کا گھر ہندوستان ہے

اس سلسلہ میں ہندوستان کے متعلق ڈاکٹر جیمس اے بی شیرر (مصنف "روئی بطور دنیاوی قوت") کی رائے پیش کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا، اس سے ہمارے ہم وطنوں کو یہ اندازہ ہوسکیگا کہ غیر ملکی تسلط کے بعد ہندوستانی صنعتوں کو کتنا اندوہناک زوال ہوا ہے۔

ہندوستان روئی کا اصلی گھر ہے، البتہ امریکہ کے قدیم باشندوں کو اس کا علم تھا لیکن وہ ساری دنیا سے بالکل الگ تھلگ تھے اس لیے روئی کی تجارت سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا، یورپ کو روئی کا کپڑا سب سے پہلے اس وقت دیکھنے کو ملا جب سکندر اعظم کے سپاہی چوتھی صدی قبل مسیح میں اسے ہندوستان سے ایک نادر چیز سمجھ کر ساتھ لیتے گیے اس وقت سارا ہندوستان

روئی کے لباس میں ملبوس تھا اور پرانے زمانے کے بعض بعض کپڑے تو اتنے خوبصورت اور ایسے باریک ہوتے تھے کہ انھیں دیکھ کر "نسیم سحری سے بُنی ہوئی پوشاک" کا شاعرانہ تخیل پیدا ہوا،

صدیوں تک انگلستان اس نئی چیز سے متاثر نہ ہوا کیوں کہ وہ عموماً اُون استعمال کرتا تھا لیکن جب سوتی کپڑے آنا شروع ہوئے تو اُون کے ساتھ سخت کشمکش رونما ہوئی، اُون کو انگریزوں کی اقتصادی زندگی میں اتنی اہمیت حاصل تھی کہ اُسے "انگلستان کی قوت و دولت" سے تعبیر کرتے تھے، اور "گل انگلستان یا روح انگلستان" سے تشبیہ دیتے تھے، بہرحال اس نئے ہندوستانی کپڑے کی مخالفت اتنی بڑھ گئی کہ لنکاشائر کے اُون کے تاجروں نے جو سیاسیات میں نہایت بااثر تھے انتہائی محصول لگانے کے قانون پاس کرالیئے، اس سلسلہ میں انگلستان کا شاید سب سے نرالا قانون ۱۶۶۶ء میں منظور ہوا، جس کی رو سے اس شخص کی اولاد پر جرمانے کیے جاتے تھے جو اُونی کفن میں دفن نہ کیا گیا ہو، لیکن جب لنکاشائر والوں کو یہ محسوس ہو گیا کہ اُن کے ہم وطن خصوصاً عورتیں سوتی کپڑا استعمال کرنے سے باز نہ آئیں گی تو انھوں نے مجبوراً اس طرف توجہ کی اور سوچا کہ اس سے استفادہ کیوں نہ کیا جائے، انگریز موجدین نے اُون کے بجائے روئی کاتنے اور بُننے کی حیرت انگیز مشینیں ایجاد کردیں اور یوں برطانوی صنعت پارچہ بافی میں ایک انقلاب کی داغ بیل پڑ گئی،

ابتدا میں صرف ہندوستان سے خام روئی جاتی تھی جس کی بدولت انگلستان ساری دنیا کا کارخانہ دار بنا ہوا تھا لیکن پھر ایک امریکن موجد نے روئی صاف کرنے کا ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جس سے امریکہ کی روئی بھی تجارتی طور پر کام آنے لگی، بالآخر اُس نے ہندوستان کو روئی کی تجارت میں شکست دے دی، کیوں کہ ہندوستانی روئی کا سوت اس کے مقابلہ میں ذرا کھردرا ہوتا تھا، جاپان نے دونوں کو ملانے میں کمال پیدا کیا یعنی وہ ہندوستان کی سستی روئی کو امریکہ کی اعلیٰ روئی کے ساتھ اس طرح ملاتا ہے کہ مال بھی خراب نہ ہونے پائے اور کفایت بھی ہو جائے، دو تین سال قبل تک جاپان دونوں ممالک سے برابر روئی خریدتا تھا لیکن اب کچھ

عرصے سے وہ امریکہ کی طرف زیادہ جھک رہا ہے یعنی اپنی ضرورت کی تین چوتھائی روئی وہیں سے خریدتا ہے۔"

جاپان میں روئی کی آمد

بہر حال جاپان میں کپاس پیدا نہ ہوتی تھی، پہلے پہل ۷۹۹ء میں کپاس کا بیج جاپان میں آیا لیکن عرصہ تک سوت سے کپڑا تیار نہیں کیا گیا، ۱۵۰۰ء میں وہاں سب سے پہلے سوتی کپڑا تیار ہوا کاگوشیما خاندان کے ایک کاریگر نے ایک ایسا کرگھا ایجاد کیا جس میں سوتی کپڑا بنا جا سکتا تھا، اس کے بعد سوتی کپڑا عام ہو گیا حتیٰ کہ جاپانیوں کا یہی لباس قرار پایا، سولھویں صدی کے بعد عام طور پر عورتیں اپنے گھروں میں سوت کاتتی اور بنتی تھیں، اور سارے ملک میں کپڑا تیار ہوتا تھا، شروع شروع میں روئی کی کاشت بھی وسیع پیمانے پر ہونے لگی لیکن وہ اُن کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہو سکی، اس لیے باہر سے روئی منگائی گئی حتیٰ کہ آج جاپانی کارخانوں میں جتنی روئی استعمال ہوتی ہے سب باہر سے آتی ہے

جاپان میں اُونی کپڑے کی صنعت حال ہی میں شروع ہوئی ہے، اُون اب سے صرف ۶۰ سال پہلے یعنی اُس وقت جاپان میں رائج ہوا جب دنیا کے دوسرے ممالک سے اس کی آمد و رفت شروع ہوئی لیکن اب بھی ۹۹ فی صدی اُون باہر ہی سے آتا ہے،

پرانے زمانے میں گھر کی عورتیں ہی ریشم اور سوت کاتتی اور بُنتی تھیں، اور جو کپڑا تیار ہوتا تھا وہ صرف گھر کے لوگوں ہی کے لیے کافی ہوتا تھا، رفتہ رفتہ خانگی ضرورت سے کچھ زیادہ کپڑا تیار ہونے لگا اس طرح جو بچا وہ فروخت کیا جانے لگا، اس کے بعد جب صنعت میں اصلاحیں ہوئیں اور مانگ بھی بڑھنے لگی تو سارے جاپان میں بعض لوگوں نے خصوصیت سے پارچہ بافی شروع کر دی، ہر جگہ کے کپڑے تیار کرنے والوں میں رنگائی اور بنائی وغیرہ کے لحاظ سے چند ممتاز خصوصیتیں ہوتی تھیں جنھیں وہ نسلاً بعد نسلاً برقرار رکھتے تھے، مقامی آب و ہوا، عادات و اطوار، آبادی، مزدوروں کی دستیابی، سامان کی فراہمی، رسل و رسائل کی سہولت، سرمایہ

کے انتظام وغیرہ کے لحاظ سے بعض اضلاع میں پارچہ بافی کے مرکز قائم ہوگیے، ہر مرکز چند خصوصیات کے ساتھ کپڑا تیار کرنے لگا اور اپنی ان خصوصیات میں نمایاں ترقی اور طرح طرح کی خوشگافیاں کرکے دکھانے لگا، اگر ہم انتظامی نقطہ نظر سے اس صنعت کی ترقی اور تبدیلیوں پر غور کریں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ خانگی نظام کی جگہ کارخانوں نے لی جو جدید ترین ساز وسامان سے آراستہ تھے، چھوٹے پیمانے کے انفرادی کاروبار کے بجائے اعلیٰ پیمانہ کا اجتماعی کاروبار رائج ہوگیا، اس کے علاوہ کپڑے کی اقسام میں بھی حیرت انگیز تبدیلیاں ہوئیں، صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ سادے قسم کے موٹے کپڑے کے بجائے اچھے سے اچھے نمونوں کے باریک اور نفیس کپڑے تیار ہونے لگے جاپانی پارچہ بافی میں صنعتی اور انتظامی حیثیت سے بہت نمایاں ترقی ہوئی ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ صنعت بڑی سرعت کے ساتھ بڑھتی چلی جارہی ہے،

جاپانی مال سستا کیوں ہے

ہر جگہ جاپانی مال بہت سستا فروخت ہوتا ہے لوگ اُسے دیکھ دیکھ کر حیرت کرتے ہیں اور یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر جاپان اتنا سستا مال کیسے تیار کرسکتا ہے اس کے وجوہ حسب ذیل ہیں :—

(۱) مزدوری سستی ہے

(۲) معقول انتظام کی وجہ سے اخراجات کم پڑتے ہیں

(۳) ڈبل شفٹ میں کام ہوتا ہے، (یعنی دن رات کارخانے چلتے ہیں اور رات کے کام کرنے والے علیحدہ اور دن کے کام کرنے والے علیحدہ ہوتے ہیں)

(۴) مقابلہ شدید ہے

سستی مزدوری

سب سے پہلے مزدوری کا مسئلہ ہے، جاپان میں ہمیشہ سے یہ روایات چلی آتی ہیں کہ کاتنا اور بننا خاص طور پر عورتوں کا کام ہے، اس لیے مرد عموماً اُسے پسند نہیں کرتے ہے، چنانچہ بجز ان کاموں کے جن میں خاص کاریگری کی ضرورت ہو مرد کپڑا نہیں بنتے، اور تمام کارخانوں میں قریب قریب عورتیں ہی ملازم ہیں ظاہر ہے

کہ عورتیں مرد مزدوروں سے سستی پڑتی ہیں، علاوہ ازیں یہ عورتیں عموماً کسانوں کی لڑکیاں ہوتی ہیں اور تکمیل تعلیم کے بعد اپنی شادی سے قبل تھوڑے عرصے کے لیے کارخانوں میں ملازمت کرتی ہیں، پھر جب اُن کی شادی کا زمانہ آتا ہی تو ملازمت ترک کر دیتی ہیں، چونکہ وہ بہت تھوڑے عرصے کے لیے کارخانوں میں کام کرتی ہیں اس لیے لازمی طور پر اُن کی اجرت بھی کم ہوتی ہی، بہت سی عورتیں شادی کے بعد بھی بننے کا شغل جاری رکھتی ہیں اور کارخانوں میں انھیں جو تجربہ حاصل ہو جاتا ہی اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے خالی اوقات میں گھر ہی پر کاتتی اور بنتی ہیں، اور اس طرح کچھ نہ کچھ پیدا کر لیتی ہیں،

کسی چیز کی قیمت کے معاملے میں مزدوری کو بڑا دخل ہی، اور چونکہ مزدوری یہاں سستی پڑتی ہی اس لیے کپڑا خواہ مخواہ سستا تیار ہوتا ہی،

معقول انتظام جاپانی مال کے سستے ہونے کی دوسری وجہ یہ ہی کہ صنعت پارچہ بافی کا انتظام نہایت معقول ہی، منتظمین اس کی انتہائی کوشش کرتے ہیں کہ اخراجات کسی نہ کسی طرح کم ہو جائیں، اخراجات کے کم کرنے کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً سوت کے بڑے بڑے کارخانوں کا جن کے ماتحت اور بہت سے ضمنی کارخانے ہوتے ہیں، اخراجات کم کرنے کا ایک طریقہ ذیل میں درج کیا جاتا ہی،

جاپان میں سوتی کپڑا یا تو چھوٹے کارخانوں میں تیار ہوتا ہی جہاں صرف بنائی کا کام ہوتا ہی یا سوت کے بڑے کارخانوں کی ضمنی شاخوں میں، اول الذکر تو ملکی ضروریات کے لیے مال تیار کرتے ہیں اور آخر الذکر باہر بھیجنے کے لیے، اگر کوئی بڑا کارخانہ وسیع پیمانہ پر محض سوت تیار کرتا رہے تو ممکن ہی وہ ضرورت اور مانگ سے زیادہ تیار کر لے جس سے بازار کی قیمتیں گر جائیں اور منافع کم ہو جائے اس لیے قیمتوں کو برقرار رکھنے کے لیے بازار میں محدود مقدار میں مال بھیجا جاتا ہی اور جو بچ رہتا ہی اسے کارآمد بنانے اور نفع حاصل کرنے کے لیے سوت کے تمام بڑے کارخانوں نے کپڑا بننے کے ضمنی کارخانے بھی کھول لیے ہیں، چونکہ ان کارخانوں کا اصل

منافع سوت پر منحصر ہوتا ہی اس لیے وہ کپڑے پر زیادہ نفع کمانے کی فکر نہیں کرتے، اگر کپڑے پر انھیں تھوڑا سا نفع بھی ہو جائے تو اُن کے لیے کافی ہوتا ہی، علاوہ ازیں سوت کا جو کارخانہ کپڑا بننے کا بھی کام کرتا ہی، وہ اپنی ضروریات اور مرضی کے مطابق سوت تیار کر سکتا ہی گانٹھیں وغیرہ باندھنے میں جو روپیہ اور وقت صرف ہوتا ہی وہ بچ جاتا ہی اور بجلی اور انتظام و نگرانی کے اخراجات کم ہو جاتے ہیں، اس طرح اس کارخانے کو اپنے پارچہ بافی کے شعبے کے لیے سستا اور اچھا مال مل جاتا ہی چنانچہ وہ اچھا کپڑا کم قیمت پر فروخت کر سکتا ہی، جاپان میں عموماً روئی منگانے والے تبادلہ میں کپڑا باہر بھیجتے ہیں اس لیے کمیشن بھی بچ جاتا ہی اور منافع میں کمی بھی نہیں ہونے پاتی، کپڑا تیار کرنے والوں اور برآمد کرنے والوں کا آپس کا معاملہ بھی بہت پیچیدہ نہیں ہی، انھیں وجوہ کی بنا پر وہ سوتی کپڑا بہت سستا فروخت کر سکتے ہیں

ڈبل شفٹ جاپانی مال کے سستے ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہی کہ وہاں پارچہ بافی کے کارخانوں میں شبانہ روز کام ہوتا ہی، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شبانہ روز کام کرنے سے کارخانوں کو روپیہ دینے والوں کے دباؤ سے ایک حد تک نجات مل جاتی ہی اور قرض کا بار ہلکا ہو جاتا ہی، علاوہ ازیں صنعت پارچہ بافی کو اس سے کافی ترقی بھی ہوئی ہی لیکن بعض کارخانوں میں صرف دن میں کام ہوتا ہی اور اس سے بھی بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں، کیوں کہ رات کا کام بند کر دینے سے دوا علاج کے اخراجات کم ہو جاتے ہیں، کاریگروں کی صحت اچھی رہتی ہی اور وہ زیادہ بہتر کام کر سکتے ہیں، جاپان کے پانچ بڑے بڑے کارخانوں نے اوقات کارکردگی میں تخفیف کرنے کے سلسلے میں ایک قسم کا شریفانہ معاہدہ کیا ہی، امید ہی کہ آئندہ اس سے بہت اچھے نتائج برآمد ہونگے، لیکن جن کارخانوں میں اب تک شبانہ روز کام جاری ہی وہ اس وجہ سے اُس کے پابند ہیں کہ اگر اس کے بجائے دن اور رات کے تمام مزدوروں سے صرف دن میں کام لیا جائے تو مشنری بہت زیادہ بڑھانا پڑے گی جس سے کاروبار پر خراب اثر پڑے گا، اور منافع کم ہو جائے گا، یا اگر مشنری

بڑھائے بغیر رات کا کام بند کر دیا جائے تو مال کی تیاری میں کمی آجائے گی اور بیرونی بازار ہاتھ سے نکل جائیں گے، سماجی اور اقتصادی دونوں نقطہ نظر سے جاپان کے پارچہ بافی کے تمام کارخانے صرف دن میں کام کرنے کے حامی ہیں اور وہ اس کے لیے زبردست تیاریاں کر رہے ہیں کہ رات کا کام بالکل بند کر دیا جائے

شدید مقابلہ جاپان میں اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ روئی اس قیمت سے بھی کم میں مل جاتی ہے جس پر روئی پیدا کرنے والے ممالک مہیا کرتے ہیں، اس قسم کی کم قیمت روئی کی کل میزان ۱۰ لاکھ ین سے بھی کم ہوگی، جاپان میں روئی کی بے انتہا کھپت کو دیکھتے ہوئے یہ مقدار کچھ بھی نہیں ہے لیکن اصول اور جواز کے لحاظ سے یہ چیز بہت اہم اور قابل لحاظ ہے، عرصہ سے لوگ اس قسم کے کاروبار کے انسداد کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ مقدار ہر سال کم ہوتی جا رہی ہے، اس نارو اکاروبار کی اصل وجہ یہ ہے کہ روئی کے تاجروں میں شدید مقابلہ رہتا ہے اور بعض با اثر کارخانے دباؤ بھی ڈالتے ہیں، لیکن بہر حال اب چھوٹے چھوٹے روئی کے تاجر مقابلہ کی وجہ سے یکے بعد دیگرے ختم ہوتے جا رہے ہیں اور صرف بڑے بڑے تاجر جو معاملہ کے صاف بھی ہیں باقی رہ گئے ہیں، امید ہے کہ مستقبل قریب میں اس قسم کا ناجائز مقابلہ جاری نہ رہے گا، جاپان کی جدید صنعت پارچہ بافی کے ابتدائی دور میں بڑے کارخانوں اور چھوٹی ملوں کے مال میں ایک فرق اور امتیاز ہوتا تھا، بڑے کارخانے تو برآمد کے لیے مال تیار کرتے تھے اور چھوٹے کارخانے ملکی ضروریات کے لیے، لیکن اس عرصہ میں صنعت میں جو ترقی ہوئی اور جنگ کے دوران میں اور اس کے بعد برآمد میں جو غیر معمولی اضافہ ہوا اس کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی ملیں بھی ملکی ضروریات کے علاوہ برآمد کے لیے مال تیار کرنے لگیں، لیکن جیسا ہم پہلے لکھ چکے ہیں، چھوٹی ملوں کا مال اتنا اچھا نہیں ہوتا جتنا بڑے کارخانوں کا اس لیے وہ مال کی خوبی میں تو اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتیں البتہ قیمتیں گھٹا کر اپنا کام چلاتی ہیں، چھوٹی ملوں نے قیمتیں کم کرنے کی نئی نئی صورتیں پیدا کر لی ہیں اور بظاہر وہ اس میں بہت زیادہ

کامیاب بھی ہیں، مثلاً ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ سوت کو اٹیر کر گچھیاں نہیں بناتیں جس سے بے کار وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور بُنتے وقت کھولنے میں زحمت بھی ہوتی ہے جنگ عظیم کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی ۸۰ فی صدی سوت کی چکتیاں بنا لی جاتی تھیں اس ایک مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھوٹے کارخانہ دار کس طرح اپنے اخراجات کم کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں، مال کی تیاری اور فروخت کے اخراجات کم کرنے کی انھوں نے ایک دوسری تدبیر یہ کی کہ کاروبار کی پیچیدگیوں کو بہت کم کر دیا، پہلے چھوٹی ملوں کا مال اتنی سہولت سے فروخت نہ ہو سکتا تھا جتنا بڑے کارخانوں کا مال، لیکن اب چھوٹی ملیں بھی اپنا مال بڑے بڑے دلالوں کی امداد سے بیچنے لگی ہیں ان دلالوں نے اس امر پر زور دیا کہ چھوٹی ملوں کو اپنی مقامی انجمنیں قائم کرنا چاہیئے اور ایسا مال تیار کرنا چاہیئے جس کا مستقبل درخشاں ہو چاہے فی الحال اس میں نفع نہ ہو، اس کام کے لیے انھوں نے سرمایہ بھی مہیّا کیا اور اپنے ایک مقرّرہ کمیشن کا معاملہ کر لیا، اب یہ لوگ ان انجمنوں سے یکجائی طور پر مال لیتے ہیں اور باہر بھیج دیتے ہیں، اگر کوئی مل تنہا یہ اقدام کرتی تو ہرگز کامیاب نہ ہوتی، جاپان میں کپڑا باہر بھیجنے والے تاجر عموماً سوت کی تجارت کرتے ہیں، اس لیئے سود، کپڑے کا کمیشن اور سوت کا نفع تینوں ذرائع سے انھیں آمدنی ہوتی ہے،

یہ ہیں وہ چند صورتیں جن کی وجہ سے جاپانی مال سستا پڑتا ہے اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کس طرح وہ لوگ معقول اور جائز طریقوں سے قیمتیں کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس طرح اچھے قسم کے مال کی کثیر مقدار کم خرچ پر جاپان میں تیار ہوتی ہے اور کم قیمت پر دنیا کے بازاروں میں بھیجی جاتی ہے؛

جاپانی اشیا کے سستے ہونے کے مزید اسباب اگلے باب میں ملاحظہ کیجیے

گیارھواں باب

ہوشیار اور مطمئن مزدور

اطمینان اور سکونِ قلب کے لحاظ سے جاپانی مزدور کا معیارِ زندگی انگلستان کے مزدور سے کسی طرح کم نہیں ہے، اس کی زندگی بھی اُن کے برابر ہی خوشگوار ہے، جاپانی مزدوروں سے نہ تو شدید محنت لے کر کم اجرت دی جاتی ہے نہ اُن پر ظلم و تشدد کیا جاتا ہے

(اخبار سکیچ لندن)

میں روس تو نہیں گیا لیکن میں نے یورپ، امریکہ اور مشرقی ممالک کو دیکھا ہے، جاپان میں کسی چیز سے اگر میں خاص طور پر متاثر ہوا تو وہ وہاں کی مزدوروں کی خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، زندہ دلی دیانت داری، ہوشیاری اور اطمینان قلب ہے، غریبوں کی بستیاں لندن، نیویارک اور جاپان کے صنعتی شہروں میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ جاپان میں انگلستان اور امریکہ کے مقابلے میں بہت کم ہیں لندن اور نیویارک کی غریب بستیوں کی حالت بعض صورتوں میں جاپان سے بہت خراب ہے، استثنا تو ہر چیز میں ہوتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ جاپانی مزدور ساری دنیا کے مزدوروں سے زیادہ زندہ دل، دیانت دار اور آسودہ ہوتا ہے، یوں تو جب تک ہر مزدور کی اتنی آمدنی نہ ہو جائے کہ وہ آرام و آسائش اور حقیقی مسرت کی زندگی بسر کر سکے اصلاح کی تو ہمیشہ گنجائش باقی رہے گی،

اطمینان کا راز

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جاپان کے مزدور خصوصاً کپڑوں کی ملوں کے کام کرنے والے عام طور پر مطمئن نظر آتے ہیں اس کی

خاص وجہ یہ ہی کہ کارخانہ دار اُن کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کرتے ہیں،

جاپان میں مزدوروں کے علاقہ میں میں نے خود دیکھا ہی کہ اُن کے واسطے بڑے بڑے ڈائننگ ہال ہوتے ہیں جن میں میز کرسیاں لگی ہوتی ہیں اور کھانے کے خوان تیار ہوتے ہیں، تفریح کے لیے اچھے سے اچھے سینما اور تھیٹر، خوشنما چمن، رہنے کے لیے صاف ستھرے اور ہوادار گھر، تعلیم کیلئے اسکول جن میں ادب اور فنون لطیفہ، مثلاً مصوری، موسیقی، رقص اور تقریب چاء وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہی، علاج معالجہ کے لیے اعلیٰ درجہ کے اسپتال غرض کہ مزدوروں کے لیے دنیا کی ہر نعمت کا انتظام ہوتا ہی۔ کوبے کے کانے گفوچی مل میں مزدوروں کا اسپتال بلاشبہ ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی کے سول اسپتال سے بدرجہا بہتر تھا، میں اپنے ملک کے کارخانہ داروں سے درخواست کروں گا کہ وہ خود جاپان تشریف لے جائیں اور جاپان کی کامیابی کے راز کا مطالعہ کریں، ان لوگوں کے جھوٹے اور خود غرضانہ پروپگنڈے کے دھوکہ میں نہ آئیں جنھیں صنعتی میدان میں جاپان شکست فاش دے چکا ہی، یقین ہی کہ اگر ہندوستان کے کارخانہ دار اور صناع جاپان جائیں تو خود اندازہ ہو جائیگا کہ (۱) وہاں کے مزدور دیانتدار اور ہوشیار ہیں (۲) کارخانہ داروں کا سلوک مشفقانہ ہی (۳) کارخانوں کا انتظام بہت سادہ اور کم خرچ ہی اور انہی خوبیوں پر جاپان کی صنعتی ترقی کا انحصار ہی،

یہ واقعہ ہی کہ مغربی ممالک کے مقابلہ میں جاپان میں مزدور سستے ملتے ہیں، ناظرین یہ سوال کرسکتے ہیں کہ پھر کم مزدوری میں وہ لوگ کیسے خوش و خرم رہتے ہیں؟ اس کا راز مشترکہ خاندان میں مضمر ہی جو اشتراک عمل اور اجتماعی مفاد کے لیے انفرادی قربانی کا سبق سکھاتا ہی،

جاپان کے مزدوروں کی زندگی پر بحث کرتے ہوئے ہمیں وہاں کی یہ عجیب خصوصیت فراموش نہ کرنا چاہیئے جس کی دنیا کے کسی ملک میں مثال نہیں ملتی، اُن کے مشترکہ خاندان کا نظام اب بھی اُن کی معاشرت میں زبردست اہمیت رکھتا ہی، جاپان میں مشترکہ خاندان کی روایات اتنی ہی قدیم ہیں جتنی وہاں کی تاریخ، نہ صرف روحانی اعتبار سے بلکہ اقتصادی اعتبار

سے بھی خاندان ایک فرد کی حیثیت رکھتا ہے،

۱۸۶۶ء میں دورِ جدید کے شروع ہونے پر جاپان نے صنعتی نظام اختیار کیا اور مغربی مفہوم کے مطابق آزاد خیالی کو رواج دیا، لیکن جاپانی سماج میں مغربیت کے نفوذ واثر سے بھی مشترکہ خاندان کو کوئی صدمہ نہ پہنچا، اسی پر گذشتہ تین ہزار برس سے جاپان کے سماجی نظام کی بنیاد قائم ہے، نئے اقتصادی نظام کو جو بے باکی اور انفرادیت کے اصول پر قائم ہے قدیم خاندانی نظام سے اس ہوشیاری سے مخلوط کیا گیا کہ ایک نئی معاشرت کی بنیاد پڑ گئی، جنگ عظیم کے بعد جاپان کا اقتصادی نظام انتہائی سرمایہ داری کی شکل اختیار کر گیا ہے لیکن مزدور کی روزانہ زندگی اب بھی مشترکہ خاندان کے ماتحت ہے اور اُن کا آمد و خرچ اب بھی ایک خاندانی مسئلہ سمجھا جاتا ہے مثلاً صنعت پارچہ بافی میں جو جاپان کی خاص صنعت ہے ہر مزدور عورت اپنی آمدنی خاندان کی مشترکہ آمدنی میں ملا دیتی ہے اور دوسرے افراد کی طرح اُس کی بھی پرورش ہوتی ہے، یہی صورت کاریگر مردوں کی ہے، اس طرح وہ عورتیں اور بچے جو تنہا اپنی آمدنی میں گذر نہ کر سکتے تھے خاندان کے ساتھ آرام سے بسر کرتے ہیں اس لیے جاپانی مزدوروں کے معیار زندگی کا اندازہ اُن کی مزدوری کی رقم سے کرنا بالکل غلط ہے، اس سلسلہ میں مشترکہ خاندان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا،

ضروریات زندگی میں سادگی اب میں ناظرین کی خدمت میں "جاپان کی سادہ ضروریات" کے موضوع پر بعض سر کردہ رہنماؤں اور ذمہ دار اخباروں کی رائے پیش کرنا چاہتا ہوں،

کانے گفوچی کمپنی کے صدر سودا نے اس بیان میں ذرا مبالغہ سے کام نہیں لیا ہے کہ جن انگریزوں نے جاپان کے صنعتی حالات کا خود معائنہ کیا ہے وہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ جاپان کے مزدوروں کا معیار زندگی انگلستان کے مزدوروں سے کہیں بہتر ہے، اور جو فرق ہے وہ ان دونوں ممالک کی معاشرت کے فرق کی بنا پر ہے بالفاظ دیگر پنیر اور مولی کے اچار کا فرق ہے یہ اچار جاپان میں اس طرح کھایا جاتا ہے جیسے انگلستان میں پنیر ا مولیاں پنیر سے بہت سستی

ہوتی ہیں" اسی خیال کی تائید ایک دوسرے جاپانی نے اس طرح کی ہے "کسی جاپانی مل کے مزدور کو لنکا شائر میں لے جائیے اور اُسے لوہے کا سخت پلنگ جس پر نرم گدا بچھا ہو سونے کے لیے اور روٹی، مکھن، گوشت، قہوہ اور بالائی کھانے کے لیے دیجئے، یقین کیجئے کہ وہ دوسرے ہی دن سے ہڑتال کر دے گا اور چٹائی کے فرش پر جاپانی قسم کا بستر سونے کے لیے اور مچھلی، چاول، ترکاری کھانے کے لیے طلب کرے گا، کیوں کہ یہ چیزیں اُسے زیادہ آرام دہ اور لذیذ معلوم ہوتی ہیں، یہ تو برطانوی اور امریکن مالکان مل کی بدقسمتی ہے کہ اُن کی معاشرت میں جاپانی معاشرت کے مقابلہ میں زیادہ گراں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن معیار زندگی کا اس سے اندازہ کرنا غلط ہے"

اس سلسلہ میں لندن اسپیکٹیٹر کے نامہ نگار خصوصی تحریر فرماتے ہیں کہ ین کی قیمت گر جانے سے جاپان کو جو فوائد حاصل ہوئے ہیں ممکن ہے وہ زیادہ عرصے تک باقی نہ رہیں تاہم اس کی صنعتی تنظیم میں چند ایسی مستقل خوبیاں ہیں جن کی بنا پر وہ عرصہ دراز تک دنیا کے بازاروں میں زبردست مقابلہ کر سکتا ہے ان میں سے ایک خوبی جاپانیوں کی معاشرت ہے، اُسے "ادنیٰ معیار" سے تعبیر کرنا بالکل غلط ہے، جاپانی اپنی معاشرت سے بالکل مطمئن ہیں اس لیے اسے "ادنیٰ" کہنے کے مقابلہ میں سادہ اور کم خرچ کہنا زیادہ صحیح ہوگا اطمینان اور سکون قلب کے نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ جاپانی مزدوروں سے نہ تو شدید محنت لے کر کم اجرت دی جاتی ہے نہ اُن پر ظلم و تشدد کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی خوشی سے سخت محنت کرتے ہیں اور اپنا کام دل لگا کر اس خوبی سے انجام دیتے ہیں کہ لنکا شائر میں عام طور پر اس کی نظیر نہیں ملتی آپ اسے چاہیں اچھا سمجھیں یا برا لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہر انگریز تجارت اور صنعت کو اپنا خاص پیشہ یا زندگی کا مقصد قرار نہیں دیتا، لیکن قریب قریب ہر جاپانی اور چینی کا یہی رویہ ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ چین اور جاپان کے دفاتر اور کارخانوں میں عزم بالجزم کا ایک ایسا جذبہ پایا جاتا ہے جو مغربی ممالک میں مفقود ہے"

ٹوکیو کی برطانوی سفارت کے مسٹر سینسم اور مسٹر کرموڈ جیسے تجربہ کار اور غیر متعصب ارباب فکر و نظر نے بھی جاپانی صنعتوں میں اس عزم بالجزم کو محسوس کیا، اور اس پر خاص زور دیا ہے، اپنی حکومت کو انھوں نے جو تازہ ترین رپورٹ ارسال کی ہے اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ جاپان کے اتحاد خیال اور اتحاد عمل سے ہر شخص بے انتہا متاثر ہوتا ہے۔ ممکن ہے ان چیزوں کا تذکرہ ایک اقتصادی رپورٹ میں بے موقع تصور کیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جاپان کی موجودہ صنعتی حیثیت اور اُس کے درخشاں مستقبل کو سمجھنے کے لیے اس کے جذبہ وطن پرستی کا سمجھنا از بس ضروری ہے، کیوں کہ یہی اس کے تمام اعمال و افعال میں کارفرما ہے، برطانیہ عظمیٰ اور دوسرے منظّم ممالک کا صنعتی ارتقا نہایت بے تکے انداز سے ہوا ہے، بخلاف اس کے جاپان کا ارتقا ایک مقررہ نصب العین کا نتیجہ ہے، جس کے ذریعے سے وہ اقتصادی حیثیت سے حتی المقدور جاپان کو مستغنی بالذات بنانا چاہتے تھے، حکومت جاپان نے صنعتوں کی مالی امداد تو بہت زیادہ نہیں کی البتہ درآمد پر محصول لگا کر ایک حد تک اُن کا تحفظ کر دیا اور قانون کے ذریعے صنعت و تجارت کی رہنمائی کی، چنانچہ حکمی[۱] اصولوں کے مطابق خاص خاص صنعتوں کی نگرانی کے لیے سنہ ۱۹۳۱ء میں ایک قانون منظور کیا گیا۔ اُس کی رو سے وزیر سلطنت کو چند شرائط کے ماتحت یہ اختیار دیا گیا کہ مال کی تیاری اور فروختگی کے سلسلے میں اکثریت جو فیصلہ کرے اقلیت کو بھی اس کی پابندی کرنے پر مجبور کر سکے" عموماً اسی وقت وزارت اپنے ان مخصوص اختیارات کو استعمال کرتی ہے جب مال کی ضرورت سے زیادہ تیاری روکنا یا برآمد کی قیمتیں گھٹانے کے بجائے بڑھانا مقصود ہو، سنہ ۱۹۳۱ء میں ان قوانین میں بھی ترمیم کی گئی، جن کا تعلق صناعوں اور برآمد کرنے والے تاجروں کی انجمنوں سے تھا، ان انجمنوں میں خاص طور پر ادنیٰ قسم کے صناع اور تاجر شامل ہیں، سرکاری بیان کے مطابق اس ترمیم کا مقصد یہ تھا کہ حکمی تدابیر جلد سے جلد اختیار کی جائیں

۱؎ Rationalisation مراد روایتی طریقوں کو ترک کر کے ایسے حکمی طریقے اختیار کرنا جن سے کم محنت اور کم خرچ سے زیادہ مال تیار ہو سکے؛

حکمی تدابیر یا Rationalisation کی اصطلاح

حکمی تدابیر

جاپان میں ہر شخص کی زبان پر ہی کیونکہ یہ طریقِ عمل وہاں بہت رائج ہی، اس اصطلاح سے اصلاح کی وہ حکمی تدبیریں مراد ہیں جو صنعت کے تمام شعبوں میں اور مال کی نکاسی کے سلسلے میں اختیار کی جائیں، جاپان کے سالنامے کی تازہ اشاعت میں اس مسئلہ پر شرح وبسط سے بحث کی ہی یہاں اس کے چند اقتباسات پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہی، تاکہ جاپان کی صنعتی ترقیوں کے رازہائے سربستہ پر کچھ روشنی پڑ سکے،

انسان کی خواہشوں کی طرح حکمی تدابیر کی بھی کبھی تکمیل نہیں ہوتی، صنعتی اعتبار سے اس کے دو مقاصد ہیں یعنی مشنری، ساز و سامان اور اوزان وغیرہ میں تنوع کو مٹا کر ان کو ایک خاص معیار پر لانا اور تجارت میں آسانیاں پیدا کرنا، اس کے ذریعہ سے مال تیار کرنے والوں کو موقع ملتا ہی کہ وہ کثیر تعداد میں یکساں مال تیار کر کے اخراجات میں کمی کر سکیں، تاجروں کو موقع ملتا ہی کہ وہ زیادہ مقدار میں بے کار مال خریدنے پر مجبور نہ ہوں، اور بیوپار میں انھیں سہولت ہو، گاہکوں کو موقع ملتا ہی کہ وہ زیادہ صحیح انتخاب کر سکیں اور انہیں مال سستا پڑے، اسی وجہ سے اکثر ممالک میں ہر دو مقاصد کے لیے خاص ادارے قائم ہیں چنانچہ جاپان میں بھی سنہ ۱۹۲۱ء میں ایک تحقیقاتی بورڈ قائم ہوا تھا، اس وقت سے برابر یہ کوشش جاری ہی کہ ایک جانب تو بہترین معیار قائم کیے جائیں اور دوسری جانب اُن کی اشاعت کی جائے اور لوگوں کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ انھیں اختیار کریں، ریشنلائزیشن بیورو کے قیام کے بعد سے یہ تحقیقاتی بورڈ بھی اسی کے ماتحت کر دیا گیا ہی، اب تک بورڈ نے ۱۰۶ معیاری نمونے تجویز کیے ہیں، اور اس سے اطمینان بخش نتائج برآمد ہوئے ہیں، خصوصاً سرکاری کارخانوں میں مثلاً یواٹا کے لوہے کے کارخانے میں ۶۵۱ قسم کی اشیاء تیار ہوتی تھیں لیکن اب کثیر تعداد میں یکساں مال تیار کرنے کے اصول کے مطابق اُس نے یہ تعداد صرف ۱۲۰ تک محدود کر دی ہی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف مال کی مقدار میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا بلکہ فی ٹن فولاد کی تیاری پر خرچ کم ہوگیا جس سے تیاری کے

اخراجات میں زبردست کمی ہوگئی، یہ بورڈ بین الاقوامی انجمن استقرار معیار کا بھی رکن ہی اور اس طرح مختلف اقوام کی صنعتوں کو ایک معیار پر لانے میں بھی امداد پہنچاتا ہی،

جاپان میں حکمی تدابیر اتنی کامیاب رہی ہیں کہ کاتنے اور بننے والوں کی انجمنوں کے بین الاقوامی فیڈریشن کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر ارنو۔ ایس۔ پیرس بھی امریکہ کے مسٹر موسر کی اس رائے سے متفق ہیں کہ جاپان کی طرح کسی دوسری جگہ کے ملوں کا نہ اتنا اچھا انتظام ہی اور نہ اتنی بہتر تنظیم ہی،

چنانچہ ڈاکٹر پیرس تحریر فرماتے ہیں کہ "مجھے یہ دیکھکر سخت تعجب ہوا کہ کوئی بڑا کارخانہ اپنی روئی کی خریداری میں کسی دوسری تجارت کی آڑ نہیں لیتا اور جن ملوں کی مالی حالت کمزور ہی ان میں سے بھی شاید چند ہی ایسا کرتی ہوں، مجھے اکثر یہ بتلایا گیا ہی کہ عام طور پر یہ کارخانے تیس چالیس ہزار اور کبھی کبھی اسی ہزار گانٹھیں تک بغیر کسی دوسری تجارت کی آڑ اور تحفظ کے خرید لیتے ہیں، انگلستان میں یہ صورت کبھی نہیں ہوتی لیکن جاپان میں لوگ اس طریقہ سے خام اشیاء کی خریداری میں خوب نفع کماتے ہیں"

علاوہ ازیں جاپانی مختلف اقسام کی روئی کو ملاکر مختلف ممالک کی ضروریات اور مذاق کے مطابق طرح طرح کا سوت اور کپڑا تیار کرتے ہیں، ڈاکٹر پیرس جاپانیوں کے اس کمال سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی رائے میں "یہ ایسا فن ہی جس پر جاپانی کارخانہ دار جتنا بھی فخر کریں کم ہی" اسی طرح مسٹر کے۔ کاواکامی جریدہ "فارن افیرس" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "خریدنے والے ملکوں کے مقامی حالات کے لحاظ سے مختلف اقسام کی روئی ملائی جاتی ہی، جاپانی کارخانے ایسا مال تیار کرتے ہیں جو گاہگ پسند کرتا ہو، ایسا نہیں جسے اپنے نزدیک وہ یہ سمجھتے ہوں کہ گاہک کو پسند کرنا چاہیئے یہی وجہ ہی کہ جاپانی کپڑا تمام بازاروں میں مقبول ہو رہا ہی"

معقول انتظام ایک سبب تو یہ ہوا لیکن یہ خاص سبب نہیں ہی اصلی وجہ ان کا معقول انتظام اور بہترین ساز و سامان ہی، اس کا تذکرہ

پہلے کیا جا چکا ہی صدر سوویت نے انگلستان سے مقابلہ کرتے ہوئے اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالی ہی انگلستان میں ۵۰ کروڑ کرگھے ہیں لیکن جاپان میں صرف ۸۰ لاکھ ہیں اس کے باوجود جاپان ۱۹۳۳ء میں سوتی کپڑے کی برآمد کے سلسلے میں انگلستان سے کہیں آگے نکل گیا، جاپان کی صنعتی کامیابی کی یہ وجہ نہیں ہی کہ وہ ادنیٰ قسم کا مال تیار کرتا ہی یا زیادہ محنت کے عوض میں کم مزدوری دیتا ہی یا مقابلہ میں قیمتیں گھٹا کر مال دیتا ہی بلکہ یہ وجہ ہی کہ اُس کے پاس جدید ترین مشنری اور ساز و سامان ہی، اعلیٰ اصولوں پر ہر چیز کا خصوصاً مال کی نکاسی کا انتظام کیا جاتا ہی، سرکاری نگرانی ہی اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے کاریگر محنتی، ہوشیار اور آسودہ ہیں،

یہاں موسیو جے۔ سی۔ بالے کے ایک مضمون کے چند اقتباسات پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہی جو اخبار "لے مونڈے نوویو" میں شائع ہوا تھا، اس مضمون میں انھوں نے مذکورہ بالا استدلال کی حرف بہ حرف تائید کی ہی، وہ فرماتے ہیں کہ "لوگ عرصہ تک نقصان سے کاروبار نہیں چلا سکتے، کم از کم جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتے، اس لیے یہ کہنا کہ جاپان والے تیاری کے مصارف سے بھی کم قیمت پر مال فروخت کرتے ہیں محض لغو ہی جاپان تیاری کے مصارف کے مقابلہ میں نقصان اٹھا کر نہیں بیچتا ہی، اور اس کی برآمد کی قیمت اندرونی بازاروں سے کسی طرح کم نہیں ہوتی، علاوہ ازیں جاپانی صناعوں کو حکومت کی جانب سے امداد بھی نہیں ملتی ان کی تجارتی کامیابی کے اسباب بہت معمولی ہیں مثلاً (۱) ایک کثیر افراد کی قوم ایک چھوٹے سے جزیرے میں آباد ہی، اس کارزار حیات میں اُسے اپنی زندگی کو برقرار رکھنے اور اپنے مستقبل کی طرف سے اطمینان کی اشد ضرورت ہی اس لیے یہ ضرورت اسے مجبور کرتی ہی کہ وہ اپنی کامیابی کے لیے انتہائی کوشش کرے (۲) ان کا ایک عظیم الشان قومی نصب العین ہی جس کے حاصل کرنے کے لئے وہ لاثانی قوت ارادی اور نظم کے ساتھ کوشش کرتے ہیں (۳) جدید ترین سائنٹیفک تدابیر اختیار کرنے کا ان میں حیرت انگیز ذوق موجود ہی

"جاپان کی غیر معمولی کامیابی کی وضاحت کرنے کے سلسلے میں محض انہیں اسباب

کا بیان کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ ایک وجہ اور بھی ہے دنیا میں طرح طرح کی اقتصادی لاگ ڈانٹ ہوتی ہے جو انسان کی پیدا کردہ ہے لیکن اس کے علاوہ ایک معاشرتی تفاوت بھی ہے جو زمانہ پیدا کرتا ہے اور جس سے بعض ملکوں کو نقصان اور دوسروں کو نفع پہنچتا ہے، یہ مختلف قوموں کی معاشرت کے فرق سے پیدا ہوتا ہے جن اقوام کا معیار زندگی بلند نہیں ہوتا وہ زندگی کا اعلیٰ معیار رکھنے والی اقوام سے، علوم، پیداوار اور تجارت میں کم رہتی ہیں، لیکن فرض کیجیے کوئی قوم ایسی ہے جو اپنا معیار زندگی تو بلند نہیں کرتی مگر طاقت اور تہذیب کے معاملہ میں دوسری اقوام کی ہمسر ہو جاتی ہے تو پھر ایسی قوم صنعتی اور تجارتی مقابلہ میں اتنی ہی بلند ہو جاتی ہے جتنا دونوں کے معیار زندگی میں فرق ہو، اسے ایک مثال سے سمجھیے،

فرض کیجیے ایک اعلیٰ معیار زندگی رکھنے والی قوم کے افراد ایک روپیہ روزانہ خرچ کرتے ہیں بخلاف اس کے ایک دوسری قوم کے افراد جن کا معیار زندگی اتنا بلند نہیں ہے صرف آٹھ آنے روزانہ خرچ کرتے ہیں، اب اگر معیار زندگی کا یہ فرق قائم رہے لیکن اس کے باوجود دونوں قومیں طاقت اور تہذیب میں برابر ہو جائیں اور انھیں صنعت اور تجارت میں برابر کا نفع ہو تو ظاہر ہے کہ ادنیٰ معیار والی قوم اعلیٰ معیار والی قوم سے آٹھ آنے روزانہ فی فرد کے حساب سے فائدہ میں رہے گی۔

جاپان میں بھی یہی صورت ہوئی، تاریخ میں اس قسم کی یہ پہلی مثال ہے، معاشرتی فرق میں جاپان کی ترقی کا اصلی راز مضمر ہے لیکن اب یہ چیز رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہے کیوں کہ جاپان کا معیار زندگی ان اقوام سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے جنھیں اس نے پیش نظر رکھا ہے اور جن کی وہ پیروی کر رہا ہے،

ایک دوسرے فرانسیسی ماہر موسیو فرنینڈ ماریٹ ۱۹۳۴ء میں جاپان گئے تھے تاکہ بین الاقوامی

۱؎ DUMPING مراد دوسرے کی تجارت کو نقصان پہنچانے کے لیے سستا مال منڈی میں لاڈ دینا کبھی کبھی مصارف سے بھی کم داموں پر دے دینا،

لیبر بیورو (جینوا) کی جانب سے جس کے وہ نائب صدر تھے صنعت حرفت اور لیبر کے حالات کا معائنہ کریں، انھوں نے فرمایا تھا "مجھے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ مجھ پر بہت اچھا اثر پڑا ہے میں نے بہت سے کارخانوں کا معائنہ کیا، وہاں کے حالات کو بغور دیکھا اور سرکاری ماہرین اور لیبر لیڈروں سے مختلف مسائل پر گفتگو کی، میں نے محسوس کیا کہ جاپانی کارخانوں اور اُن کے مزدوروں میں نہایت اعلیٰ جذبہ طاری و ساری ہے، مزدوروں کی تنظیم اور کارخانوں کا حکمی اصولوں پر چلانا بھی بہت متأثر کرنے والی چیزیں ہیں، لیکن اِن سب سے زیادہ میں جاپانی مزدوروں کی عام حالت سے متأثر ہوا، وہ نہایت مستعد، جوشیلے، خوش و خرم، باکمال اور ہوشیار ہوتے ہیں اور میرے نزدیک وہ جاپانی قوم کا بہترین سرمایہ ہیں، بہر حال جاپان کی تجارتی ترقی سے اُن کے معیار زندگی کا سوال زیر بحث آگیا ہے، مغرب والے یہ نہیں جانتے کہ جاپانی مزدور کس طرح رہتے ہیں، یہاں اخراجات بہت کم ہیں لیکن اس کے باوجود معیار زندگی کسی طرح کم نہیں ہے، اس لیے جاپان کو چاہیئے کہ اپنے مزدوروں کی اعلیٰ حیثیت اور اُن کا معیار زندگی باہر والوں کے سامنے نہایت وضاحت سے پیش کرے"۔

امپیریل کیمیکل انڈسٹریز لمیٹڈ کے چیرمین اور منیجنگ ڈائرکٹر سر ہنری میک گووں کے۔ بی۔ای نے حال ہی میں اخبار "کراؤن کالونسٹ" میں ایک مضمون لکھا ہے، میرے مذکورہ بالا بیان کی تائید اس سے بہتر نہیں ہو سکتی، آپ کی اس رائے سے "موڈی قبیل" کے ہندوستانی کارخانہ داروں کی آنکھیں کھل جانا چاہیئے آپ فرماتے ہیں کہ "جاپان نے تجارتی مقابلہ میں جس سرعت سے ترقی کی دنیا کے پردے پر اس کی مثال ملنا مشکل ہے، اب سے چار سال قبل یہ ایک بادل کے ٹکڑے کی طرح مشرقی افق سے طلوع ہوا تھا، لیکن اب یہ دنیا کے تمام بازاروں پر چھا گیا ہے، ایک لمحہ کے لیے ذرا غور فرمائیے کہ اس ترقی کی وجہ کیا ہے؟ اور کیوں کر جاپان اس قابل بن گیا کہ اُس نے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ تجارت میں اتنی ترقی کر لی اور اپنے تجارتی رقیبوں کو اس بُری طرح میدان سے خارج کر دیا؟ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جاپان کو اپنا تجارتی توازن

قائم رکھنے کے لیے باہر مال فروخت کرنے کی شدید ضرورت ہی، اس کی آبادی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہی اس لیے اپنے مال کی نکاسی کی زیادہ فکر لاحق ہی۔

دوسری وجہ ین کی قیمت کا گر جانا ہی، ابتداءً تو ضرورت نے اسے مجبور کیا تھا، لیکن بالآخر سکّہ کی شرح گر جانے سے اسے نفع ہوا اور جاپان نے فوراً اس کا احساس کر لیا، برطانیہ میں جب پونڈ کی قیمت گری تو طلائی معیار ترک کرنا پڑا لیکن اس سے بین الاقوامی تجارت میں گذشتہ سال جب کہ پونڈ کی قیمت چڑھی ہوئی تھی جو نقصان ہوا تھا اس کی بڑی حد تک تلافی ہو گئی، جب طلائی معیار ترک کیا گیا اس وقت پونڈ کی قیمت میں تقریباً ۳۵ فی صدی کی کمی ہوئی تھی لیکن جاپان نے برطانیہ کو بھی اس میں مات کر دیا، یعنی ین کی قیمت اس وقت ۶۳ فی صدی گر گئی ہی، اور آئندہ کے لیے بھی کوئی یقین نہیں کہ اب اس میں اور زیادہ کمی نہ ہوگی۔

تیسری اہم وجہ یہ ہی کہ جاپان میں ان صنعتوں کی جن میں خاص طور پر زبردست مقابلہ ہی بہترین تنظیم کی جاتی ہی، اور برآمد کے معقول ذرائع پیدا کیے جاتے ہیں، صنعتی حیثیت سے جاپان بالکل نیا ملک ہی، جو صنعتی میدان میں سر سے پا تک مسلح ہو کر اترا ہی، اس نے جدید ترین اصولوں پر کارخانے بنائے ہیں اور ان میں جدید ترین مشنری لگائی ہی، اسے دوسروں کے تجربہ سے فائدہ اٹھانے کا پورا موقع حاصل تھا، اس لیے اس نے بین الاقوامی صنعتی تدابیر میں سے اپنی ضروریات کے مطابق بہترین چیزوں کا انتخاب کر کے انہیں اختیار کر لیا، بہتر سے بہتر اور جدید ترین مشنری خریدنے میں بڑی ہوشیاری کا ثبوت دیا اور وسیع پیمانہ پر اپنی صنعتوں کی تنظیم کی، علاوہ ازیں صنعتی اور سرکاری امداد باہمی[1] کا ایک ایسا نظام ترتیب دے لیا جس کے ذریعہ سے شرح تبادلہ کی کمی و مال کی معقول تیاری سے فائدہ اٹھا کر برآمد کی ترویج اور اشاعت کے لئے بیرونی ممالک میں پوری کوشش کی جا سکی

خوش و خرم مزدور جاپان کے مزدوروں سے محنت لینے اور کم اجرت دینے کی بہت سی افواہیں مشہور ہیں، یہ صحیح ہی کہ وہاں کام کے اوقات

---

[1] کوآپریشن CO-OPERATION

زیادہ ہیں، اور یہ بھی صحیح ہو کہ مغرب والوں کے نقطۂ نظر سے اُن کا معیارِ زندگی بہت کم ہو لیکن جہاں تک میں نے جاپانی کارخانوں کا معائنہ کیا مجھے کہیں اس کے آثار نظر نہیں آتے کہ انھیں خراب غذا ملتی ہو یا ان کی صحت خراب ہو یا اُن میں کسی طرح بد دلی پائی جاتی ہو، جہاں کہیں مزدوروں سے زیادہ کام لیا جاتا ہو اور خراب خوراک ملتی ہو وہاں اُن کے چہروں سے یہ چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں، گو جاپانی مزدوروں کو بھنا ہوا گوشت اور آلو نہیں ملتے لیکن بقول جاپانی سفیر کے اگر وہ یہ چیزیں خرید بھی سکتے ہوں تب بھی انھیں پسند نہ کرینگے، وہ تو مچھلی، چاول، اور ترکاریوں ہی سے خوش رہتے ہیں حالانکہ ہمارے نزدیک یہ غذا ناکافی ہو۔

تجارتی تدابیر جاپان کی کامیابی کی ایک وجہ اور بھی ہو، اس نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا ہو کہ آج کل کے زمانے میں مال کی خوبی کو کوئی نہیں دیکھتا قیمت کی ہر شخص کو فکر ہوتی ہو، عام کساد بازاری کی وجہ سے خریداری کے سلسلے میں قیمت اصل چیز ہو گئی ہو، جاپان نے اس چیز کی اہمیت کو تمام دوسرے ممالک سے زیادہ بہتر سمجھا ہو، اس کے علاوہ جاپانی صناعوں اور تاجروں نے مختلف بازاروں کی ضروریات کو سمجھنے کی بھی انتہائی کوشش کی ہو، وہ ہر گاہک کو کافی زحمت اٹھا کر وقت اور مقام کی مناسبت سے وہی چیز مہیّا کرتے ہیں جو وہ چاہتا ہو، اسی رنگ اور نمونے کا مال تیار کرتے ہیں اور اسی انداز سے اسے باندھتے اور رکھتے ہیں جو اُس کے مذاق کے عین مطابق ہو، اس معاملہ میں جاپانیوں کو پیش رو ہونے کا فخر حاصل ہو گاہک کی جو مانگ ہو اُسے وہ جلد سے جلد بلکہ فوراً مہیّا کرتے ہیں اُنھی کی زبان میں نرخ بھیجتے ہیں اور انھی کے سکّے اور پیمائش میں قیمتیں اور مقدار بتاتے ہیں

جاپان کی کامیابی کے یہ تمام مشترکہ اسباب ہیں، اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ ان سب سے مل کر یہ نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

برطانوی مشن کی رائے یہاں میں برطانوی صنعتی مشن کی رپورٹ کا خلاصہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو لندن ٹائمز میں شائع ہوئی

تھی، اس مسئلہ میں کہ آیا جاپان کی صنعتی ترقی مزدوری کی شرح اور کام کی نوعیت پر منحصر ہی، رپورٹ میں لکھا ہی کہ

"جاپان میں مزدوری کی شرح بلحاظ رقم برطانیہ وغیرہ کے مقابلہ میں کم ضرور ہی لیکن صرف رقم سے کیا ہوتا ہی اصل چیز تو یہ ہی کہ آیا مزدور کو جو اجرت ملتی ہی اس میں اس کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی ہیں اور وہ اپنی حسب منشا زندگی بسر کر سکتا ہی یا نہیں؟ جاپان کے معیار زندگی کا مغربی ممالک سے مقابلہ کرتے وقت ایک چیز خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیئے اور وہ یہ کہ جاپان کے معیار زندگی کی نوعیت ہی بالکل مختلف ہی"،

البتہ مستقبل کی نسبت یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ کیا موجودہ سے ملتا جلتا معیار زندگی آئندہ بھی جاپان کے مزدوروں کو مطمئن کر سکے گا یا مستقبل قریب میں مزدوری میں کوئی خاص اضافہ ہو جائے گا، ہماری ذاتی رائے یہ ہی کہ جیسے جیسے جاپان کی صنعتی سرگرمیاں زیادہ ہوتی جائیں گی ویسے ویسے نئی نئی ضروریات پیدا ہوں گی جس سے مزدوروں کی شرح میں اضافہ ہو جائے گا، لیکن یہ صورت بتدریج ظہور پذیر ہوگی، اس لیے آئندہ چند سال تک اس سے جاپان کی قوت مقابلہ پر کوئی اہم اور قابل فکر اثر نہ پڑے گا، فی الحال یہاں بعض حالات ایسے ہیں جو مزدوری کی شرح کم رہنے کے موافق پڑتے ہیں"،

اگرچہ جاپانی کارخانوں کے مزدوروں کے حالات کا مقابلہ برطانیہ کے بالاخرچ معیار سے نہیں کیا جا سکتا لیکن جاپانی مزدوروں کے نقطۂ نظر سے وہ کسی طرح ناقابل اطمینان نہیں ہیں"

"جہاں تک شرح اجرت اور مزدوروں کی حالت کا تعلق ہی مذکورہ بالا رائے صرف جاپان کے کارخانوں تک محدود ہی، کارخانوں کے علاوہ وہاں وسیع پیمانہ پر گھریلو صنعتیں بھی رائج ہیں، ہم خود ان کی تحقیق و تفتیش نہیں کر سکے، لیکن ہمیں یہ بتایا گیا کہ ان گھریلو صنعتوں کی حالت قابل اطمینان نہیں ہی اور ضابطہ کارخانہ جات کے دائرے سے بھی یہ باہر ہیں، اس لیے ان کی وجہ سے شرح اجرت میں تخفیف اور معیار زندگی میں فرومائیگی پیدا ہو جاتی ہی"۔

جاپانی صنعت کو برطانوی صنعت پر ایک فوقیت یہ بھی حاصل ہو کہ برطانیہ کے مقابلہ میں اس پر قرضہ کا بار بہت کم ہی، جاپان کی صنعتی ترقی کا دوسرا سبب یہ بھی ہو کہ حکمی تدابیر بڑی تیزی کے ساتھ اختیار کی جارہی ہیں، "اور خام پیداوار کے خریدنے، مال کے تیار کرنے، اور تیار شدہ مال کے فروخت کرنے میں انتہائی اشتراک عمل پایا جاتا ہی"۔

مشن نے یہ بھی محسوس کیا کہ جاپان نہ صرف زیادہ مقدار میں مال تیار کرنے لگا ہی بلکہ مال کی حیثیت اور قسم بھی بہت بہتر ہوگئی ہی اُن کا بیان ہی کہ جاپان اس وقت اس امر کی خاص کوشش کر رہا ہی کہ مال کی قسم بہتر اور قیمت کم ہو جائے ہمارے نزدیک یہ خیال کر لینا محض حماقت ہی کہ جاپان آئندہ صرف ادنیٰ قسم کا سستا مال باہر بھیجا کرے گا۔

جدید ترین مشینوں اور بہتر سے بہتر تنظیم کے علاوہ جاپان کا قومی جذبہ اس کے لیے ایک برکت ہی بچپن ہی سے گویا وفاداری، نظم اور صنعت و حرفت کے اصول ہر جاپانی کی گھٹی میں شامل کیے جاتے ہیں، حکومت بھی خاص طور پر صنعتوں کی رہبری اور ہمت افزائی کرتی ہی بعض مخصوص صنعتوں پر محصول معاف ہوتا ہی اور جن نئی صنعتوں کو مستحکم کرنا ہوتا ہی اُن کو بھی عارضی طور پر محصول سے مستثنیٰ کر دیا جاتا ہی۔ تاجروں اور برآمد کرنے والوں کی انجمنیں قائم کرنے کے لیے بھی تھوڑی بہت امداد دی جاتی ہی اس کے علاوہ حکومت کم شرح سود پر قرضہ کی سہولتیں بھی بہم پہنچاتی ہی۔

یہ خیال ہمارے نزدیک بالکل غلط ہی کہ جاپانی صنعت سرکاری عطیہ کی بنیاد پر قائم ہی، البتہ زراعت کو معقول عطیے دئے جاتے ہیں تاکہ اجناس کی قیمتیں برقرار رہیں، کیونکہ گذشتہ کساد بازاری میں یہ اس قدر گر گئی تھیں کہ کسانوں کے تباہ ہو جانے کا اندیشہ تھا علاوہ ازیں صنعت جہاز رانی اور دیگر بنیادی صنعتوں کو بھی مالی امداد دی جاتی ہی، لیکن یہ تمام عطیے نہ تو اتنے گراں قدر ہوتے ہیں اور نہ اتنے وسیع پیمانہ پر دئے جاتے ہیں کہ انھیں جاپانی صنعت کی موجودہ کامیابی کا سبب قرار دیا جائے۔

دنیا کے لیے قابل تقلید نمونہ | اس باب کو میں فلپائن کے گورنر جنرل کی ایک تقریر پر ختم کرنا چاہتا ہوں جو موصوف نے کانے گفوجی مل کے معائنہ کے بعد فرمائی تھی۔

"کپڑے کے اس کارخانے کو میں نے غیر معمولی دلچسپی کے ساتھ دیکھا، میں محض جدید مشنری اور جدید ترین طریقوں سے اتنا متاثر نہیں ہوا جتنا اس چیز سے کہ مرد اور عورتیں کافی روشنی اور ہوا میں کام کر رہی تھیں جگہ صاف ستھری تھی، شور اور گڑبڑ کا نام نہیں تھا اور مشنری کی سامع خراش گھڑگھڑاہٹ بھی نہ تھی، اگر ملک کے مختلف کارخانوں کا اسے نمونہ تصور کر لیا جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ بہر صورت قابل تقلید ہے، مجھے یہ معلوم کر کے بھی مسرت ہوئی کہ کارخانہ کے تیرہ سو مردوں اور سات سو لڑکیوں میں سے تقریباً ایک ہزار مرد اور تمام لڑکیاں کارخانے ہی کی چالوں میں رہتی ہیں، جہاں اُن کے آرام و آسائش اور صحت و اخلاق کا معقول انتظام ہے، میری رائے میں یہ ایک ایسا نمونہ ہے جس کی ساری صنعتی دنیا کو تقلید کرنا چاہیے"۔

چنانچہ میرے ہم وطنوں کو ذرا غور کرنا چاہیئے کہ آیا جاپان کی صنعتی تدابیر کو بُرا بھلا کہتے رہنے سے انھیں کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے یا اس کی مثال کی پیروی کرنے سے، کوس تو ہم بہت چکے اب ہمیں اس کی ہمسری کی کوشش کرنا چاہیے؛ —

بارھواں باب

قدرت کی مہربانیاں

چونکہ جاپان والے ہندوستان کے قدیم باشندوں کی طرح قدرت کے سچے پرستار ہیں، اس لیے قدرت بھی اُن پر اپنی بے شمار نعمتوں کی بارش کرتی ہی۔

جتنا زیادہ میں جاپان کو دیکھتا ہوں اتنا ہی زیادہ مجھے یقین ہوتا جاتا ہی کہ وہ ابھی ترقی کے اور مدارج طے کر کے بامِ عروج پر پہنچے گا کیوں کہ قدرت اس پر مہربان معلوم ہوتی ہی، لیکن ہندوستان کے ساتھ قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ یہاں تقریباً چھ مہینہ کی اور بعض بعض جگہ سات مہینہ کی ناقابل برداشت گرمیاں نازل کر دی ہیں، اس کا مقابلہ جب آپ جاپان کے موسم سے کرینگے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ قدرت نے اس کے ساتھ کیسی رعایت کی ہی۔

سارا جاپان ایک خوبصورت باغ کی طرح ہی، ایک گھنٹے کے اندر اندر آپ شہروں کے شور وشغب سے نکل کر فطرت کی پرسکون اور حسین وجمیل آغوش میں پہنچ سکتے ہیں، ہندوستان میں ہمیں اپنے کشمیر پر ناز ہی اور بجا ناز ہی، ہم اسے جنت نظیر کہتے ہیں لیکن وہاں تو سارا جاپان کشمیر ہی اور صرف دس پندرہ روپیہ میں آپ ایک ہفتہ تک دلکش سے دلکش مقامات کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔

جاپان پر قدرت کی نوازشیں بے شمار ہیں، بحیثیت مجموعی جاپان پہاڑی علاقہ ہی اور وسیع میدان نسبتاً بہت کم ہیں، خوشگوار آب وہوا اور کثرت بارش کی وجہ سے سارا ملک گھنے جنگلوں سے بھرا پڑا ہی، جگہ جگہ ندیاں بہتی ہیں، جن سے حسن مناظر کے علاوہ آبپاشی اور نقل وحمل میں بھی امداد ملتی ہی، جاپان دنیا کے نہایت مشہور آتش فشانی دائرے میں واقع ہی، ملک کے ہر حصّہ میں آتش فشانی

چوٹیاں موجود ہیں جن سے قدرتی مناظر کے حسن تضاد میں اضافہ ہوتا ہے۔

قدرتی مناظر جاپان کی سطح میں بے انتہا نشیب و فراز ہیں، ملک کے گوشے گوشے میں شاندار پہاڑیاں شاداب وادیاں، دلآویز ندیاں اور آبشار اور بے نظیر ساحلی پیچ وخم پائے جاتے ہیں، اس قسم کے قدرتی نوادر نے لازمی طور پر لوگوں کی سیرت، اخلاق وعادات، اور رسم ورواج پر غیر معمولی اثر کیا ہے اُن کی روایات، اُن کی تاریخ اُن کا فلسفہ اور اُن کے فنون لطیفہ سب اسی فیاض فطرت کے زیرسایہ پیدا ہوئے ہیں اور اسی کے آغوش محبت میں انھوں نے پرورش پائی ہے۔

خوشگوار آب وہوا جاپان کے محل وقوع کی وجہ سے اس کی آب وہوا بڑی خوشگوار اور معتدل ہے، وہاں نہایت باقاعدگی سے چار موسم ہوتے ہیں، لوگوں کو محنتی یا کاہل الوجود بنانے میں کسی ملک کے آب وہوا کا بڑا اثر پڑتا ہے، ہندوستان کی یہ وحشتناک گرمی ہماری آدھی چستی وچالاکی ختم کردیتی ہے لیکن جاپان کی آب وہوا ایسی قابل رشک ہے کہ لوگ گرانی محسوس کیے بغیر خوشی خوشی سخت محنت کرتے ہیں۔

نباتات، چرند وپرند سارے جاپان میں طرح طرح کی ترکاریاں افراط سے پیدا ہوتی ہیں، اور قسم قسم کے پھول باری باری سے سال بھر بہار دکھاتے رہتے ہیں، جاپان چرند وپرند کی دولت سے بھی مالامال ہے وہاں ۴۰۰ اقسام کے چرند ۲۰۷، اقسام کے پرند، ۳۰۰، ۲۳، اقسام کی مچھلیاں اور ۴ ہزار اقسام کے حشرات الارض ہوتے ہیں، جاپانی ہمارے بنیوں سے زیادہ ہوشیار اور کنجوس ہیں اور وہ ان کیڑے مکوڑوں سے بھی روپیہ پیدا کرلیتے ہیں۔

(۱) مچھلی جاپان کی خاص غذا ہے لاکھوں روپیہ سالانہ کی مچھلی دنیا کے مختلف ممالک میں جاتی ہے۔

(۲) ماہی گیری سے تقریباً ۱۵ لاکھ افراد کی پرورش ہوتی ہے، اُن کی روزی صدہا قسم

کی گھونگا مچھلیوں کے علاوہ ۲۰۵ قسم کی خوردنی مچھلیاں پکڑنے پر قطعی منحصر ہے۔

(۳) مختلف قسم کی سمندری بیلیں جو مغرب میں بدذائقہ اور ناقابل خورش سمجھی جاتی ہیں، یہاں کارآمد بنالی جاتی ہیں، چونکہ حیاتین [1] کی ان میں کافی مقدار ہوتی ہے اس لیے بڑی بڑی قیمتوں پر فروخت ہوتی ہیں، بعض بیلیں تو بہت لذیذ پکتی ہیں، خصوصاً جب ہندوستانی طریقے سے گھی ڈال کر پکائی جائیں۔

(۴) سمندر کی ۲۰ فی صدی نباتات خوراک کے کام آتی ہیں، اور باقی ۸۰ فی صدی کھاد کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

غلط فہمی کا ازالہ یہاں میں اپنے ناظرین کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ ہندوستانیوں کا یہ خیال محض لغو ہے کہ جاپانی گوشت کھانے سے اتنے طاقتور ہو گئے ہیں، وہاں گوشت کی کھپت اتنی کم ہے کہ شاید آپ کو یقین نہ آئے گا، یعنی سال بھر میں فی کس سوا سیر گوشت صرف ہوتا ہے، جاپانی تو عموماً چاول، ترکاری اور مچھلیاں کھاتے ہیں مثلاً ملاحظہ کیجیے کہ برطانیہ میں مچھلی کا خرچ فی کس ۳۲½ سیر سالانہ ہے لیکن جاپان میں ہر شخص سال میں ۲½ من مچھلی کھاتا ہے، جاپان میں ذہنی رفعت و ارتقا کا خاص سبب مچھلی ہے، میرے خیال میں بنگالیوں کے معاملہ میں بھی یہی صورت ہے بہر حال میں کوئی سائنس داں نہیں ہوں اس لیے میں اس رائے کی صحت کا دعویٰ نہیں کرتا ذاتی طور پر میرا یہ خیال ہے کہ مذہبی عقائد سے قطع نظر گوشت ہماری فطری غذا نہیں ہے۔

معدنیات (۱) کارآمد دھاتیں اور دوسری معدنیات ۴¾ کروڑ سالانہ کی نکلتی ہیں، ان میں سب سے خاص چیز کوئلہ ہے، یہ تین کروڑ ٹن نکلتا ہے یعنی کل معدنیات کا ۷۰ فی صدی، اگرچہ اس میں سے ۳۰ لاکھ ٹن جاپان خود باہر بھیجتا ہے لیکن اس کے باوجود کچھ اعلیٰ قسم کا کوئلہ باہر سے بھی منگاتا ہے۔

---

[1] Vitamin

(۲) کوئلہ کے بعد تانبے کا نمبر ہی یہ دور دراز اور علیحدہ مقامات پر نکلتا ہی، سونا اور چاندی بہت کم مقدار میں پائی جاتی ہی۔

(۳) اگرچہ ملک کے مختلف حصّوں کی ریت مٹی میں لوہے کی کافی آمیزش ہی پھر بھی لوہا بہت کم نکلتا ہی۔

(۴) منچوکو معدنیات کا خزانہ ہی، سونا، لوہا اور کوئلہ وہاں افراط سے پایا جاتا ہی، اور یقین ہی کہ چند سال کے اندر یہ چیزیں جاپان کو مالا مال کر دیں گی

(۵) رانگ، سرمہ اور پارہ بھی کافی ہوتا ہی اور گندھک کے چشمے تو جابجا پائے جاتے ہیں،

(۶) مٹی کا تیل ان کی روز افزوں ضروریات کے لائق نہیں ہوتا، تیل کے کنوئیں ہوکیدو میں اور اصل جزیرے کے مغربی ساحل پر واقع ہیں، مٹی کے تیل کو کوئلہ اور پتھر سے صاف کرنے کے مسئلہ پر آج کل جاپان میں بہت کچھ غور و خوض کیا جا رہا ہی، ممکن ہی کہ عنقریب یہ تجربہ تجارتی طور پر کامیاب اور نفع بخش ثابت ہو۔

جنگلات جاپان میں جنگلی پیداوار کی بھی افراط ہی، جنگلی علاقہ بہت وسیع ہی، یعنی قریب قریب نصف جاپان میں جنگل ہی جنگل ہیں، جاپان کی نم آب وہوا اور زمین کی نوعیت کی وجہ سے وہاں چھ سو اقسام کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں، چوبی درختوں کی سو اقسام میں تقریباً تیس ایسی ہیں جن میں سے قیمتی لکڑی نکلتی ہی، جاپان کی صنعتی ترقی کے سلسلے میں لکڑی کو خاص اہمیت حاصل ہی۔

بانس بھی وہاں طرح طرح سے کام میں آتا ہی، کہتے ہیں کہ اس کے استعمال کے چھ سو طریقے ہیں، باغات کی اقسام کے علاوہ اس کی پچاس سے زیادہ قسمیں ہوتی ہیں، بید کی بھی ساٹھ قسمیں ہیں۔

بہر حال تقریباً ۴۔ ۵ کروڑ کیوبک فٹ لکڑی ہر سال کٹتی ہی جس کی قیمت ۲½ کروڑ پونڈ کے قریب ہوتی ہی، جاپان ۱۴ لاکھ پونڈ کی دیا سلائیاں اور ریل کی پٹریاں باہر بھیجتا ہی۔

ضمنی پیداوار: جنگلوں کی ضمنی پیداوار سے بھی تقریباً ۲ کروڑ پونڈ کی آمدنی ہوتی ہے، مثلاً تارکول، لاکھ مشروم[علہ]، چھال اور کافور وغیرہ

مشروم کی گوشت سے زیادہ لذیذ ترکاری پکتی ہے، صرف اسی سے، لاکھو پونڈ وصول ہوجاتا ہے

بارش جاپان میں باران رحمت بھی کافی ہوتا ہے یعنی سالانہ ۱-۶۸ انچہ کا اوسط رہتا ہے، یہ دنیا کے مجموعی اوسط سے دوگنا ہے، یہی وجہ ہے کہ جاپان ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔

پُر اسرار نعمتیں زلزلے اور طوفان بظاہر جاپان کے لیے ایک بلائے ناگہانی ہیں، یکم ستمبر ۲۳ء کے ہولناک زلزلہ کے بعد چار سال میں ۲۲ ہزار مرتبہ وہاں زمین ہلی یعنی دن میں ۱۶ مرتبہ زلزلہ کے جھٹکے محسوس ہوتے تھے

لیکن میرے نزدیک یہ آسمانی حوادث بھی جاپان کے لیے درپردہ نعمتوں سے کم نہیں ہیں، اس طرح انھیں موقع ملتا ہے کہ وہ متحد و متفق ہوکر ان آفات ارضی و سماوی کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوجائیں، ہر مصیبت کے بعد جاپان زیادہ بہتر اور قوی تر ہوجاتا ہے، آج اس ہیبت ناک زلزلے کو صرف دس بارہ برس گذرے ہیں لیکن یکوہاما اور ٹوکیو کو دیکھیے جو ہمارے اس بیان کی پوری تصدیق کرتے ہیں، بہرحال ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جاپانی چونکہ قدرت کے سچے پرستار ہیں اس لیے وہ بھی ان پر بہت مہربان ہے، قدرت کی پرستش سے میرا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں کو مناظر قدرت سے فطری عشق ہے، یہ نہیں کہ ہندوستان کی طرح کسی پیپل کی ایک شاخ کے لیے خون خرابے کردیتے ہیں، جاپان نے ہندوستانی تہذیب کی دوسری خصوصیات کی طرح مناظر پرستی کو بھی بڑی عقیدت کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔

میری دلی تمنا ہے کہ میرے ہم وطن فطرت پرستی کے اس بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کرلیں

علہ MUSHROOM

جو ہمارے آبا رو اجداد کو صحت، مسرت، دماغی قوت، سیرت، جدت، اور دانشمندی عطا کیا کرتی تھی، اور علوم و فنون کے میدان میں جن کے کارناموں پر آج دنیا رشک کرتی ہے ہم نے قدرت کو فراموش کر دیا ہے، اس لیے ہمیں ایک بار پھر اسی طرف پلٹنا چاہیئے، مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور ہماری مدد کرے گی بشرطیکہ ہم میں سچی عقیدت اور قوت ارادی کی کمی نہ ہو۔

تیرھواں باب

ریڈیو کے کرشمے

کیا آپ اس کا اعتبار کریں گے کہ جاپان میں غریب سے غریب شخص بھی چھ آنے ماہوار میں ریڈیو سے لطف اندوز ہو سکتا ہی، وہاں آپ ریڈیو کے کرشمے ملاحظہ کیجئے تو شاید آپ کو یقین آجائے

ہندوستان کو غالباً اس کا علم نہ ہوگا کہ جاپان کی ترقی میں ریڈیو کو کتنا دخل ہی، وہاں ریڈیو کے ذریعے سے ملکی اور غیر ملکی گانوں کے علاوہ جسمانی ورزشوں، حفظانِ صحت کے مسئلوں، غیر ملکی زبانوں، سیاسی معاملوں اور تجارتی باتوں کی تعلیم دی جاتی ہی، اور روز کی تازہ بہ تازہ خبریں اخباروں میں نکلنے سے پہلے معلوم ہو جاتی ہیں، صبح سے شام تک ریڈیو اُن کا مستقل ساتھی ہی اور وہ کسی وقت بھی تنہائی محسوس نہیں کر سکتے، جاپان میں ریڈیو کی یہ خصوصیت ہی کہ امیر اور غریب سب یکساں استفادہ کر سکتے ہیں۔

ذرا تصور کیجئے کہ جاپان میں ریڈیو کتنا سستا ہی، یہ صرف چھ آنے ماہوار پر مل جاتا ہی، یہی وجہ ہی کہ جاپان کے ہر گھر میں ریڈیو موجود ہی، حالانکہ ہندوستان میں تو دہلی جیسے بڑے بڑے شہروں میں بھی آپ انگلیوں پر گن سکتے ہیں، پروگرام بھی اتنا دلچسپ اور سبق آموز ہوتا ہی، کہ چاہے کوئی شخص اُن کی زبان بھی نہ جانتا ہو پھر بھی اُسے لطف آتا ہی اور ایک پیسہ روزانہ میں گراں نہیں معلوم ہوتا، کاش ہندوستان میں بھی ریڈیو اتنا ہی سستا اور مفید ہوتا، اس طرح ہم عوام کو دو چار سال کے اندر ہی تعلیم دے سکتے ہیں، لیکن بھلا ہماری حکومت اسے کب گوارا کرے گی یا سستا اور کار آمد بنانے کی پروا کرے گی، اچھا اب میں آپ کو جاپان میں ریڈیو کے نظام کے متعلق چند خاص خاص باتیں سناؤں گا

ریڈیو کیا کچھ کرسکتا ہی

براڈ کاسٹنگ ۶ بجے صبح سے ۱۰ بجے رات تک جاری رہتی ہی، پروگرام تازہ ترین خبروں، موسمی پیشین گوئیوں، تعلیم و تربیت کی باتوں، بچوں کی دلچسپی کی چیزوں اور طرح طرح کی تفریحات پر مشتمل ہوتا ہی، ان میں سے ہر معاملہ کے لیے ماہرین کی ایک پروگرام کمیٹی مقرر ہوتی ہی، یہ کمیٹی اوقات اور مضامین طے کرتی ہی، گذشتہ چند سال میں دو مرتبہ براڈ کاسٹنگ کارپوریشن نے سامعین سے متعدد سوالات کیے تاکہ یہ اندازہ کیا جاسکے کہ پبلک کس قسم کا پروگرام پسند کرتی ہی، روزانہ اخباروں میں بھی ریڈیو کے پروگرام برابر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

حکومت کی جانب سے ریڈیو پر زبردست سنسر ہی، کسی شخص کو ریڈیو کے ذریعہ اپنے سیاسی عقائد کی تبلیغ کرنے یا اپنے مال کا اشتہار دینے کی سخت ممانعت ہی، ایسے اعلانات کی بھی ممانعت ہی جو مفاد عامہ کے خلاف ہوں، مثلاً گھوڑ دوڑ میں جیتنے والوں کی رقم وغیرہ، غرض کہ جاپان کا ذہنی ارتقا بہت کچھ ریڈیو کا ممنون احسان ہی، یہ کہنا ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ عام تعلیم کے سلسلے میں ریڈیو سے بڑی مدد ملی ہی، وہاں حالاتِ حاضرہ خصوصاً قومی بہبودی کی چیزوں کی خوب اشاعت کی جاتی ہی، اور ایسے نازک اور اہم مسائل پر جن پر قوم کے اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہو خاص زور دیا جاتا ہی مثلاً تسخیر منچوریا یا لیگ اقوام سے جاپان کی کنارہ کشی وغیرہ۔

علی الصبح جاپان میں براڈ کاسٹنگ کے ذریعہ جمناسٹک کی جو ورزشیں کرائی جاتی ہیں وہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ ورزشیں اصلاح صحت کی قومی تحریک کا ایک جزو بن گئی ہیں جب اگست سنہ ۳۳ء میں سالانہ گرمائی ریڈیو ورزشوں کا دوسرا دور شروع ہوا تو مسلسل بیس دن تک ۱۲ کروڑ ۵۸ لاکھ اشخاص اس میں شریک ہوتے رہے۔

چونکہ ریڈیو کے مرکز سارے ملک میں ہر مناسب مقام پر قائم ہیں اس لیے مقامی تیوہار اور دوسرے اہم واقعات کے علاوہ مقامی گیت بھی جو پہلے معدودے چند لوگوں کی زبان سے سننے میں آتے تھے عام طور پر قوم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، محض اس غرض سے نہیں کہ

تھوڑی دیر تفریح ہو جائے گی بلکہ اس لیے کہ ساری قوم کو اُن سے واقف ہونا چاہیئے، نجی طور پر براڈ کاسٹنگ کی قطعی اجازت نہیں ہے اور سب مرکز ایک ہی جماعت کی نگرانی میں ہیں، اس لیے خاص خاص باتیں سارے ملک کے سامنے پیش کی جاسکتی ہیں، اس طرح جاپانی تہذیب و تمدن میں یکسانیت پیدا کرنے میں ریڈیو سے بڑی مدد ملی ہے مثلاً زبان کی یگانگت وغیرہ، جب سے ٹوکیو، اوساکا اور ناگویہ کے خاص مرکزوں کے علاوہ نئے مرکزوں کا اضافہ ہوا ہے تو اوقات میں بھی اضافہ کر دیا گیا ہے اور اس کی بدولت عام تعلیم میں بھی حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے، مرد و عورتوں، نوجوانوں، طالب علموں اور بچوں کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ لیکچروں کا انتظام ہوتا ہے، ان لیکچروں میں انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، ہسپانوی اور چینی زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے، اور علم و ادب، فنونِ لطیفہ، اور صنعت و حرفت پر بحث کی جاتی ہے، پروگرام کی تعلیمی مدات میں جمناسٹک کی ورزشیں، موسیقی کے سبق، اور دوسری دلچسپ و کار آمد چیزیں اوقات تعلیم میں مدرسوں میں براڈ کاسٹ کی جاتی ہیں اور استاد اور طالب علم دونوں انھیں بہت پسند کرتے ہیں

ریڈیو کے ذریعہ فنون لطیفہ کی ترقی بھی قابل ذکر ہے مثلاً "ریڈیو ڈرامہ" کا وہاں بڑا شوق ہے، براڈ کاسٹنگ کارپوریشن کی طرف سے ریڈیو ڈرامہ کرنے والوں کو وقتاً فوقتاً انعامات دئے جاتے ہیں اور نئے نئے ماہرین فن کو آلۂ براڈ کاسٹنگ کے ذریعہ پیش کیا جاتا ہے، ہر قسم کے جاپانی تھیٹر کے کھیل اور گانے بھی براڈ کاسٹ کیے جاتے ہیں، اور لوگ انھیں بہت پسند کرتے ہیں، اس کے علاوہ مغرب کے قدیم اور جدید گانے اور جاپان کے عوام کے گیت بھی سنائے جاتے ہیں۔

جاپان میں موسمی کھیلوں کا بڑا رواج ہے اور لوگ اُن کے بہت شائق ہیں ہر روز کوئی نہ کوئی کھیل کسی نہ کسی میدان سے ضرور براڈ کاسٹ کیا جاتا ہے، جب یہ کھیل کھیلے جاتے ہیں تو جاپان کی ہر شہر کی سڑکوں پر ریڈیو کے سامنے لوگوں کا ہجوم ہو جاتا ہے، خاص طور پر فٹ بال کے میچ اور کشتیوں کی خبروں سے لوگ بڑی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔

جہاں تک جاپان میں ریڈیو کا تعلق ہے گذشتہ نو سال تو بنیادی کام کا زمانہ سمجھا

جاتا ہی، اب امید ہی کہ آئندہ تکمیل اور توسیع کا دور شروع ہوگا، فی الحال توسیع کا یہ مقصد ہی کہ سامعین کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور فنی ترمیم واصلاح کی جائے، براڈکاسٹنگ کارپوریشن نے یہ نصب العین قرار دیا ہی کہ "ہر گھر میں ایک ریڈیو سٹ ہونا چاہیئے" اور ہر طرح وہ سامعین کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتا ہی، فنی اصلاح کے سلسلے میں یہ تجویز ہی کہ ریڈیو کی برقی قوت دس کیلوویٹ سے بڑھا کر سو یا ڈیڑھ سو کیلوویٹ کردی جائے۔

جاپان میں ریڈیو اور ٹیلی وژن کی تعلیم کافی ترقی کر رہی ہی، نجی ریڈیو پر سخت سرکاری نگرانی ہی اس لیے وہ ۱۶۸۰۱ لائسنس یافتہ آپریٹر جنھوں نے شوقیہ یہ کام سیکھا ہی چھوٹی لہر دل کے ریڈیو کی اصلاح و ترقی کی کوشش کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں ٹوکیو کی وسیدا یونیورسٹی ہمامتسو کے پولی ٹکنگ اسکول، محکمہ رسل و رسائل کے برقی تجرباتی مرکز اور براڈکاسٹنگ کارپوریشن کے فنی تجرباتی مرکز نے خاص طور پر کوشش کی ہی، براڈکاسٹنگ کارپوریشن ان تجربہ کرنے والے اداروں کو مالی امداد بھی دیتا ہی، ٹیلی وژن کے ماہرین اس میں اس حد تک کامیاب ہو چکے ہیں کہ اب صرف اُسے تجارتی حیثیت سے کارآمد بنانا باقی ہی۔

خاص جاپان میں براڈکاسٹنگ "نپن ہوسوکیوا کائی" (براڈکاسٹنگ سوسائٹی) کے قبضہ اور محکمہ رسل و رسائل کی نگرانی میں ہی، کوریا میں "چوسن ہوسوکیوکائی" کے ماتحت ہی اور فارموسا میں تمام فنی معاملات کا سرکاری جنرل خود انتظام کرتا ہی، صرف تجارتی معاملات "تیوان ہوسوکیوکائی" کے سپرد ہیں جسے تمام آلات کے استعمال کی آزادی ہی اور اپنے اخراجات کے لئے فیس بھی لے سکتی ہی، لیکن ایک ین ماہوار سے زیادہ لینے کی اجازت نہیں، کوان ٹنگ صوبہ میں براڈکاسٹنگ کے تمام انتظامات صوبہ کے ڈائرکٹر رسل و رسائل کے ماتحت ہیں۔

جاپان خاص میں ریڈیو کے ۱۹ مرکز ہیں کوریا میں ایک، فارموسا میں ۵، اور صوبہ کوان ٹنگ میں ایک ہی، دوسرے بڑے بڑے ممالک کے مقابلے میں جاپان میں ریڈیو کا عام استعمال ابھی بہت کم ہی، یہاں جولائی ۳۲ء کے آخر میں ایک ہزار سامعین والے آلات کی تعداد

صرف ۸ تھی، حالانکہ امریکہ میں ۱۲۲، برطانیہ میں ۱۱۵، جرمنی میں ۵۵ تھی، ہنن ہوسو کیوکئی کی یہ خواہش تھی کہ دس لاکھ سٹ لگ جائیں، چنانچہ اس کا مقصد پورا ہو گیا یعنی ۳۲ء کے آخر میں تیرہ لاکھ بیس ہزار ایک سو سینتالیس سٹ خاص جاپان میں، سترہ ہزار ایک سو کیس کوریا میں، گیارہ ہزار آٹھ سو اسی فارموسا میں اور دس ہزار کوان ٹنگ صوبہ میں ہو گئے،

خاص جاپان کے ریڈیو مراکز کا نوآبادیات سے سلسلہ ملا ہوا ہی اور یہاں کے پروگرام ہر جگہ دہرائے جاتے ہیں، جوسن ہوسو کیوکئی دکوریا، تو خاص طور پر جاپان کے پروگرام دہراتی ہی، فارموسا میں بھی وہیں کی گفتگو اور تفریحات دہرانے کا قاعدہ مقرر ہی، اسی طرح کوان ٹنگ صوبہ میں بھی خاص چیز جاپانی پروگرام ہی ہوتا ہی ۱۹۳۲ء میں ۳۱۰۰۳، ۷۰ چیزیں نوآبادیات میں دہرائی گئیں اور اس میں ۳۱،۰۰ گھنٹے ۱۱ منٹ صرف ہوئے، غرض کہ نوآبادیات میں اگرچہ براڈکاسٹنگ کے خود اپنے مراکز موجود ہیں، لیکن وہ پروگرام کے لیے جاپانی مرکز کے قطعی محتاج ہیں یہی صورت خاص جاپان میں بھی ہی اگرچہ نوآبادیات سے نسبتاً کم ہی یہاں بھی مقامی مرکز زیادہ تر ٹوکیو کے مرکز کے محتاج ہیں۔

دوسرے ممالک کی طرح جاپان میں بھی ریڈیو کے آلات بنانے اور بیچنے کا کام نجی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہی لیکن جاپان کا براڈکاسٹنگ کارپوریشن اُن کے چند خاص اجزا کی تصدیق کرتا ہی اور سامعین کی سہولت کے لیے وقتاً فوقتاً اُن کی قیمت اور تفصیل شائع کرتا رہتا ہی تاکہ انہیں خریداری اور انتخاب میں آسانی ہو یوں بھی جاپان میں ریڈیو اتنا سستا ہی کہ غریب سے غریب آدمی بھی اپنے گھر میں اسے لگوا سکتا ہی، تاہم نادار اندھے اور معذور لوگوں کو ریڈیو مفت دیا جاتا ہی، اس کے علاوہ مدرسوں، مزدوروں کی انجمنوں، اور دیگر مفاد عامہ کے اداروں سے بھی فیس نہیں لی جاتی، بوڑھے آدمیوں اور خیراتی اسپتالوں میں بھی براڈکاسٹنگ کارپوریشن کی جانب سے سارے ملک میں بے شمار "مشاورتی مرکز" قائم ہیں جہاں ریڈیو کے آلات نصب کرنے اور اُن کی مرمت کرنے کا کام ہوتا ہی اور سامعین کو ہر قسم کا مشورہ

مفت دیا جاتا ہے۔

ریڈیو سے سارے ملک کو ایک مرکز پر لانے اور ایک مقصد کے لیے متحد و متفق کرنے میں بڑی امداد ملی ہے، چینی جاپانی نزاع یا تسخیر منچوریا ہی کے سلسلے میں ۱۰ لاکھ سٹ لگانے کے مقصد کی تکمیل ہوئی تھی، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ذریعہ خبر رسانی کی حیثیت سے ریڈیو کا عوام پر غیر معمولی سیاسی اثر ہے، اقتصادی حیثیت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کیوں کہ بڑے بڑے شہروں میں دن میں کئی کئی مرتبہ مختلف اشیا کے بھاؤ براڈ کاسٹ کیے جاتے ہیں، اور موسم کی پیشین گوئیوں کا اعلان کیا جاتا ہے جن کا چاول وغیرہ کی قیمتوں پر خاص اثر پڑتا ہے، عام خبروں کے بعد ہی اقتصادی خبروں پر ۶ ہزار گھنٹے صرف ہوئے تھے، پھر بھی ریڈیو کی سیاسی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔

ریڈیو کی ماہانہ فیس پہلے ایک ین تھی لیکن اپریل ۱۹۳۲ء سے ۵۰ سین[1] اور اپریل ۱۹۳۵ء سے صرف ۵۰ سین یعنی چھ آنے کر دی گئی اس کا اثر یہ ہوا کہ اپریل اور اکتوبر کے درمیان ریڈیو کی تعداد میں ۲ لاکھ بیس ہزار کا اضافہ ہو گیا یہ اضافہ ان کی توقع سے بھی زیادہ تھا لیکن اب بھی یہ کہا جاتا ہے کہ فیس بہت زیادہ ہے۔

جاپان میں براڈ کاسٹنگ پر سخت سنسر ہے بعض اقتصادی خبروں کے علاوہ جو کچھ براڈ کاسٹ کیا جاتا ہے اس کا پورا مسودہ پہلے سنسر آفیسر کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور اگر ترسیل کے دوران میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسودہ میں کچھ تبدیلی کی گئی ہے تو فوراً ریڈیو کا سلسلہ کاٹ دیا جاتا ہے

آج کل جاپان میں جو براڈ کاسٹنگ ہوتا ہے، اس میں کم طاقت کی بجلی خرچ کی جاتی ہے لیکن روس اور چین کی زیادہ طاقت کی بجلی سے مقابلہ کرنے کے لیے اب جاپانی حکومت بھی زیادہ قوت کے مرکز قائم کر رہی ہے۔

---

[1] ایک سین = ایک دھیلا

ہندوستانی سرمایہ داروں کو بھی چاہیئے کہ ریڈیو کے آلات بنانے اور براڈکاسٹنگ کے مرکز قائم کرنے میں روپیہ لگائیں ہندوستان میں اس کی کامیابی کے زبردست امکانات ہیں بشرطیکہ سرمایہ دار شروع ہی شروع میں نفع بازی کی کوشش نہ کریں، کیا ہمارے قومی لیڈروں نے ریڈیو کی اہمیت کو کبھی محسوس کیا؟ اور اس کی کوشش کی کہ حصول آزادی کے اس ہتھیار سے بھی کام لینا چاہیئے، اب بھی وقت ہے کہ وہ بیدار ہوں اور دیکھیں کہ ریڈیو کیا کچھ کرسکتا ہے

مہاتما گاندھی سے اپیل

کاش مہاتما گاندھی جاپان تشریف لے جاتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ عوام کی امداد کرنے کے سلسلے میں ریڈیو کتنی کارآمد چیز ہے مجھے یقین ہے کہ اگر ایک مرتبہ بھی وہ جاپان ہو آئیں تو اپنی دیہات سدھار اسکیم میں سب سے پہلی جگہ ریڈیو ہی کو دیں گے، کیوں کہ اگر وہ اپنے آشرم میں بیٹھ کر دیہات کی ضرورتوں پر ایک تقریر براڈکاسٹ کردیں تو وہ ہزاروں کارکنوں کی تقریروں سے زیادہ مفید ثابت ہوگی۔

ریڈیو ہی تنہا وہ ذریعہ ہے جس سے مہاتما گاندھی کا پرامن انقلاب جلد از جلد رونما ہوسکتا ہے اگر جاپان صرف دس سال کے اندر ریڈیو میں اتنی ترقی کرسکا ہے تو آخر ہندوستان کیوں نہیں کرسکتا؟

چودھواں باب

بہترین اخبارات

ہندوستان میں بہت کم لوگ یہ جانتے ہوں گے کہ ایک مشرقی ملک جاپان نے امریکہ اور یورپ کو نہ صرف کپڑا اور متفرق چیزیں سستی تیار کرنے میں مات دی ہے بلکہ وہ ساری دنیا سے بہتر اور سستے اخبار بھی شائع کرتا ہے جن کی اشاعت ہزاروں نہیں لاکھوں تک پہنچتی ہے، برطانیہ کے بڑے بڑے اخباروں کی اشاعت زیادہ سے زیادہ بیس لاکھ ہے لیکن شاید آپ کو یہ سن کر یقین نہ آئے گا کہ "اوساکا ئنچی" اور "اوساکا اساہی" کی اشاعت ۳۰۔۳۵ لاکھ ہے، یہ دونوں اخبار ٹوکیو ہی سے شائع ہوتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے سارے اخباروں کی اشاعت ملا کر بھی جاپان کے ایک اخبار کے برابر نہیں ہو سکتی، وہاں تو ادنی سے ادنی اخبار کی اشاعت بھی ۵۰ ہزار سے زیادہ ہوتی ہے، پھر ان اخباروں کے پاس اپنے ذاتی ہوائی جہازوں اور کبوتروں کی فوج ہوتی ہے جو خبریں اور تصاویر وغیرہ ملک کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک لے جاتے ہیں، آئیے اس باب میں ہم آپ کو وہاں کے اخباروں کا کچھ حال بتائیں۔

علمی اور اقتصادی ترقی کے ساتھ ساتھ جاپان میں ہر سال اخباروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا، سنہ ۱۹۳۱ء کے آخر میں ۱۱۲۸۰ اخبار نکلتے تھے لیکن ایک ہی سال میں اُن کی تعداد ۱۳۳۰۰ ہو گئی، عموماً مشہور اخباروں کی کمپنیاں قائم ہیں، سنہ ۱۹۳۰ء کے آخر میں ان کمپنیوں کی تعداد ۱۲۲۱ اور مصدقہ سرمایہ ۵،۰۹،۳۴،۳۰ ین تھا

جاپان کے تمام اخبارات نجی ملکیت ہیں، یعنی براہ راست حکومت کے زیر اہتمام کوئی

اخبار نہیں نکلتا، جنگ عظیم کے بعد چونکہ تجارتی حیثیت سے اخباروں نے بڑی ترقی کی اس لیئے بیشتر اخباروں کی مشترکہ کمپنیاں قائم ہوگئیں لیکن اُن کے حصے معدودے چند بڑے سرمایہ داروں ہی کے ہاتھ میں رہے، ذیل میں ہم چند اخباروں کے مفصل حالات درج کرتے ہیں،

اوساکا اساہی اور ٹوکیو اساہی ایک ہی کمپنی کی ملکیت میں، اسی طرح اوساکا مینچی اور ٹوکیو نچی نچی بھی ایک ہی کمپنی کے زیر اہتمام ہیں، یہ جاپان کے سب سے بڑے دو اخبار ہیں مالی حالت، عملہ کی کثرت، چیزیں مہیا کرنے اور شائع کرنے کی سہولت، رائے عامہ پر اثر و اقتدار کی وسعت اور کثیر اشاعت وغیرہ میں کوئی اخبار ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا، ان دونوں کمپنیوں کی حیثیت قریب قریب برابر ہے، ٹوکیو اساہی اور ٹوکیو نچی نچی میں سے ہر ایک کی اشاعت ۱۵ لاکھ ہے اور یہ زیادہ تر مشرقی جاپان میں جاتے ہیں، اوساکا اساہی اور اوساکا مینچی میں سے ہر ایک کی اشاعت ۲۰ لاکھ ہے اور اُن کا مغربی جاپان میں زیادہ اثر ہے جس میں فارموسا کوریا، حتیٰ کہ منچوریا اور سنگ ٹاؤ بھی شامل ہیں، یومیوری نہایت عجیب اور عام پسند انداز سے ترتیب دیا جاتا ہے، اس لیے اس کی اشاعت ۸ لاکھ تک پہنچ گئی ہے، اور اب اس کا ٹوکیو میں تیسرا نمبر ہے لیکن چونکہ یہ صرف مقامی طور پر فروخت ہوتا ہے اس لیے مجموعی اشاعت کے لحاظ سے ہوچی شیمن سے کچھ پیچھے ہے، چوگئی شوگیو تجارتی دنیا میں بہت مقبول ہے کیوں کہ اس میں نہایت مفصل تجارتی چیزیں درج ہوتی ہیں، لیکن اشاعت کے اعتبار سے یہ مذکورہ بالا اخبارات سے بہت کم ہے۔

جاپان میں مفصلات کے اخباروں نے دوسرے ممالک کی طرح ترقی نہیں کی، اس کے اسباب یہ ہیں کہ اُن کے پاس سرمایہ کی کمی ہے اور خبریں مہیا کرنے کی کافی سہولتیں میسر نہیں ہیں، علاوہ ازیں رسل و رسائل کی حیرت انگیز ترقی کی وجہ سے ٹوکیو اور اوساکا کے اخباروں کو عموماً اور مذکورہ بالا دو بڑے بڑے اخباروں کو خصوصاً مفصلات پر چھاپہ مارنے کا پورا موقع ملتا ہے پھر یہ دونوں اخبار ہر ضلع کے لیے ایک ایک ورق کا مقامی ضمیمہ بھی

شائع کرتے ہیں، اس سے بھی مقامی اخباروں کو سخت نقصان پہنچتا ہی، ریلوں اور طباعت کی جدید ترین مشینوں کی وجہ سے یہ بڑے بڑے اخبارات آسانی سے اس قسم کا اقدام کر سکتے ہیں

اس زبردست مقابلہ کی وجہ سے مقامی اخباروں کو سخت کشمکش کرنا پڑتی ہی، مثلاً چار مقامی اخباروں نے (شن ئے چی، فوکو کا نچی نچی، اکا ہوکو، اور ہوکوئی ٹائمز) جاپان پریس لیگ کے نام سے اپنی ایک انجمن قائم کرلی ہی جو خبریں اور دیگر سامان مشترکہ طور پر خریدتی ہی، موخر الذکر دو اخباروں نے آپس میں یہ معاہدہ کرکے اشاعت کے علاقہ بھی تقسیم کرلئے ہیں

ٹوکیو اور اوساکا کے خاص خاص اخبارات بالکل غیر جانب دارانہ رویہ رکھتے ہیں لیکن مقامی اخبار بیشتر کسی نہ کسی سیاسی یا جماعتی مفاد کی ترجمانی کرتے ہیں۔

خبر رساں ایجنسیوں میں سے رنگو نیوز ایجنسی اور نپن ڈمپو سوشین شا، سب سے پیش پیش ہیں، اول الذکر اپنے آپ کو قوم کا خادم کہتی ہی اسے اپنی خبروں کی صحت پر ناز ہی، اور دنیا کے ایسوشی ایٹیڈ پریس میں شریک ہی، موخر الذکر کا مقصد مقبول عام خبریں جلد از جلد بہم پہنچانا ہی، یہ بہترین تصاویر مہیا کرنے میں خاص طور پر مشہور ہی، اس کا دعویٰ ہی کہ گذشتہ دس سال میں تار اور ٹیلیفون کی خبروں کا دو تہائی حصہ سارے ملک کو اسی نے بہم پہنچایا۔

انگریزی اخبارات

انگریزی کے بہت سے اخبارات بھی امریکنوں اور انگریزوں کی زیر ادارت شائع ہوتے ہیں، پہلے ٹوکیو، لوکوہاما، کوبے، ناگاساکی، سب جگہ ملا کر کل انیس اخبار نکلتے تھے، ان میں سے جاپان گزٹ اور جاپان میل تو جاپانی زبان کے تمام اخباروں سے بھی پرانے تھے لیکن اب ان اخباروں میں سے کوئی بھی باقی نہیں ہی بعض کی اشاعت بند ہوگئی اور بعض دوسرے اخبارات کے ساتھ مخلوط کر دیئے گیے، اب صرف ایسے انگریزی اخبار ہیں جو جاپانیوں کی ملکیت نہیں ہیں۔

(۱) جاپان اڈورٹائزر، یہ نومبر ۱۸۹۰ء میں جاری ہوا تھا، امریکہ کی ایک مشترکہ کمپنی کی ملکیت ہی اور ۱½ لاکھ ین سرمایہ ہی، آزاد خیال ہی لیکن ہندوستانی معاملات میں برطانیہ کا حامی ہے

(۲) ٹرانس پیسفک:- یہ بھی جاپان اڈورٹائزر ہی کے یہاں سے ہفتہ وار شایع ہوتا ہے اس میں جاپان، چین، فلپائن، ڈچ ایسٹ انڈیز، اسٹریلیا، اور نیوزی لینڈ کے متعلق معتبر اور قابل وثوق مالی اور اقتصادی معلومات شایع ہوتی ہیں، اپنے قسم کا سب سے اچھا اخبار ہے،

(۳) جاپان کرانکل:- یہ جولائی ۱۸۹۹ء میں جاری ہوا تھا، ایک انگریز کی ملکیت ہے، اس کا نام کوبے کرانکل تھا جس میں ہوگو نیوز شامل تھا، یہ جاپان اور ہندوستان کے سخت خلاف ہے

(۴) جاپان ٹائمز جاپانیوں کے زیر اہتمام شایع ہوتا ہے، اور غیر ممالک میں بہت مشہور ہے، یہ مارچ ۱۹۰۵ء میں جاری ہوا تھا اس کے حصہ داروں کے نام معلوم نہیں ہیں، سرمایہ ۵ لاکھ ین ہے اور خریداروں کی تعداد ۲۵ ہزار ہے۔

(۵) اوساکا منچی اور ٹوکیو نچی نچی بھی اسی نام سے ایک انگریزی اخبار شایع کرتے ہیں جاپانی ملکیت کے انگریزی اخباروں میں یہ سب سے بہتر ہے، تازہ ترین خبروں کے علاوہ اس میں اور بہت سی خوبیاں بھی ہیں اور چند چیزوں کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے

خبر رساں ایجنسیاں

۱۔ رنگو نیوز ایجنسی - اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر ملک کی ایک خبر رساں ایجنسی کے ساتھ اشتراک عمل کر کے خبر رسانی کا ایک جال سا بچھا دیا جائے، چنانچہ اس نے تیس خبر رساں ایجنسیوں کے ساتھ مل کر دنیا کا ایک ایسوسی ایٹیڈ پریس قائم کیا ہے، یہ سب آپس میں ایک دوسرے سے خبروں کا تبادلہ کیا کرتی ہیں، انگلستان کی رائٹر ایجنسی سے، امریکہ کے ایسوسی ایٹیڈ پریس سے، فرانس کے ہواس سے، اور روس کے ٹاس سے اس کا خاص تعلق ہے، رنگو کی جاپان میں اٹھارہ اور چین و منچوریا میں دس شاخیں ہیں، ٹوکیو اور کوبے کے درمیان رنگو کی اپنی ٹیلیفون لائن ہے، لیکن اس کے پاس تصاویر منتقل کرنے کا آلہ نہیں ہے، بلکہ سرکاری محکمہ سے معاہدہ ہے اور اسی سے کام چلاتی ہے جاپان کے قریب قریب تمام اخباروں کو تار کی خبریں مہیا کرنے کے علاوہ یہ لاسلکی کے ذریعہ بھی خبریں بہم پہنچاتی ہے، پہلے تو دن میں پانچ مرتبہ جاپانی زبان اور رومن حروف میں تین سو الفاظ

بھیجتی تھی لیکن تسخیر منچوریا کے بعد سے دن میں دو مرتبہ دوسو الفاظ انگریزی میں بھیجنے لگی ہی،

(۲) نپن ڈمپو بسوشن شانے امریکہ کے یونائٹیڈ پریس سے خاص معاہدہ کرلیا ہی اور اس کے وسیع رسل و رسائل سے استفادہ کرتی ہی، اس کی جاپان میں ۲۲ شاخین، منچوریا اور چین میں نو، لندن میں ایک اور نیویارک میں ایک شاخ ہی، یہ جاپان کے ۹۰ فی صدی اخبارات سے خبروں کا تبادلہ کرتی ہی، اس کے پاس تصاویر منتقل کرنے کا اپنا ذاتی آلہ ہی، اس کے علاوہ ٹوکیو اور فیوکیو کا کے درمیان آٹھ سو میل کی نجی ٹیلیفون لائن بھی ہی، جاپان میں نپن ڈمپو کے علاوہ صرف اساہی، منیچی اور نچی نچی، کے پاس اس قسم کے آلے ہیں، لیکن نپن ڈمپو کے برابر کسی کے پاس سازوسامان نہیں ہی، یہ ایجنسی تو ٹیلیفون کی خبر کے ساتھ ہی ساتھ تصاویر بھی منتقل کردیتی ہی، اس کے علاوہ لاسلکی سے بھی خبریں بھیجتی ہی، یعنی قرب و جوار کے ممالک کو دن میں تین مرتبہ جاپانی زبان میں ایک ہزار الفاظ ارسال کرتی ہی، اس کی نیویارک کی شاخ شمالی اور جنوبی امریکہ کے اخباروں کو جاپانی خبریں بذریعہ ڈاک بھیجتی ہی دوسری چھوٹی خبر رسان ایجنسیوں کے متعلق کوئی بات خاص طور پر قابل ذکر نہیں ہی۔

دو خاص اخبار

(۱) اوساکا اور ٹوکیو کے اخبار اساہی کی ایک شاخ اور ۱۹ نامہ نگاروں کے بیورو ہیں، جن میں چارسو نامہ نگار کام کرتے ہیں، غیر ممالک میں تیس مستقل نامہ نگار ہیں، اس کے پاس بیس ہوائی جہاز ہیں اور ٹوکیو اوساکا کے درمیان اپنی نجی ٹیلیفون لائن اور تصاویر منتقل کرنے کا آلہ ہی، علاوہ ازیں وہ رنگو اور نپن ڈمپو سے بھی خبریں لیتا ہی، پھر ان خبروں کو سارے ملک میں اور منچوریا و سنگ تاؤ تک پہنچاتا ہی، اس کا انگریزی کا ہفتہ وار مصوّر اڈیشن بھی غیر ملک والوں میں بہت مقبول ہی،

(۲) اوساکا منیچی اور ٹوکیو نچی نچی کی جاپان میں ۲۶ شاخین اور ۴۳ خبروں کے شعبے ہیں، چین اور منچوریا میں تین شاخیں اور چھ نامہ نگاروں کے بیورو ہیں، امریکہ میں ایک بیورو اور روس میں ایک نمائندہ ہی، اساہی کی طرح اس کے بیرونی نامہ نگار بھی سب جاپانی ہیں، باقی تمام

باتوں میں بھی یہ اساہی کے برابر ہی لیکن یہ تمام اخباروں کے مقابلہ میں زیادہ تیزی سے ترقی کرر ہا ہی۔

(۳) مذکورہ بالا دو بڑے بڑے اخباروں کے علاوہ دو اور اخباروں کا تذکرہ کرنا ضروری ہی، یومیوری شمبن نے بھی امریکہ کے ہرسٹ سنڈیکیٹ سے خبروں کے تبادلہ کے سلسلہ میں ایک خاص معاہدہ کیا ہی، اور جیجی شمبو کے بھی بیرونجات میں بہت سے نامہ نگار ہیں۔

خبر رسانی کے اخراجات عام اطلاعات کے مقابلہ میں خبروں کی ترسیل پر ۶۰ فی صدی کم محصول لیا جاتا ہی۔

(۱) اندرونی تاروں کی شرح (علاوہ پتہ کے ۵ سین کے) حسب ذیل ہی

	۵۰ حروف (جاپانی) یا دس الفاظ (یوروپین)	مزید ۵۰ حروف (جاپانی) یا دس الفاظ (یوروپین)
اندرونی	۲۵ سین	۱۰ سین
اندرونی تا اوگاسوارا یا اوگاسوارا تا فارموسا گوریا سگالین وغیرہ	۲۵ سین	۲۰ سین

ملاحظہ کیجئے کہ جاپان میں پچاس حروف کا تار ۳ آنے میں جاسکتا ہی۔

(۲) ٹیلیفون سے خبریں ارسال کرنے کی فیس :- ٹیلیفون کے قواعد کے مطابق (جو اگست ۱۹۰۰ء میں نافذ ہوئے تھے اور جن میں بارہا ترمیم کی جاچکی ہی) ایک خبر کی فیس عام فیس کا ۲/۵ ہوتی ہی، یہی صورت رات کی خبروں کی بھی ہی۔

اخباروں اور خبر رساں ایجنسیوں کی نگرانی ۱۹۰۹ء کے ضابطہ جرائد میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہی اس میں اکثر ایسے دفعات موجود ہیں جو آزادی خیال اور آزادی تحریر کے لحاظ سے نامناسب

سمجھے جا سکتے ہیں، ان میں سے بعض کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:-

(۱) وزیر داخلہ کسی ایسے اخبار کی فروخت و اشاعت روک سکتا ہی جو اس کی نظر میں امن عامّہ کے خلاف یا مخرب اخلاق ہو، اگر ضرورت ہو تو اُسے ضبط بھی کر سکتا ہی، ایسی صورت میں ناشر اور مدیر کو ۶ ماہ سے کم قید یا ۲۰۰ ین سے کم جرمانہ کی سزا بھی ہو سکتی ہی۔

(۲) اگر کوئی اخبار کوئی ایسی چیز شائع کرے جو خاندان شاہی کے وقار کو صدمہ پہنچانے والی ہو یا جس میں موجودہ نظام حکومت میں تبدیلی کی تلقین کی گئی ہو یا جس کے ذریعہ سے ملک کا مروجہ قانون نظر انداز کیا گیا ہو تو ناشر اور مدیر کو ۲ سال سے کم قید یا ۳۰۰ ین سے کم جرمانہ کی سزا ہو سکتی ہی، ایسی حالت میں عدالت اخبار مذکور کی اشاعت کو بھی مستقلاً بند کر سکتی ہی۔

(۳) وزیر جنگ، وزیر خارجہ اور امیر البحر بذریعہ حکم خاص فوجی خبروں یا بین الاقوامی گفت و شنید کی اطلاعات کی اشاعت روک سکتے ہیں یا ان پر پابندیاں عائد کر سکتے ہیں۔

(۴) اخباروں کو ممانعت ہی کہ کسی مقدمہ کے ابتدائی بیانات مقدمہ شروع ہونے سے پہلے شائع نہ کریں اور اگر سرکاری وکیل منع کر دے تو کسی تفتیش یا تلاشی کا نتیجہ بھی شائع نہ کریں، نیز زیر سماعت مقدمہ پر رائے زنی نہ کریں۔

(۵) اخبارات کو ہر طرح کی تصحیح غیر مشروط طریقہ پر شائع کرنی پڑتی ہی

(۶) ہر اخبار کو مقامی افسر کے روبرو ۵۰۰ ین تک زرِ ضمانت داخل کرنا پڑتا ہی،

تار یا ٹیلیفون سے خبریں بھیجنے پر نسبتاً کم پابندیاں عائد ہیں، بلکہ بعض معاملات تو ایسے ہیں جن پر سنسر بھی نہیں ہی پھر بھی چند قوانین موجود ہیں مثلاً ضابطہ لاسلکی تار برقی بابتہ سنہ ۱۹۰۵ء جس کی رو سے

(۱) لاسلکی تار برقی اور ٹیلیفون حکومت کے ماتحت ہی

(۲) ذمہ دار وزراء اگر عام رسل و رسائل یا فوجی مقاصد کے لیے ضروری سمجھیں تو کسی لاسلکی یا ٹیلیفون کے معاملہ میں سرکاری منظوری منسوخ کر سکتے ہیں یا آلات میں تبدیلی کرنے کا حکم

دے سکتے ہیں، یا اُس کے استعمال پر پابندیاں عائد کر سکتے ہیں یا قطعی روک سکتے ہیں۔

(۳) ذمہ دار افسر اگر کسی لاسلکی، تار برقی یا ٹیلیفون کی اطلاع یا خبر کو امن عامّہ کے خلاف یا مخرب اخلاق سمجھیں تو اُسے عارضی یا مستقل طور پر روک سکتے ہیں۔

جاپان کے اخباروں کا پہلا مقصد پبلک کی حقیقی خدمت کرنا ہی اور جب کبھی ملک پر کوئی ناگہانی مصیبت آتی ہو یہ اخبار لاکھوں روپے چند روز کے اندر فراہم کر دیتے ہیں اور اسپتال، اشیائے خوردنی۔ کپڑے۔ مدرسے۔ کتب خانے۔ لائبریریاں سب چیزوں کا انتظام کرتے ہیں یہی وجہ ہو کہ وہاں کے اخبار پبلک میں بہت ہردل عزیز ہیں۔

کاش ہمارے اخبارات بھی اس سے کچھ سبق سیکھ سکیں!

پندرھواں باب

دلکش جاپان

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست![1]

آئندہ جنگ شروع ہونے سے پہلے جاپان ضرور دیکھیئے!

میرے دل میں اکثر یہ خیال آتا ہے کہ اگر میں ہندوستان کا ڈکٹیٹر ہو جاؤں تو فوراً ایک لاکھ نوجوانوں اور سارے لکھپتیوں کو یہ حکم دے دوں کہ جاپان جائیں اور خود دیکھیں کہ اگر عقل و فراست، ولولہ شباب، اور سرمایہ سے مشترکہ طور پر کام لیا جائے تو ایک قوم کیا کچھ کر سکتی ہے، اس کے علاوہ میں ہندوستان کے مذہبی رہنماؤں کو بھی جاپان بھیجوں تاکہ وہاں جا کر وہ مذہبی رواداری کا عملی سبق سیکھیں۔

دنیا کی دوبارہ سیاحت میں میں جاپان اور امریکہ سے بہت زیادہ متاثر ہوا، امریکہ جانا اور وہاں رہنا تو ہم غریبوں کے لیے گراں پڑتا ہے جاپان میں وہ سب کچھ موجود ہے جو آپ یورپ اور امریکہ میں دیکھ سکتے ہیں اس لیے اگر کوئی شخص جاپان دیکھ لے تو سمجھنا چاہیئے کہ اُس نے تہذیب جدید کے تمام نمونے دیکھ لیے۔

جاپان میں قدم قدم پر کشش موجود ہے اور آپ جاپانی جہاز پر قدم رکھتے ہی جاپانیوں کے اعلیٰ اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

---

[1] ہر ہر قدم پر کرشمے دل کو کھینچتے ہیں کہ بس یہی جگہ ہے، یہی جگہ ہے۔

وطن پرستی، کام میں ایک دوسرے کی رفاقت کا سچا جذبہ، زندہ دلی، دیانت داری، صفائی اور نفاست، فطرت پرستی، موت سے بے خوفی، مذہبی رواداری، محنت کا شوق، اور خوش اخلاقی، یہ جاپانیوں کی چند قومی خصوصیتیں ہیں جو ہر سیاح پر ایک دائمی اثر چھوڑ جاتی ہیں، اُنہی محاسن کے سیکھنے کے لیے میں چاہتا ہوں کہ میرے ہم وطن وہاں تشریف لے جائیں،

ہندوستان کو بھی قدرت نے دل کش اور جانفزا مقامات سے آراستہ کیا ہی مثلاً کشمیر، مسوری، نینی تال، الموڑہ، دارجلنگ، شیلانگ، وادیٔ کلّو، مری، اوٹاکمنڈ، نیل گری گنگوتری، اودے پور کی جھیلیں، ملابار وغیرہ۔ یہاں ہم مناظر قدرت سے لطف اٹھا سکتے ہیں لیکن جاپانی مناظر بھی جذب وکشش میں ہندوستانی مناظر سے کسی طرح کم نہیں ہیں مثلاً جاپان کا "بحر اندرونی" اپنے حسن وجمال میں ساری دنیا میں لاثانی ہی،

میں جاپان میں یہ محسوس کرتا تھا کہ یہ جزیرے کی شکل میں ایک بڑا کشمیر ہی، جو خوشنما مناظر، صحت آور مقامات، مکمل فن وہنر، اعلیٰ اخلاق وعادات اور قدیم رسم ورواج کی وجہ سے بجا طور پر سرزمین تفریح کی حیثیت رکھتا ہی، سارے ملک میں جدید ترین آسائشیں موجود ہیں مثلاً بہترین ریلیں، اعلیٰ ترین ہوٹلیں، عمدہ سے عمدہ سڑکیں، اور مکمل ترین اسپتال وغیرہ، اس کے علاوہ جاپان میں قدیم زمانے کی وہ دلآویزی بھی پائی جاتی ہی جو مشرق کا حصہ ہی، مغربی آسائشوں کے ساتھ ساتھ یہ مشرقی دلآویزی اور کسی ملک میں نہیں ملتی، ان سب پر قدرت کی رنگینیاں مستزاد ہیں، جگہ جگہ پُرسکون ندیاں اور جھیلیں، خوش نما پہاڑیاں اور جزیرے رنگ برنگے مندر اور مقبرے پائے جاتے ہیں جو دیکھنے والے کے دل ودماغ پر کبھی نہ مٹنے والا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔

طبعی حالات

جاپان براعظم ایشیاء کے مشرقی ساحل پر منطقۂ باردہ سے منطقۂ حارہ تک ۲۹۰۰ میل کی لمبائی میں واقع ہی اس لیے وہ ہر قسم کی آب وہوا سے بہرہ مند ہی، مثلاً فارموسا (تیوان)، کا جنوبی حصہ تو منطقۂ حارہ میں واقع

ہونے کی وجہ سے گرم ہی اور جنوبی سگھالین رکرافوٹو سخت سرد ہی کیوں کہ وہ بحر شمالی کے زیر اثر ہی، رہا خاص جاپان تو شمالی جزیرے ہوکیڈو کے علاوہ سارا ملک منطقہ معتدلہ میں واقع ہی اس لیے یہاں نہایت خوشگوار آب و ہوا ہی۔

جاپان مشرقی دنیا میں آمد و رفت کا مرکز ہی کیوں کہ یہاں تین راستے آکر ملتے ہیں، ایک تو امریکہ سے آتا ہی دوسرا نہر سویز ہو کر یورپ سے آتا ہی اور تیسرا روس کا بری راستہ، اسی وجہ سے جاپان کے خاص خاص بندرگاہ، یکوہما، کوبے، ناگاساکی، سوروگا، اور موجی وغیرہ آمد و رفت کے لحاظ سے دنیا میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

جاپان کے طبعی حالات اور پہاڑوں، ندیوں، جھیلوں، اور خلیجوں کی فراوانی نے وہاں ایسے ایسے مناظر پیدا کر دیئے ہیں جن کی دنیا میں مثال ملنا مشکل ہی، ہر سیاح سر زمین جاپان پر قدم رکھتے ہی ان مناظر کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہی، پھر تاریخ کی عظمت اور روایات کی نزاکت نے اس میں اور چار چاند لگا دیئے ہیں، اس ذیل میں آکن، دیسے سوزان، تووادا نکو، فوجی، ہاکون، جاپانی ایلپ، یوشینو، کومانو، دیسن، آلو، بحر اندرونی اُنزن، اور کری شیما، خصوصیت سے قابل دید ہیں، آخر الذکر مقامات تو قومی چمن تسلیم کیے جاتے ہیں اور باقی کے متعلق یہ تسلیم کیا جاتا ہی کہ ان میں بھی اس کی اہلیت موجود ہی، یہ قومی چمن پر عظمت آتش فشانی پہاڑوں، صاف شفاف پہاڑی جھیلوں، گھنے جنگلوں اور بے شمار جنگلی پھولوں سے مالامال ہیں، قریب قریب ہر جگہ گرم چشمے بھی بکثرت پائے جاتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ قدرتی چمن یورپ اور امریکہ کے پر فضا مقامات پر فوقیت رکھتے ہیں، علاوہ ازیں یہاں مندروں اور مقبروں کی شکل میں صنّاعی کے بہترین نمونے اور صدیوں پرانے تاریخی آثار بھی ہیں، جو ہر سیاح کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتے۔

جاپان کے برابر کسی ملک میں اتنی تفریح گاہیں ہیں اور نہ کہیں سیّاحوں کو اتنے مواقع بہم پہنچائے جاتے ہیں کہ وہ لوگوں کی روزانہ زندگی کا مطالعہ کر سکیں، بعض تفریح گاہیں تو

شہروں سے دور مضافات میں واقع ہیں جہاں پرانی عجیب وغریب رسمیں اب تک برقرار ہیں اور بعض سیاحوں کے لیے مخصوص ہیں، جہاں آرام وآسائش کا جدید ترین سامان موجود ہے، جاپان میں ایک ہزار سے زیادہ ایسے چشمے ہیں جن میں کسی نہ کسی قسم کی دھات کی آمیزش ہے، اور سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ صحت اور علاج کے لیے اُن کا پانی نہایت مفید ہے، حتیٰ کہ بعض میں ریڈیم کا اثر بھی پایا جاتا ہے، نوبوری تبو رعب آفرین آتش فشانوں کے لیے مشہور ہے، کوستو میں گندھک ملے ہوئے پانی کے حمام ہیں، اکاؤ، ہاکون اور اریما میں دلربا کوہستانی مناظر ہیں اور اتامی، اینو، سرا ہما، کتسورا، جزیرہ نمائے ایزو، اور کئی وغیرہ برّی اور بحری مناظر کے خیال سے بہت پسند کیے جاتے ہیں، بپو ساری دنیا میں "گرم چشموں کے شہر" کے نام سے مشہور ہے، آپ یہاں سمندر میں بھی غسل کر سکتے ہیں، ساحل پر قدرتی گرم پانی سے بھی نہا سکتے ہیں، معمولی گرم کیے ہوئے پانی سے بھی اور سٹیم سے بھی، اُنزن ایک دوسری مشہور تفریح گاہ ہے، جہاں ہر سال چین وجاپان کے مختلف مقامات سے لوگ تفریح کی غرض سے آتے رہتے ہیں،

جاپان کی تفریح گاہیں زیادہ تر بڑے بڑے شہروں کے قریب ہی واقع ہیں، اُن کے مناظر بڑے دلکش اور آب وہوا بڑی خوشگوار ہے، اس کے علاوہ وہاں علاج معالجہ کا بھی پورا انتظام ہے، بعض مقامات پر بجھے ہوئے آتش فشانوں کے آثار بھی پائے جاتے ہیں اور لہلاتے ہوئے سبزہ زاروں اور شاداب وادیوں نے انھیں تفریح کا مرکز بنا دیا ہے، جاپان کی ساحلی تفریح گاہوں میں کشتی چلانے مچھلیوں کا شکار کھیلنے اور تیرنے کا سامان مہیا رہتا ہے اور ساتھ ہی اس کا بھی موقع ہوتا ہے کہ قرب وجوار کی پہاڑیوں کا لطف اٹھایا جائے، کوروئی زوا، کماکورا، آتامی، نوجیری جھیل، میاجیما، کرتسو، متسو شیما اس کے لیے خاص طور پر مشہور ہیں، ان میں ہر جگہ یورپین اور جاپانی انداز کی اعلیٰ درجہ کی ہوٹلیں بھی ہیں،

موسمی دلچسپیاں جاپان میں ہر مہینے نئی نئی دلچسپیاں ہوتی ہیں، جنوری نوروز کی چہل پہل کے لیے مشہور ہے جو پانچ روز تک جاری

رہتی ہے، فروری میں برف کی افراط ہوتی ہے اور اس کے بعد پھر پھلوں کا زور شروع ہو جاتا ہے یعنی مارچ میں ناشپاتی اور شفتالو تو اپریل میں شہرہ آفاق شاہ دانے چلتے ہیں مئی سے خوشنما پھولوں کی بہار ہوتی ہے جن کا لطف اٹھانے کے لیے لوگ تفریح کو نکل کھڑے ہوتے ہیں اور خود ان کے رنگ برنگ کے لباس، پھولوں سے لدے ہوئے چمنوں میں عجب بہار دکھاتے ہیں، جاپان گویا سبز مخمل سے ڈھک جاتا ہے اور موسم بہار میں درخت اور بیلیں پھولوں پتیوں سے لدے ہوتے ہیں، یہ ہرا بھرا آسمان اور تروتازہ ہوا پھر لوگوں کو گھروں میں نہیں بیٹھنے دیتی، جنوب کے علاوہ اگرچہ جاپان میں سردی کافی پڑتی ہے لیکن مطلع عموماً صاف رہتا ہے اور دھوپ خوب نکھر کے نکلتی ہے، جس سے ایک حد تک سردی کا اثر زائل ہو جاتا ہے، سخت سے سخت سردیوں میں بھی شائد ہی کوئی دن ایسا ہوتا ہو کہ چند گھنٹے کے لیے بھی سورج نہ نکلتا ہو، اس کے علاوہ طرح طرح کے سرمائی کھیل بھی کچھ عرصے سے بہت مقبول ہو رہے ہیں اُن کی وجہ سے جسم میں ایک خاص گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور سردی کی شدت محسوس نہیں ہوتی۔

تہوار اور تعطیلیں کسی قوم کے عادات و اطوار اور رسم و رواج کا اگر اندازہ لگانا ہو تو تہواروں اور سالانہ تقریبوں سے بہتر کوئی موقع نہیں ہوتا جاپان میں تو ایک نہ ایک تہوار آئے دن پڑا رہتا ہے، یہ تو گویا تہواروں کی سرزمین ہے اور اس کے بعض تہواروں میں بہت کچھ ہندوستانیت نمایاں ہوتی ہے۔

نوروز کی تقریب چہل پہل اور رنگینیوں سے معمور ہے، ہر کہ ومہ اسے سب سے بڑے قومی تہوار کی حیثیت سے مناتا ہے لڑکے پتنگ اڑاتے ہیں اور لڑکیاں گیند بلا کھیلتی ہیں، سڑکوں پر تفریح کرنے والوں کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے، ہر گلی، سڑک اور گھر کو بانس اور صنوبر کے پتوں سے سجایا جاتا ہے، غرض کہ سارے جاپان پر عجب رونق ہوتی ہے، ہر شخص اچھے اچھے کپڑے پہنے گھومتا پھرتا ہے، چاولوں کی روٹی (موچی) کھاتا ہے، چاولوں کی شراب (ساکے) پیتا ہے اور پانچ دن تک خوب جشن کرتا ہے، سچ پوچھیے تو نوروز جاپان کا سب سے

زیادہ پر مسرت زمانہ ہی،

نوروز کے بعد ۳ مارچ کو لڑکیوں کا تہوار پڑتا ہی جس میں گڑیاں سجائی جاتی ہیں، اس کے بعد ۵ مئی کو لڑکوں کا تہوار ہوتا ہی جس میں کاغذ اور کپڑے کی مچھلیاں اڑائی جاتی ہیں اور فوجی قسم کے کھلونے بنتے ہیں۔ ۱۰ جولائی کو "تقریب انجم" ہوتی ہی جو دو عاشق و معشوق ستاروں کے وصل کی یادگار میں منائی جاتی ہی، یہ سب تہوار پرانے زمانے سے چلے آتے ہیں، جولائی میں ایک اور تہوار اُوبون یا "دعوت چراغان" بھی ہوتا ہی اس موقع پر مرحومین کی ارواح کے اعزاز میں قدیم طرز کا رقص ہوتا ہی کیوں کہ بودھ مذہب والوں کا یہ عقیدہ ہی کہ اس زمانے میں تمام روحیں دنیا کی سیر کرنے آتی ہیں، عموماً جولائی ہی میں ٹوکیو کی سومیڈ ندی کے کنارے آتش بازیاں چھڑائی جاتی ہیں، ان کا عکس جب پانی میں پڑتا ہی تو بڑا بھلا معلوم ہوتا ہی اور ہزاروں آدمی دریا کے کنارے کنارے پرے جمائے اس کا تماشہ دیکھتے ہیں، ان تہواروں پر پھولوں کی گاڑیوں اور مندر کی کشتیوں کو خوب سجا کر اُن کا جلوس نکالتے ہیں جنہیں لوگ وردیاں پہنے ہوئے کھینچتے ہیں، جولائی سے اکتوبر تک دریائے ناگارہ پر قدیم طریقے سے آیو مچھلیاں پکڑنے کا لطف بھی کبھی فراموش نہیں ہو سکتا، اس موقع پر ماہی گیر پرانی وضع کا لباس پہنے آگے آگے ہوتے ہیں اُن کے اردگرد پروں کا لباس پہنے ان کے پیادے ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں میں تار کی بنی ہوئی آگ کی ٹوکریاں ہوتی ہیں تاکہ انھیں دیکھ کر مچھلیاں دوڑ آئیں۔

کھیل اور تفریحات

جدید ڈراموں کے علاوہ جو غیر ممالک کے تتبع میں رائج ہو گئے ہیں یہاں قدیم جاپانی تماشے بھی ہوتے ہیں، جن میں کبوکی یا علمی ڈرامے، نوہ یا سرودی ڈرامے اور ننگیو شیبی یا کٹھ پتلی کے تماشے خاص طور پر مقبول ہیں، کبوکی تو یورپین ڈراموں کے طرز پر ہوتے ہیں اور فنی اعتبار پر بہت بلند پایہ ہوتے ہیں، نوہ بالکل ناچ، گانوں اور نظموں پر مشتمل ہوتے ہیں اور اُن میں زیادہ تر تاریخی واقعات بیان کیے جاتے ہیں، ان کھیلوں کے نہایت تفصیلی قواعد و ضوابط بھی مقرر ہیں، کٹھ پتلی کا تماشہ ایک طرح کا مخلوط

فن ہی، اس میں کٹھ پتلیوں سے کام لیا جاتا ہی اور ساتھ ہی گانے والوں کی چوکیاں گائی جاتی ہیں اور ساز بجتا جاتا ہی، سینما وغیرہ بھی ہر جگہ موجود ہیں اور اتنے اعلیٰ اور جدید ترین سامان سے آراستہ ہیں جیسے مغرب میں ہو سکتے ہیں، ان کے علاوہ جگہ جگہ بے شمار ہوٹلیں، قہوہ خانے شراب خانے، سرود خانے اور ناچ گھر ہیں جہاں آپ اپنے مذاق کے مطابق لطف اٹھا سکتے ہیں۔

اسی طرح جاپان کے گیشا رقص بہت مشہور ہیں جو عموماً دعوتوں اور تقریبوں کے موقعوں پر پیش کیے جاتے ہیں، ان میں میاکو اودوری، نینوا اودوری، ازومی اودوری، ہر موسم بہار میں کیوٹو، اوساکا اور ٹوکیو میں ہوتے ہیں اور باہر کے سیاح انھیں بہت پسند کرتے ہیں، ان کی دلکش سین سینریاں اور دلربا ناز و انداز ایک مرتبہ اگر آپ دیکھ لیں تو شاید ساری عمر نہ بھولیں۔

جاپان میں سماجی تقریبیں اور میدانی کھیل بھی کافی ہوتے ہیں جنھیں دیکھنے کا ہر سیاح خواہشمند رہتا ہی، اس کے علاوہ علم و فن کے شائقین کے لیے نمائشیں، عجائب خانے اور آرٹ گیلریاں بھی بکثرت ہیں، میجی کے مقبرے اور کوشیں اسٹیڈیم کے میدان مشرق کے سب سے بڑے کھیل کے میدان مانے گیے ہیں اول الذکر ٹوکیو میں اور آخر الذکر اوساکا میں ہی ان میں سے ہر ایک میں ۶۰ ہزار تماشائیوں کی گنجائش ہی جاپانیوں کو کشتی (سومو) کا بڑا شوق ہی، ہر جنوری اور مئی میں پیشہ ور پہلوانوں کا ششماہی دنگل ہوتا ہی، فن مدافعت (جودو) کی بھی ہر جگہ نوجوان مشق کیا کرتے ہیں، گھوڑ دوڑ بھی ہر بہار و خزاں کے زمانے میں مختلف مقامات پر ہوتی ہی اور گولف بھی کافی مقبول ہو رہا ہی، اس کے لیے تقریباً ستر اعلیٰ درجہ کے ڈور[1] بنے ہوئے ہیں بعض پہاڑیوں میں اور بعض ساحلوں اور ندیوں کے کنارے تاکہ یورپ اور امریکہ کے سیاح اپنا شوق پورا کر سکیں سرمائی کھیل مثلاً برف پر[2] چلنے وغیرہ کا بھی لطف اٹھایا جا سکتا ہی اس کے لیے شمال و مشرقی اضلاع میں چند مقامات مخصوص ہیں اور ٹوکیو میں بھی اس کے حلقے[3] بنے ہوئے ہیں،

---

١ GOLF COURSE ٢ SKATING & SKIING

٣ RINKS

فن و ہنر

اپنے فطری اور مصنوعی حسن وجمال کی وجہ سے جاپان سیاحت کے لئے موزوں ترین جگہ مانی گئی ہی، ہر مذاق کے شخص کے لیے یہاں کافی دلچسپی کا سامان موجود ہی اور ہر فن و ہنر مثلاً فن عمارت، سنگ تراشی، مصوری، نقاشی وغیرہ کے بہترین نمونے دیکھنے میں آتے ہیں، عام عجائب گھروں اور تصویر خانوں میں یا نجی ذخیروں، بودھ مندروں اور شنٹو مقابر میں اس قسم کے بے شمار قدیم جواہر محفوظ ہیں، بہت سی بیش قیمت چیزوں کو سرکاری طور پر "قومی دولت" تسلیم کیا گیا ہی، ان میں سے بیش تر تو ہر سیاح بلا روک ٹوک دیکھ سکتا ہی لیکن بعض کے لیے خاص اجازت لینے کی ضرورت ہوتی ہی کیوٹو اور نارا جاپان کی قدیم راج دھانیاں ہیں، اور اس قسم کے بیش بہا جواہر کے لیے خصوصیت سے مشہور ہیں، کماکورا نکو اور اُن کے قرب وجوار میں قدیم مندر اور تاریخی مقابر بکثرت پائے جاتے ہیں، بہر حال آرٹ کے شائقین کو ٹوکیو اور نارا کے شاہی عجائب خانے۔ کیوٹو کا میونسپل عجائب خانہ، اور ٹوکیو کے میجی مقبرے کا تصویر خانہ ضرور دیکھنا چاہیے ان تینوں عجائب خانوں میں تو صدیوں پرانی نادر چیزیں موجود ہیں اور تصویر خانے میں مشہور مصوروں کے وہ شاہکار ہیں جو شاہ میجی کی یادگار میں تیار کیے گئے تھے، لیکن جو لوگ جدید قسم کا آرٹ دیکھنا چاہتے ہیں انہیں تیتن (فنون لطیفہ کی سرکاری نمائش) ضرور دیکھنا چاہیے جو ہر سال موسم خزاں میں ٹوکیو میں ہوتی ہی۔

متفرق نادر اشیا میں مختلف اقسام کے کانسے اور چینی کے نقشین برتن، ہاتھی دانت کا سامان، رنگین چھپائی کا کام، پنکھے، پردے، چھتریاں، گڑیاں وغیرہ اور ان سب سے بڑھ کر ریشم اور ریشم کے کپڑے ہوتے ہیں، غیر ملکی سیاح ان سب کو بہت پسند کرتے ہیں اور بڑے شوق سے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، یہ چیزیں بڑے بڑے شہروں کے عجائب خانوں، ذخیروں اور تحائف کی دکانوں پر فروخت ہوتی ہیں۔

جاپان کے بڑے بڑے شہر

جاپان میں بہت بڑے بڑے شہر ہیں جنہیں اپنی قدیم تاریخ اور جدید ترقی پر ناز ہی ٹوکیو کی آبادی ۶۰ لاکھ کے قریب

ہے آبادی کے لحاظ سے ساری دنیا میں اس کا تیسرا نمبر ہے، ۱۹۲۳ء کے زلزلے اور آتش زدگی کے بعد سے جو حیرت انگیز تعمیرات ہوئی ہیں ان سے ٹوکیو کی صورت ہی بدل گئی ہے، اب تو وہ دنیا کے جدید ترین بڑے بڑے شہروں کی طرح معلوم ہوتا ہے جس میں سینکڑوں سات سات آٹھ آٹھ منزلہ عمارتیں اور صاف ستھری کھلی ہوئی، چوڑی چوڑی پختہ سڑکوں کا ایک جال سا بچھا ہوا ہے۔

اوساکا جاپان کا صنعتی مرکز اور دنیا کی بہت بڑی روئی کی منڈی ہے، کیوٹو پہلے جاپان کا دارالحکومت تھا، یہ ہزارہا برس کی جاپانی تہذیب کا گہوارہ ہے، اس لیے سیاحوں کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے، اس کے قرب و جوار میں ہزاروں مندر اور مقبرے ہیں اور یہاں اب بھی پرانی تہذیب و تمدن کے آثار پائے جاتے ہیں، کیوٹو ان قدیم جاپانی صنعتوں کا بھی مرکز رہا ہے جنھوں نے ساری دنیا سے خراج تحسین وصول کیا ہے، نارا بھی کسی زمانے میں جاپان کا دارالحکومت تھا، یہ گوتم بدھ کی کانسے کی عظیم الشان مورت کے لیے، اپنے وسیع چمنوں کے لیے، عمارتوں کے آثار قدیمہ کے لیے اور صناعی کے حیرت انگیز نمونوں کے لیے مشہور ہے، یوکوہاما اور کوبے دو مشہور بندرگاہیں ہیں جو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں اور امریکہ و یورپ کے سیاح یہیں سے جاپان میں داخل ہوتے ہیں، ناگویا قدیم شاہی محل کے لیے مشہور ہے، یہ تجارتی طور پر بہت ترقی پذیر اور خوش حال ہے، اور چینی کے برتنوں کی صنعت کا مرکز ہے۔

کس جہاز سے جانا چاہیئے؟

ہندوستان سے جاپان جانے والوں کو میرا یہی مشورہ ہے کہ وہ بمبئی یا کولمبو سے ”این۔وائی۔کے“ جہاز میں سفر کریں، اس میں آمد و رفت کا سیکنڈ کلاس کا کرایہ صرف چار سو روپیہ ہوتا ہے لیکن اگر آپ کے پاس زیادہ وقت نہ ہو تو اطالیہ کے لائیڈ ٹریسنو جہاز میں سفر کرنا چاہیئے، یہ بمبئی سے شنگھائی کے لیے مہینہ میں ایک بار چھوٹتا ہے، وہاں سے ”این۔وائی۔کے“ جہاز کے ذریعہ ناگاساکی کا صرف تیس گھنٹہ کا راستہ ہے، یہ جہاز اتنے تیز رفتار ہیں گویا اُڑے چلے جاتے ہیں ان کا انتظام بھی نہایت معقول ہے، ان میں سیکنڈ کلاس نہیں ہوتا لیکن فرسٹ کلاس بھی کچھ

زیادہ گراں نہیں پڑتا۔

ان صبا رفتار جہازوں پر جاپان کے بحر اندرونی کا سفر اتنا دل خوش کن ہوتا ہے کہ تمام عمر یاد رہے پروانہ راہ داری کی جانچ پڑتال اور کسٹم کی دیکھ بھال سب جہازوں ہی پر ہو جاتی ہے اس لیے اُترنے پر کوئی پریشانی نہیں ہوتی، اطالوی جہاز بھی بہت تیز اور آرام دہ ہوتے ہیں، جاپانی اور اطالوی دونوں قومیں بڑی خلیق اور مہمان نواز ہیں اس لیے میری قطعی رائے یہی ہے کہ ان دو ملکوں کے جہاز کے علاوہ اور کسی پر سفر نہ کرنا چاہیئے، میں نے تو سات ملکوں کے اُنیس مختلف جہازوں پر سفر کیا ہے اور میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستانیوں کے لیے انہی دو ممالک کے جہاز نہایت موزوں ہیں۔

میرے پیارے ہم وطن! کوبے میں تقریباً آٹھ سو ہندوستانی رہتے ہیں، یہاں اترتے ہی آپ کو ایسا معلوم ہوگا جیسے اپنے گھر آگئے بہت سے ہندوستانی یہاں تجارت کرتے ہیں اور اُن کی کافی دکانیں ہیں یہ لوگ ہندوستان کے مختلف صوبوں سے آئے ہیں لیکن زیادہ تر سندھی، گجراتی اور پنجابی ہیں، اپنے ہندوستانی بھائیوں کی مہمان نوازی کرنے میں یہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اُن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہندو مسلمان بالکل بھائیوں کی طرح رہتے سہتے، نہایت آزادی سے آپس میں ملتے جلتے اور کھاتے پیتے ہیں، جلسے اور محفلیں بھی مشترکہ ہوتی ہیں، کوبے میں انڈین نیشنل کانگریس کی ایک شاخ ہے، ایک ہندوستانیوں کا کلب ہے، ایک ہندوستانی عورتوں کی انجمن ہے، اس کے علاوہ بہت سے صوبہ جاتی کلب اور انجمنیں بھی ہیں، اس سے کوبے کے ہندوستانیوں کی سرگرمیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے، جہاز میں عموماً آپ کو یوروپین کھانا ملتا ہے، لیکن ایک ماہ بعد جب آپ کو کوبے پہنچ کر اعلیٰ سے اعلیٰ ہندوستانی کھانے بکثرت ملتے ہیں تو ان میں ایک خاص مزہ آتا ہے، ہر ہندوستانی چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان جب آپ سے ملے گا تو پہلے "بندے ماترم" کرے گا پھر خود بخود آپ کی خدمت کو تیار ہو جائے گا، کوبے

کے ہندوستانی ایسے مہمان نواز ہیں کہ اگر آپ کچھ زیادہ عرصہ تک اُن کے مہمان ہیں اور احتیاط سے کام نہ لیں تو بدہضمی کی شکایت ضرور ہو جائے گی۔

کوبے کی ہندوستانی عورتیں بھی نہایت تہذیب یافتہ اور سچی وطن پرست ہیں اور ہر قومی اور رفاہی کام کے لیے دریا دلی سے روپیہ دیتی ہیں، مسز علی نہایت سرگرم قومی کارکن ہیں، ہر ہندوستانی کام میں یہ پیش پیش نظر آتی ہیں، اور ہندوستانی زنانہ کلب کی روح رواں ہیں، ان کا شاندار مکان بھی زنانہ کلب کا نقشہ پیش کرتا ہے جہاں آپ کو ہر صنف کی عورتیں ملتی ہیں، کوبے کا یہ زنانہ کلب اپنی قسم کا بہترین کلب ہے، تمام ممالک میں بلکہ خود ہندوستان میں بھی ہندوستانی عورتوں کا ایسا کلب مشکل ہی سے نکلے گا، یہاں کی عورتوں نے ہر موقع پر یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ مردوں سے پیچھے رہنے والی نہیں ہیں، میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے اپنی کوبے کی بہنوں پر بڑا ناز ہے۔

سولھواں باب

جاپان میں ہندوستان کی جھلک

ممکن ہی بعض حضرات اسے تنگ نظری سے تعبیر کریں لیکن یہ واقعہ ہی کہ مجھے جاپان سے اس وجہ سے محبت ہی کہ اس نے ہندوستان کے بہت سے فنون لطیفہ کو نہایت عقیدت سے برقرار رکھا ہی، مثلاً موسیقی، رقص، پھولوں کی آرائش، خوشبوؤں کا سلگانا، وغیرہ، میں نے بہت سے جاپانی مورخین کو یہ کہتے سنا ہی کہ فلاں فلاں فن ہندوستان ہی سے آیا، ہم نے اسے محفوظ رکھا اگرچہ ہندوستان میں وہ ختم ہوگیا۔

یہ باتیں سن کر ایک ہندوستانی کی حیثیت سے میرا دل باغ باغ ہوجاتا ہی، اپنے ہم وطنوں کو یہ بتانے کے لیے کہ جاپان والے ہندوستان کے احسانات کے واقعی ممنون ہیں میں ذیل میں سرکاری کتاب "رہبر جاپان" کے چند اقتباس پیش کرتا ہوں۔

پھولوں کی آرائش جاپان کی نفاست اور فنون لطیفہ سے شغف کے ثبوت میں پھولوں کی آرائش کو خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے، اکثر امریکہ سے لوگ یہ فن سیکھنے آتے ہیں، ملاحظہ کیجئے کہ کتاب مذکور میں اس کے آغاز وابتداء کے متعلق کیا لکھا ہی۔

"پھولوں کو سجانے کا فن دراصل ہندوستان میں شروع ہوا تھا، وہاں ابتدا میں گوتم بدھ کی مورتی پر پھول چڑھائے جاتے تھے، جاپان میں اب سے کوئی تیرہ سو برس پہلے یہ فن آیا تھا،

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ شہزادہ شنشو کو نے پہلے پہل یہ حکم دیا تھا کہ بدھ کی مورت پر پھول چڑھائے جائیں، پھر چودھویں صدی کے آخری زمانہ میں آشیکاگا شوگن کی سرپرستی میں اس فن نے بڑی ترقی کی، اس کے بعد ٹوکوگاوا دور میں بہت سے ادارے بن گئے جنھوں نے اس میں بہت سی نئی نئی جدتیں پیدا کیں"

پھولوں کی آرائش میں تین بنیادی تخیل ہوتے ہیں یعنی (۱) ابتدائی اصول (آسمان)، (۲) ضمنی اصول (زمین)، (۳) توازنی اصول (انسان) اور اس آرائش کو بالکل مہمل اور بے جان تصور کیا جاتا ہے جن میں یہ اصول نمایاں نہ ہوں، اگر صرف ایک پودے یا شاخ سے کام لیا جاتا ہے، تو اُس کا وہ درمیانی حصہ جس کا رخ اوپر کی طرف ہوتا ہے آسمان کا مظہر ہوتا ہے بیچ کی وہ شاخیں جو اس (۷) شکل میں اِدھر اُدھر جھکی ہوں انسان کی مظہر ہوتی ہیں اور بائیں جانب کی سب سے نیچے والی شاخ جس کا رخ ذرا اوپر کی طرف ہو زمین کی مظہر ہوتی ہے، بعض مرتبہ تین شاخیں اسی مقصد کے لیے استعمال کی جاتی ہیں، اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ ایک ہی پودے کی ہوں۔

دوسری اہم چیز مذکورہ بالا تینوں حیثیتوں سے پھولوں کی ترتیب ہے، یہ پھولوں کی نوعیت جگہ کی حیثیت اور موقع محل کی مناسبت سے ترتیب دیے جاتے ہیں، ناچنے کے شاہانہ لباس کے پھول پہلے اصول کے، سہ پہر کے آرام دہ اور پرتکلف لباس کے پھول دوسرے اصول کے اور خلوت کے خوشنما خانگی لباس کے پھول تیسرے اصول کے مظہر ہوتے ہیں۔

کمرے کو پھولوں سے سجاتے وقت اس کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ دیواروں کا رنگین مصوّر کاغذ ان سے نہ چھپ جائے اگر اس کاغذ پر پہاڑی منظر بنے ہوں تو ایسے پھول گلدان میں رکھنا چاہیئے جو دریا کے کنارے یا وادیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور اگر کاغذ پر بیل بوٹے بنے ہوں تو باغ کی پھول دار ٹہنیاں منتخب کرنا چاہیے تاکہ کاغذ کے مناظر سے بہر صورت مناسبت رہے۔



پریوں کا جلوس

شادی کے موقع پر پھولوں کو اس طرح سجانا چاہیئے کہ وہ بالکل فطری معلوم ہوں، صنوبر، بانس اور بیران تینوں کے مجموعہ کو جاپانی میں شوچکو بائی کہتے ہیں اور یہ تسلسل، فارغ البالی اور پاکیزگی کے مظہر ہیں، خوشی کے موقع پر انہیں مبارک سمجھا جاتا ہے اور ایسے پھول استعمال نہیں کیے جاتے جو ٹوٹ کر جلد گر جاتے ہیں۔

خوشبو سلگانا جس طرح تقریب چائے سے قوت ذائقہ کی اور پھولوں کی آرائش سے قوت باصرہ کی تربیت کی جاتی ہے اسی طرح خوشبوئیں سلگانے سے (جسے جاپانی میں کودو کہتے ہیں) قوت شامہ کی تربیت کی جاتی ہے، اس کی ابتدا بھی ہندوستان ہی سے ہوئی وہاں سے یہ رسم چین میں پھر چین سے جاپان میں آئی، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی صدی میں خوشبودار لکڑی کا ایک ٹکڑا بہتا ہوا جزیرہ آواجی کے کنارے آ لگا تھا لوگوں نے اسے اٹھا کر شاہ سوئی کو کی خدمت میں پیش کیا اور انھوں نے نارا کے تودئی جی مندر کو عطا کیا، اس کے بعد آٹھویں صدی میں شاہ شوموکو وسطی ایشیا سے چند خوشبوئیں تحفہ میں بھیجی گئیں یہ بھی انھوں نے تودئی جی مندر کو دے دیں، آج بھی نارا کے عجائب خانہ میں یہ چیزیں موجود ہیں، اس کے بعد وسطی ایشیا۔ کوریا، اور چین سے طرح طرح کی خوشبوئیں آئیں لیکن خوشبوؤں کا وہ مرکب جسے اواسے کو کہتے ہیں دسویں صدی میں چین سے آیا یہی موجودہ بخور کی اصل بنیاد ہے خوشبوئیں سلگانے کو پہلے مذہبی حیثیت حاصل تھی لیکن پندرھویں صدی میں اس نے ایک دنیاوی اور تفریحی صورت اختیار کر لی اب اس سے کپڑوں کو بسایا جاتا ہے یا مہمان کی آمد پر مکان کی ہوا کو معطر کیا جاتا ہے، اکثر جنگ پر روانہ ہوتے وقت سپاہی اپنے خود کو اُن سے معطر کرتے ہیں تاکہ اگر وہ مارے جائیں تو بدبو پاس نہ آسکے۔ تفریحی اعتبار سے اس سے لوگوں کی قوت شامہ کا امتحان کیا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ میزبان خوشبو سلگاتا ہے اور مہمان اس کے سامنے نیم دائرے میں بیٹھ جاتے ہیں بعض مرتبہ اس مقابلہ کے شرکا کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، پھر خوشبو کا سلگتا ہوا برتن ہر ایک کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور انھیں سونگھ

کر یہ بتانا ہوتا ہے کہ کونسی خوشبو سلگائی گئی ہے سب کی رائے ایک کاغذ پر لکھ لی جاتی ہے اور کھیل کے آخر میں نمبر دیئے جاتے ہیں اس طرح جو جیتتا ہے اسے انعام دیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں روسا جیتنے والوں کو ڈھال اور تلوار عطا کیا کرتے تھے۔

چائے کی تقریب جاپانی زبان میں اس تقریب کو چا۔نو۔یو کہتے ہیں، وہاں کے شرفا میں نہ صرف یہ ایک تفریحی شغل ہے بلکہ اس سے ذہنی تربیت بھی مقصود ہے۔

پہلے چائے دوا کی حیثیت سے استعمال ہوتی تھی، جنوبی چین میں اس کا پودا پیدا ہوتا تھا اور اسے تکان کو دور کرنے، روح کو مسرور کرنے، قوت ارادی کو راسخ و مضبوط کرنے اور نگاہ کو تیز کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، ٹاوی لوگ اسے آب حیات کا اہم جزو سمجھتے تھے، اور بودھ سادھو اس لیے استعمال کرتے تھے کہ طویل مراقبوں میں غنودگی نہ طاری ہونے پائے، بودھوں نے زین فرقہ کے بہت سے اصول اپنے عقائد میں داخل کر لیے، اور اس طرح چائے کی تقریب کی ابتدا ہوئی یعنی بودھ کی مورت کے سامنے بہت سے سادھو جمع ہوتے تھے اور انتہائی تقدس کے ساتھ ایک ہی پیالہ میں سے چائے پیتے تھے، زین فرقہ کی یہی رسم پندرھویں صدی میں تقریب چائے کی باضابطہ شکل اختیار کر گئی۔

پہلے پہل جاپان کے تانگ دربار میں اکثر سفیر چائے کی پتی لائے تھے، اس کے بعد ۱۱۹۱ء میں ساکچو نامی ایک سادھو چین سے اس کا بیج لایا اور کیوٹو کے پاس کوہ ہی ئی پر اسے بویا، کتابوں سے اس کے بعد کے زمانہ میں اکثر چائے کے باغات کا پتہ چلتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ روسا اور سادھو خاص طور پر اس سے شوق کرتے تھے، پندرھویں صدی میں یوشیماسا کی سرپرستی میں تقریب چائے نے مکمل صورت اختیار کی پھر رفتہ رفتہ جاپانی تہذیب میں اسے خاص اہمیت حاصل ہو گئی۔

چائے خانے کو سوکیہ کہتے ہیں اس میں ایک تو چائے کا خاص کمرہ ہوتا ہے جس میں صرف

پانچ شخصوں کی گنجائش ہوتی ہے ایک پچھلا کمرہ ہوتا ہے جسے مذویا کہتے ہیں اس میں چاء کے برتن وغیرہ رکھے اور صاف کیے جاتے ہیں، ایک برآمدہ یا یورت سوکی ہوتا ہے اس میں مہمان آکر جمع ہوتے ہیں، اور ایک روِش یا روجی ہوتی ہے جو برآمدہ سے خاص کمرہ تک جاتی ہے، خاص کمرہ عموماً نوفٹ مربع ہوتا ہے اس میں ایک دروازہ میزبان کے داخل ہونے کے لیے اور ایک مہمانوں کے لیے ہوتا ہے، مہمان والا دروازہ بہت نیچا ہوتا ہے کہ وہ جھک کر داخل ہوں اس کا مقصد اظہار عجز و انکسار ہوتا ہے، کمرے میں ساڑھے چار چٹائیاں (ٹاٹامی) پڑی ہوتی ہیں چار تو مہمانوں کے لیے اور نصف میزبان کے لیے، میزبان کی چٹائی بیچوں بیچ میں ہوتی ہے اور اس کے ایک طرف ایک مربع آتش دان ہوتا ہے جس پر لوہے کی کیتلی رکھی ہوتی ہے، اس کے پاس میزبان بیٹھتا ہے اور چائے بنانے کا تمام سامان اپنے پاس رکھتا ہے، یہ چیزیں اکثر بہت نادر ہوتی ہیں اور میزبان چائے کے بعد انھیں بڑے غور سے دیکھتے ہیں۔

چائے کی تقریب، موسم، موقع محل اور میزبان کے عقیدے کے مطابق مختلف طریقوں سے ہوتی ہے، اور ہر عقیدے کے لوگ مختلف قسم کے برتن وغیرہ استعمال کرتے ہیں، ذیل میں اس تقریب کی تفصیل درج کی جاتی ہے:-

مہمان برآمدے میں جمع ہونا شروع ہوتے ہیں، اور وہاں کی مختلف چیزوں کو جو بڑی نفاست اور سلیقے سے سجائی جاتی ہیں نہایت شوق و انہماک سے دیکھتے ہیں، ان سے بے اعتنائی برتنا گویا ناقابل معافی جرم ہے، کیوں کہ اگر مہمان ان چیزوں کی طرف توجہ نہ کریں تو میزبان بہت مایوس اور بددل ہوتا ہے، کچھ عرصہ بعد میزبان آتا ہے سب کے سامنے تعظیماً جھکتا ہے اور پھر ایک لفظ بھی زبان سے کہے بغیر چائے کے خاص کمرے میں چلا جاتا ہے، اس کا منشا ہے کہ سب چیز تیار ہے اب تشریف لائیے، مہمانوں میں سب سے معزز شخص اُن کا سردار ہوتا ہے اور وہ آخر تک یہ خدمت انجام دیتا ہے، مہمان روِش پر ہو کر چائے کے کمرے میں جاتے ہیں یہ روش ۲۵ فٹ لمبی ہوتی ہے اور اس طرح بنائی جاتی ہے کہ گویا انسان دنیا کے تمام تعلقات منقطع کر کے

ایک پُرسکون مقام پر جار ماہی، چٹائیں، درخت پتھر کی لالٹین وغیرہ اس طرح ترتیب دی جاتی ہیں کہ اُن سے فطرت وصنعت کا ایک دلکش مجموعہ تیار ہو جائے، چاء کے کمرے کے سامنے پانی کا بھرا ہوا ایک پتھر کا برتن رکھا ہوتا ہے، مہمان کمرے میں داخل ہونے سے پہلے یہاں ہاتھ دھوتے اور کلّی کرتے ہیں، ہمیشہ سردار پہلے ہاتھ منھ دھوتا ہے اور وہی کمرے میں قدم رکھتا ہے،

سب مہمان اپنی اپنی چٹائیوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور بڑے احترام سے کیمونو کو دیکھتے ہیں، اُس کے بعد اُن کی نظر عود دان پر پڑتی ہے جو ایک طرف الماری میں رکھا ہوتا ہے، جب اُس کی خوشبوئیں مہمانوں کے اعزاز میں آتش دان میں ڈال دی جاتی ہیں تو سردار اُسے قریب سے دیکھنے کے لیے مانگتا ہے، عموماً اُسے دیکھتے وقت ایک ریشم کے کپڑے سے پکڑتے ہیں اور احتیاط کے خیال سے اسی کو بچھا کر پھر اسے چٹائی پر رکھتے ہیں، اس کے بعد ناشتہ پیش کیا جاتا ہے، اسے کئے سیکی کہتے ہیں، یہ اس دعوت کا خاص جزو ہے اور نہایت احتیاط سے تیار کیا جاتا ہے اس میں بھی اتنے ہی دور ہوتے ہیں جتنے قدیم جاپانی دعوت میں، اور آداب کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ مہمان کوئی چیز جھوٹی نہ چھوڑیں، اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ ہر چیز میزبان خود لاتا ہے کیوں کہ چائے کے کمرے میں بجز میزبان کے اس درمیان میں کوئی دوسرا داخل نہیں ہو سکتا، تاکہ وہاں کے سکون واطمینان میں خلل نہ پڑے، اس موقع پر میزبان مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا، کھانا کھانے کے بھی نہایت مفصل آداب مقرر ہیں، خصوصاً کھانے کی تیلیاں پکڑنے کے، جب ناشتہ ختم ہو جاتا ہے تو مہمان رکابیاں اور پیالے کشتی میں رکھ دیتے ہیں اور میزبان انھیں اٹھا کر پیچھے والے کمرے میں لے جاتا ہے، اس کے بعد مٹھائی پیش کی جاتی ہے اور اس طرح یہ دور ختم ہوتا ہے، پھر میزبان کی درخواست پر سب مہمان اٹھ کر دوسری جگہ چلے جاتے ہیں جہاں اُن کے لیے ایک بنچ پڑی ہوتی ہے، اسے درمیانی وقفہ کہتے ہیں۔

دوسری نشست گویا خاص تقریب کہلاتی ہے، چاء کے کمرے میں ایک چھوٹا سا کانسے یا لکڑی کا تختہ لٹکا ہوتا ہے، مہمانوں کو بلانے کے لیے اس پر آہستہ آہستہ پانچ یا سات ضربیں

مارتے ہیں، مہمان پھر ہاتھ منھ دھوتے ہیں اور اسی ترتیب سے داخل ہوتے ہیں، اندر آکر وہ دیکھتے ہیں کہ اب کاکیمونو وہاں نہیں ہے بلکہ اسکی جگہ پھول سجائے گیے ہیں۔

آتش دان کے پاس پسی ہوئی چاء رکھی ہوتی ہے اس کے دو تین چمچے ایک پیالہ میں ڈالے جاتے ہیں، اوپر سے گرم پانی ڈال کر بانس کے ایک چمچہ سے اُسے اتنا چلایا جاتا ہے کہ جھاگ اٹھنے لگیں، جب یہ تیار ہو جاتی ہے تو میزبان سردار کے سامنے پیالہ بڑھاتا ہے اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر ذرا سا خم کرتا ہے پھر اپنے بائیں ہاتھ پر پیالہ رکھ کر اور سیدھے ہاتھ سے اسے سنبھال کر ایک گھونٹ لیتا ہے اس کے بعد اپنے میزبان کی طرف نظر اٹھا کر اس کی خوشبو اُس کے ذائقہ اور اُس کے تناسب کی تعریف کرتا ہے، پھر دو تین گھونٹ لے کر دوسرے مہمانوں کی طرف بڑھا دیتا ہے اسی طرح سب اس میں سے چاء پیتے ہیں اور یہ دور ختم ہو جاتا ہے آخری مہمان پھر میزبان کو پیالہ دے دیتا ہے اس درمیان میں مہمان پیالے چمچے وغیرہ بڑے شوق سے مانگ مانگ کر دیکھتے ہیں اور یوں یہ تقریب اختتام کو پہنچتی ہے۔

اس کے بعد اسی کمرے میں یا کسی دوسرے میں ہلکی چائے پیش کی جاتی ہے لیکن اب اتنے تکلفات نہیں ہوتے، اس موقع پر عموماً دو پیالے ہوتے ہیں، ہر مہمان چاء پی کر اپنا پیالہ میزبان کو واپس کرتا ہے، وہ دوسرے پیالے میں چاء بنا کر دوسرے مہمان کو دیتا ہے اور اس پیالہ کو اچھی طرح دھونے کے بعد استعمال کرتا ہے، اس طرح باری باری سب کو چاء پیش کی جاتی ہے، چاء کی تقریب میں پورے چار گھنٹے صرف ہوتے ہیں لیکن کسی کو ذرا بھی گرانی محسوس نہیں ہوتی مہمان ایک دوسرے سے ناآشنا نہیں ہوتے کیوں کہ میزبان انھیں دعوت دیتے وقت اس کا خاص لحاظ رکھتا ہے تاکہ یگانگت کی فضا قائم رہے، اس درمیان میں مختلف مسائل پر گفتگو بھی ہوتی جاتی ہے کیوں کہ اس تقریب کا مقصد یہی ہوتا ہے۔

بالآخر مہمان اپنے میزبان کو سلام کر کے رخصت ہوتے ہیں، پھر دوسرے دن یا تو خود شکریہ ادا کرنے آتے ہیں، ورنہ شکریہ کا خط بھیج دیتے ہیں —

ان رسموں کے علاوہ بیسیوں تقریبیں اور مذہبی رسمیں ایسی ہیں جو بالکل ہندوستانی معلوم ہوتی ہیں مگر ان سب کا ذکر اس مختصر کتاب میں ناممکن ہی، ہر ہندوستانی سیاح جاپان میں جابجا اور خاص کر مندروں اور مقبروں میں یہ محسوس کرتا ہی کہ وہ ہندوستان میں موجود ہی، غرض کہ جاپان کے لوگوں پر ہندوستانی تہذیب اور مذہبی رسوم کا اثر غالب ہی۔

سترھواں باب

پانچ سو مذاہب کی سرزمین

دنیا میں اگر کوئی ملک مذہبی رواداری کی زندہ مثال ہے تو وہ جاپان ہے، جہاں ایک ہی گھر میں عیسائی مذہب، بودھ مت، شنٹو دھرم اور کمیونزم کے پیرو ایک خاندان کے افراد اور بھائی بھائی کی حیثیت سے رہتے ہیں، وہ لوگ ہندوستان کی طرح مذہب کو آلہ کار نہیں بناتے جاپان میں مذہبی جھگڑوں کا کبھی نام بھی سننے میں نہیں آتا، مجھ سے اکثر حضرات دریافت کرتے ہیں کہ ہندوستان کے مذہبی دیوانے آخر جاپان والوں کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ میرا جواب صاف ہے یعنی "مختلف مذاہب کے خود ساختہ لیڈر حکومت کی امداد اور سرپرستی میں اپنے ذاتی اغراض کے لیے مذہب کو ایک بہانہ بناتے ہیں اور عوام میں ابھی تک یہ احساس پیدا نہیں ہوا ہے کہ وہ ان نام نہاد مذہبی رہنماؤں کو ملک کا حقیقی دشمن سمجھ سکیں" اگر آپ پوچھیں کہ جاپان کا مذہب صرف ایک لفظ میں بتاؤ تو میں بلا تامل بول اٹھوں گا "وطن پرستی"!

ہندوستان کی طرح جاپان میں وطن پرستی محض ایک جذبہ کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ یہ اُن کا مذہب ہے، خواہ اُن کے روحانی عقائد کچھ بھی ہوں، اور خواہ وہ بودھ ہوں یا عیسائی یا شنٹو لیکن وہ اپنے وطن سے انتہائی محبت رکھتے ہیں اور اپنی جانیں بھی اس پر سے قربان کر دینے کو ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

مذہبی عقائد کے لحاظ سے ان میں بے شمار فرقے ہیں اور شاید آپ کو یہ سن کر تعجب ہو کہ اب اُن کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی ہے، اس عرصے میں جاپانیوں کے مذہبی عقائد میں عجیب و غریب

تبدیلیاں ہوئی ہیں اور آئے دن مختلف اضلاع سے نئے نئے مذاہب کی اطلاع آتی رہتی ہے یہاں تک کہ محکمہ تعلیم کے مذہبی بیورو کے پاس اوسطاً ہر ہفتہ ایک نئے مذہب کے جاری ہونے کی اطلاع آجاتی ہے، مقامی گورنروں نے اس صورت حال کی تحقیقات کی اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ عوام تو مالی مشکلات کی وجہ سے کسی معجزے یا عجیب وغریب چیز کی تلاش میں رہتے ہیں اور تعلیم یافتہ حضرات موجودہ مذاہب سے مطمئن نہیں ہیں اس لیے تلاش حق میں سرگرداں رہتے ہیں اور وہ سپاہی جو منچوریا سے صحیح وسالم واپس آگئے ہیں سمجھتے ہیں کہ وہ کسی قدرتی ہاتھ یا مذہبی فیض کی امان میں رہے اور بخیر وعافیت واپس آگئے، غرض کہ ان تمام چیزوں سے مل جل کر نئے نئے مذاہب کی ابتدا ہوتی ہے۔

اس وقت جاپان میں کوئی پانچ سو مذاہب یا فرقے ہیں، بعض مذاہب کے تو صرف معدودے چند پیرو ہیں یہ لوگ اپنی عبادت گاہوں میں جو روپیہ نذر کرتے ہیں اس سے بھی ایک بڑی رقم جمع ہو جاتی ہے، دراصل بعض مذاہب کا مقصد ہی صرف روپیہ جمع کرنا ہے، ان میں سے سات مذہب تو ایسے ہیں جو لمیٹیڈ کمپنی کے انداز پر چلائے جاتے ہیں ان مذہبی فرقوں اور جماعتوں کی نگرانی کے لیے ایک قانون بھی ہے لیکن اس میں اصلاح کی کافی ضرورت ہے اس لئے مسٹر متسودا وزیر تعلیم کا ارادہ ہے کہ اُن کی معقول اور مکمل نگرانی کے لیے عنقریب ایک مؤثر قانون بنائیں۔

اگرچہ جاپان کے مذاہب کے متعلق کتابوں پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں لیکن اس مختصر سی کتاب میں تفصیل کے ساتھ ان سب کا تذکرہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لیے میں وہاں کے تین خاص خاص مذاہب کا ذکر کروں گا۔

شنٹو مذہب شنٹو مذہب کا خاص اصول نیچر اور بزرگوں کی پرستش کرنا ہے، اُن کے کوئی اسی لاکھ دیوی دیوتا ہیں لیکن خاص الخاص سورج کی دیوی ہے جو شاہی خاندان کی جد امجد تصور کی جاتی ہے اور جس کی نسل ہزارہا برس سے

مسلسل جاپان پر حکمرانی کرتی رہی ہے، اگرچہ اس مذہب میں سمندر کی دیوی، ندیوں کی دیوی پہاڑوں کی دیوی، ہوا کی دیوی، آگ کی دیوی سب تسلیم کی جاتی ہیں اور قوم کے جانباز سپاہیوں اور شاہی خاندان کے وفادار خادموں کی بھی پرستش ہوتی ہے لیکن شنٹو مذہب کا اصل اصول شاہی خاندان کی سب سے پہلی بزرگ دیوی، اس کے رشتہ داروں اور اس کی اولاد کی پوجا کرنا ہے، اسی عقیدے کا نتیجہ ہے کہ جاپانی اپنے بادشاہ کے سچے وفادار اور اس پر دل و جان سے فدا ہیں،

شنٹو عبادت کا خاص اصول پاکیزگی ہے، اس لیے مذہبًا یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ عبادت سے پہلے منہ ہاتھ دھو لیے جائیں، شنٹو پروہت اور پیرو اکثر و بیشتر غسل کیا کرتے ہیں یہ بھی اسی پاکیزگی اور صفائی کے مذہبی اصول کا ثبوت ہے، لاش، انسانی خون اور برے خیالات کو ناپاکی تصور کیا جاتا ہے، ہر قسم کے قدرتی حوادث مثلاً طوفان، ٹڈی، وبا، آندھیاں، زلزلے وغیرہ سے اور قومی آفات مثلاً تیرھویں صدی کے منگولیا کے حملہ وغیرہ سے محفوظ رہنے کے لیے خدا سے دعائیں کی جاتی ہیں،

شنٹو میں مبادیات مذہب کا کوئی باضابطہ نظام نہیں ہے، دراصل یہ صحیح معنوں میں کوئی مذہب نہیں ہے بلکہ ایک حلقہ ہے جس میں تیرہ فرقے ہیں، یہ انسانی ضمیر کو دیوتا تصور کرتا ہے اور اس کا خاص حکم یہی ہے کہ "اپنے اندر کی سچی آواز کی پیروی کرو" عالم جاودانی کی بھلائیوں اور عالم فانی کی برائیوں کی نسبت اس کی تعلیم واضح نہیں ہے لیکن یہ صاف صاف تسلیم کیا گیا ہے کہ روح اس دنیاوی موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے، شنٹو مذہب میں رہبانیت کو دخل نہیں ہے، اس کے پروہت بھی عوام کی طرح ازدواجی زندگی بسر کرتے ہیں اور گوشت کھانے سے پرہیز نہیں کرتے، عورتیں بھی مندروں اور مزاروں پر ناچتی گاتی ہیں لیکن فقیری نہیں لیتیں، دیوتاؤں کو عمومًا چاول، پھل، ترکاریاں، اور خاص خاص مواقع پر کپڑا بھی چڑھایا جاتا ہے

دسمبر ۳۲ء میں جاپان خاص میں آئسے کے بڑے مندر سے لے کر چھوٹے مندروں تک ہر قسم کے کل ۱۱۰۲۴۳ مندر تھے شنٹو کے تیرہ فرقوں میں تیشہ فرقہ، اور تنیری فرقہ، زیادہ مقبول ہی، ان میں سے ہر ایک کے ۴ لاکھ سے زیادہ پیرو ہیں، اس کے بعد انتا کے فرقہ کے ۲ لاکھ پیرو ہیں پھر سشنری اور شنٹو فرقوں کا نمبر ہی جن میں سے ہر ایک کے دس لاکھ پیرو ہیں غرض کہ باقی اٹھ فرقوں کو شامل کر کے شنٹو مذہب کے پیرؤوں کی مجموعی تعداد ۱۴،۳۰،۲،۵۰،۱ ہی،

بودھ مت

بودھ مذہب ۵۵۲ء میں جاپان میں آیا، جب کہ کو دارا (کوریا) کے بادشاہ نے اپنے یہاں کی طوائف الملوکی سے پریشان ہوکر جاپان کی امداد چاہی اور جاپان کے بادشاہ کمئی کو سوتر[1] (مقدس کتب) اور مورتیاں تحفہ میں پیش کیں علماء نے ان کتابوں کو پڑھا اور اُن پر عمل شروع کیا اور صناعوں اور کاریگروں نے ان مورتیوں کو دیکھا او فن سنگ سازی میں اُن کی پیروی کی، بادشاہ نے خود اپنے وزیر کو ہدایت کی کہ اس نئے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کرے پھر کوئی پچاس برس کی سخت جدوجہد کے بعد شاہ سوئیکو کے دور میں (۵۹۲ء تا ۶۲۸ء) شہزادہ شنٹوکو نے بودھ مذہب کو تمام سلطنت میں مقبول و مستحکم بنایا، بودھ مت کو جاپان میں مقبول عام بنانے کے سلسلے میں شنٹوکو نے وہی خدمت انجام دی جو ہندوستان میں اشوک نے اور سلطنت روما میں عیسائیت کی تبلیغ کے سلسلہ میں قسطنطین نے انجام دی تھی، اسی لیے اکثر اسے جاپان کا قسطنطین کہا جاتا ہی

سب سے پہلا بودھ فرقہ ۶۲۴ء میں شروع ہوا، اس کے بعد اور فرقے بنے لیکن ۱۳۰ برس تک اس کا تخیل بالکل چینی رہا پھر شاتچو بانی تندئی فرقہ اور کوکئی بانی شنگن فرقہ نے اسے قومی رنگ دیا، یعنی شنٹو مذہب کے دیوتاؤں کو بودھا اور بودستو کا مظہر مان لیا، اس طرح بودھ اور شنٹو مذہب ایسے مل جل گیے گویا ایک ہی مذہب کے دو رخ ہیں اس کے بعد بودھ مت نے پورا عروج حاصل کیا اور اس کے دو مرکز بن گیے، نارا کے قریب کویا پہاڑ کی خانقاہ

---

[1] سنسکرت کا لفظ سُوتر

میں شنگن فرقہ کے مخفی فلسفے کی تعلیم دی جاتی تھی اور کیوٹو کے پاس ہئی پہاڑ کی خانقاہ میں تندئی فرقہ کی تلقین کی جاتی تھی،

سنہ ۱۹۳۰ء میں بودھ مت کے پیرؤں کی تعداد ۰،۹۷،۴،۷،۱،۴ اور مندروں کی تعداد ۶۲۲۳۰ تھی اب سب سے بڑا فرقہ شن ہے جس کے ایک کروڑ تیس لاکھ پیرو ہیں اس کے بعد زین فرقہ کا نمبر ہے جس کی تین شاخیں اور ۹۰ لاکھ پیرو ہیں پھر شنگن فرقہ ہے جس کے ۸۰ لاکھ پیرو ہیں، پھر جو دو اور نچیرن ہیں جس میں سے ہر ایک کے تیس لاکھ ماننے والے ہیں، اس میں سے ہر فرقہ کے مبادیات بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ اول الذکر اور آخر الذکر (شن اور نچیرن) فرقے سب سے زیادہ جمہوریت پسند ہیں، بہر حال ہندوستان کے علماء نے اکثر یہ کہا ہے کہ ہندوستان میں جہاں مہاتما بدھ نے جنم لیا تھا اُن سے اتنی عقیدت کا اظہار نہیں کیا گیا جتنا جاپان میں ہوا،

جاپان والے مذہب کے پابند ہیں اور اپنے مندروں اور مزاروں کا بڑا احترام کرتے ہیں، آپ جہاں جائیں مندر اور مزار ضرور ملیں گے، اس کے باوجود بعض سیاح یہ کہتے ہیں کہ وہ مذہب کی زیادہ پروا نہیں کرتے، عبادت کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں ہے اس لیے عموماً ساتوں دن دکانیں کھلی رہتی ہیں اور کاروبار جاری رہتا ہے، البتہ بعض دکانیں مہینہ میں دو بار بند ہوتی ہیں تاکہ ملازمین کو آرام کا موقع مل جائے، مندروں میں عیسائیوں کی طرح عبادت کا کوئی باضابطہ طریقہ مقرر نہیں ہے، لوگ اکثر تنہا یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں درشنوں کے لیے جاتے رہتے ہیں، شنٹو مندر میں تو یہ طریقہ ہے کہ لوگ خاص دروازہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، گھنٹی کی ڈوری کھینچ کر اسے بجاتے ہیں پھر تین بار تالی بجا کر گویا دیوتا کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں، اس کے بعد کچھ نذرانہ صندوقچی میں ڈالتے ہیں سر جھکا کر دعا کرتے ہیں اور واپس چلے آتے ہیں، بودھ مندر میں پہلے ایک چھوٹی سی لکڑی سے گھنٹہ بجاتے ہیں تاکہ دیوتا اُن کی طرف متوجہ ہو جائیں اُن کے ہاتھوں میں ایک گلدستہ ہوتا ہے اسے گھماتے جاتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں اس میں صرف آدھا منٹ صرف ہوتا ہے اور بظاہر اس سے ایک لاپروائی

ثابت ہوتی ہی لیکن چاہے شنٹو مندر ہو یا بودھ مندر حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ان کا بے انتہا احترام کرتے ہیں کوئی بودھ جب شنٹو مندر کے سامنے سے گذرتا ہی تو اپنی ٹوپی اُتار کر ایسے ہی جھک جاتا ہی جیسے وہ بودھ مندر کے سامنے جھکتا ہی، اسی طرح ایک شنٹو جب بودھ مندر کے سامنے آتا ہی تو بالکل اپنے مندر کی طرح اس کا بھی احترام کرتا ہی،

جاپانی اپنے مذہب کے بڑے پابند ہیں، لیکن اس کے ساتھ دوسرے مذہب والوں سے انتہائی رواداری کا سلوک کرتے ہیں، ہر بہار و خزاں کے زمانے میں یاتریوں کے غول کے غول صاف شفاف سفید کپڑے پہنے ہوئے مندروں کے درشن کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ منظر بھی کتنا خوشگوار ہوتا ہی،

جاپانی ان ہزاروں لاکھوں مندروں اور مزاروں کو اپنی پشت پناہ تصور کرتے ہیں، اور خواہ وہ روزانہ درشن کے لیے نہ جائیں لیکن عقیدہ یہی رکھتے ہیں کہ یہ مقدس مقامات مختلف دیوتاؤں کے اور اُن کے درمیان کی ایک کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ سالانہ مذہبی تیوہاروں اور مختلف تقریبوں کا بڑے ذوق شوق سے انتظار کرتے ہیں کیوں کہ ان سے مذہبی ہدایات کے علاوہ ایک جگہ جمع ہونے، گھومنے پھرنے، مختلف چیزیں خریدنے غرض کہ خود تفریح کرنے اور بچوں کو بہلانے کا اچھا موقع ملتا ہی

عیسائی مذہب

تقریباً ایک صدی تک یعنی ۱۵۴۹ء سے ۱۶۳۸ء تک رومن کیتھولک مشنری جاپانیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتے رہے، ۱۵۴۹ء میں سوسائٹی آف جیزس کے ایک بانی فرانسس زیویئر یہاں آئے تھے اور ۱۶۳۸ء میں تمام مشنری یہاں سے نکال دیئے گئے، ۹۰ برس کے اس عرصہ میں تقریباً دو لاکھ جاپانی عیسائی ہوگئے، ان میں بڑے بڑے جنرل اور اعلیٰ طبقے کی تعلیم یافتہ خواتین بھی شامل تھیں شروع شروع میں نوبوناگا نے اُن کی حمایت کی، پھر ہدے یوشی نے اُن پر چند پابندیاں عائد کیں، اس کے بعد آئیے یاسو نے اُن کی تمام سرگرمیاں سختی سے روک دیں، بالآخر وہ جاپان سے خارج کر دیئے گئے،

سنہ ۱۶۳۷ء میں کیوشو کے ۲۰ ہزار عیسائیوں نے طرح طرح کے مظالم کے خلاف بغاوت کی یہ شمبارا کے غدر کے نام سے مشہور ہے

اس کی وجہ کچھ تو مقامی بدنظمی تھی اور کچھ مذہبی اختلافات، چونکہ عیسائی مشنریوں نے غیر معمولی جوش و خروش کا اظہار کیا اس لیے خواہ مخواہ بادشاہوں کے رویہ میں سختی پیدا ہوتی تھی، بہرحال سنہ ۱۶۳۱ء میں عیسائیوں کے قتل عام کے بعد یہ غدر ختم ہوا، اس واقعہ سے ظاہری طور پر جاپان میں دو صدی کے لیے عیسائیت کا قلع قمع ہو گیا کیوں کہ ہسپانوی اور پرتگالی مشنریوں کے بنائے ہوئے رومن کیتھولک عیسائیوں کے سوا اس وقت وہاں اور کوئی عیسائی نہ تھے، بالآخر سنہ ۱۶۳۹ء میں عیسائیت کا خاتمہ کر دیا گیا، اس کے بعد جو عیسائی بچ رہے اُن پر طرح طرح کے مظالم توڑے گیے، سینکڑوں کو صلیب دی گئی اور ہزاروں کو زندہ جلا دیا گیا، لیکن اس کے باوجود کیوشو کے علاقہ میں عیسائیت کبھی بیخ و بنیاد سے فنا نہیں ہوئی بلکہ خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی، اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب سنہ ۱۸۶۵ء میں ناگاساکی میں رومن کیتھولک گرجا تعمیر ہوا اور عیسائیوں کی تلاش شروع ہوئی تو ہزاروں عیسائیوں نے اپنے اس مذہب کا علی الاعلان اقرار کیا جسے وہ پشتہا پشت سے اپنے دلوں میں محفوظ رکھے چلے آئے تھے،

اس کے بعد سنہ ۱۸۵۹ء میں پھر رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مشنریوں کو اپنا کام شروع کرنے کی آزادی ملی لیکن شروع شروع میں انھیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، سنہ ۱۸۶۸ء میں دور بحالی کے شروع ہونے پر مشنریوں کے لیے دروازے کھول دیئے گیے اور سنہ ۱۸۷۳ء میں عیسائیت کے خلاف تمام امتناعی احکامات واپس لے لیے گئے، بالآخر سنہ ۱۸۹۹ء کے آئین کے مطابق سب کو مکمل مذہبی آزادی مل گئی

سنہ ۱۹۳۰ء میں جاپان میں عیسائیوں کی تعداد ۲۰۳۰۴۵۰ تھی، اُن میں زیادہ تر رومن کیتھولک ہیں، اب اُن کی مالی حالت بھی اچھی ہے اور اُن کے تمام گرجا فارغ البال ہیں

کاش ہمارے مذہبی رہنما ایک مرتبہ جاپان کا دورہ کریں اور اپنی آنکھوں سے دیکھیں

کہ وہاں کتنی مذہبی رواداری ہے اور اس کے مقابلہ میں ہندوستان میں اُن کی بدولت
مذہب کس طرح بدنام ہو رہا ہے، اگر جلد انھوں نے اپنے اطوار نہ بدلے تو اندیشہ ہے
کہ یہاں کے لوگ بھی روس کی طرح مذہب سے متنفر ہو جائیں گے +

اٹھارواں باب

سبق آموز کہانیاں

یوں تو جاپان کی ہر چیز سائینس کے اصولوں پر مبنی ہے اس لیے ہمارے لیے سبق آموز ہے لیکن اس باب میں میں نے اُن سچّے واقعات کو جمع کردیا ہے جن سے میرے ہم وطنوں کو حُبُ الوطنی و احساس ذمہ داری، حق العباد اور اصلاح رسُتیر کا سبق مل سکتا ہے وقتاً فوقتاً میں یہ قصّے ہندوستانی اخباروں میں شایع کراتا رہا ہوں، اب یہاں انھیں یک جا پیش کیے دیتا ہوں، میری دلی تمنّا ہے کہ کاش ہمارے نوجوان اپنے جاپانی بھائیوں سے سبق حاصل کریں اور مادرِ وطن کی جانب سے اُن پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں اُن سے پوری طرح عہدہ برا ہوں،

وطن پرست طالب علم تیار کرنا

جاپان کے افسرانِ تعلیم کا یہ نصب العین ہے کہ وطن پرستی کے جذبہ کے ساتھ ساتھ تعلیم ہونا چاہیئے چنانچہ طلبا کو اڈمرل ٹوگو کے حالات زندگی بتانے کے لیے محکمہ تعلیمات نے اُن کی زندگی کا ایک فلم تیار کیا ہے جس میں کاگوشیما کی جنگ سے لے کر اُن کے جنازے کے جلوس کے واقعات تک دکھائے گیے ہیں، یہ تعلیمی فلم ملک کے تمام پرائمری اور مڈل اسکولوں میں بھیجا جائے گا، برعکس اس کے ہندوستان میں مہاتما گاندھی کی تصویر بھی اسکول میں لگانا جرم سمجھا جاتا ہے

وزیر کی وطن پرستی

میں اپنے اُن بھائیوں کی ہدایت کے لیے جو مغربی فیشن اور انگریزی رسم و رواج کی تقلید پر فخر کرتے ہیں ایک جاپانی وزیر کی وطن پرستی کا واقعہ ذیل میں درج کرتا ہوں :-

جاپان میں کثرت سے بچے اپنے باپ اور ماں کو "اوتوسان اوکاسان" کے بجائے "پاپا" اور "ماما" کہنے لگے ہیں، حتی کہ اب یہ چیز لوگوں کی نظروں میں کھٹکنے لگی ہے اس کے سب سے بڑے مخالف مسٹر متسوداما وزیر تعلیم ہیں جو خصوصیت سے اس کے انسداد کی کوشش کر رہے ہیں چنانچہ جاپانی زبان کے ایک اخبار میں آپ تحریر فرماتے ہیں

"وزیر تعلیم کو تعلیمات کے سلسلے میں خواہ کچھ بھی اختیارات حاصل ہوں لیکن یہ حق نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے خانگی معاملات میں بھی دخل دے، تاہم میں اس سلسلے میں کچھ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں میری یہ عین خواہش ہے کہ جاپانی گھروں سے "پاپا" اور "ماما" کے الفاظ خارج ہو جائیں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر جاپانی بچے اپنے والدین کو جو انتہائی احترام کے مستحق ہیں بدیشی الفاظ سے کیوں مخاطب کرتے ہیں، میں عرصے سے یہی رائے رکھتا ہوں اور میں نے وزیر اعظم ہونے سے پہلے بھی اکثر اپنی تقریروں میں بار بار اس کا اعادہ کیا ہے

جب میں فرانس میں تھا تو لارڈ کرزن رجو اس وقت برطانیہ کے وزیر خارجہ تھے، کسی معاملہ میں حکومت فرانس سے گفت و شنید کرنے کے لیے پیرس آئے تھے، اگرچہ وہ فرانسیسی زبان کے ماہر تھے لیکن جب فرانسیسی وزیر خارجہ موسیو پوئنکارے سے گفتگو کرتے تھے تو برابر انگریزی بولتے تھے اسی طرح موسیو پوئنکارے بھی اگرچہ انگلستان کے قدیم باشندے تھے اور نہایت روانی سے انگریزی بول سکتے تھے لیکن وہ بھی فرانسیسی میں بات چیت کرتے تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک قوم کو اپنی مادری زبان کا کتنا احترام کرنا چاہیئے،

میں غیر ملکی تہذیب کا مخالف نہیں ہوں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ لوگ غیر زبانیں سیکھیں تاکہ ان میں جو اچھائیاں ہوں وہ اختیار کر سکیں، لیکن "پاپا" اور "ماما" جیسے بدیشی الفاظ اختیار کرنے سے کیا فائدہ ہے، یا عورتوں کو بال کٹانے مغربی لباس پہنتے اور ان کے رسم و رواج کی پیروی کرنے سے کیا حاصل ہو سکتا ہے، مجھے تو عورتوں کے کٹے ہوئے بالوں اور مغربی لباس میں کوئی حسن نظر نہیں آتا"

وزیر تعلیم خانگی زندگی میں ان الفاظ کے استعمال کے اتنے شدید مخالف ہیں کہ بقول نپن ڈمپو (خبر رساں ایجنسی) وہ عنقریب یہ ہدایات جاری کرنے والے ہیں کہ پرائمری مدارس اور کنڈر گارٹن کلاس میں کوئی بچہ یہ الفاظ استعمال نہ کرے نیز والدین سے بھی وہ یہ درخواست کرینگے کہ گھروں پر بھی اپنے بچوں کو "پاپا" اور "ماما" کہنے سے روک دیں، وزیر موصوف کا یہ عقیدہ ہے کہ ان الفاظ کا غیر ممالک میں خواہ کچھ ہی مفہوم کیوں نہ ہو لیکن جاپان میں ان کے استعمال کرنے سے والدین اور بچوں کے روایتی تعلقات پر ناگوار اثر پڑتا ہے اور ان میں محبت کم ہوتی جاتی ہے،

دھیلے کا جنگی جہاز جاپان وطن پرستی میں لاثانی ہے، وہاں آئے دن ایسی تجویزیں سننے میں آتی رہتی ہیں جن کے ذریعہ سے عوام کی وطن پرستی سے فائدہ اٹھا کر مستقبل کو درخشاں بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ تازہ ترین کوشش "دھیلا روز" کی تجویز ہے، جسے اوساکا کے ایک سابق جہاز ران مسٹر ہیکو تارو ہنایما نے شروع کیا ہے، بہت سے سابق جہاز ران اور نوجوانوں کی انجمنوں کے اراکین اس میں شریک ہیں، ہر شخص کو دھیلا روز دینا ہوتا ہے تاکہ اس رقم سے قومی جنگی جہاز تیار کیا جائے، اس طرح کے چھوٹے چھوٹے چندوں سے فوج کو بہت سے ہوائی جہاز بھی پیش کیے جا چکے ہیں۔

اس واقعہ سے ہمارے نوجوانوں کو اندازہ کرنا چاہیئے کہ اگر وہ چاہیں تو تعمیر قوم کے پروگرام میں کتنی امداد کر سکتے ہیں، ہندوستان میں بھی روپیہ کی کمی نہیں ہے البتہ سچے کام کرنے والوں کا قحط ہے کیا ہمارے نوجوان اپنے جاپانی بھائیوں کی پیروی کرنے کی کوشش کریں گے،

مادر وطن پر جان قربان ادھر حکومت جاپان نے واشنگٹن کے بحری معاہدہ کو منسوخ کرنے کا فیصلہ کیا اور اُدھر ایک جہاز ران کو نئی زندگی حاصل ہوئی، اُس نے اپنے جہاز سے علیحدہ ہو جانے کی شرمندگی کی وجہ سے خودکشی کرنا طے کر لیا تھا، اُس کا نام گیئی چی اکموتہ تھا، اور یوکوسوکا اڈمیرلٹی کے ساتویں سب میرین اسکواڈرن میں ملازم تھا، اس نے ایک اخبار میں مذکورہ بالا اعلان پڑھا اور کتانشی کے پولیس تھانہ میں حاضر ہو گیا،

اس نے بیان کیا کہ جمعرات کو میں جہاز سے اترا، اور ٹوکیو کے ایک قہوہ خانہ میں اپنی محبوبہ سے ملنے گیا، لیکن معلوم ہوا کہ وہ وہاں سے جا چکی ہے، اسے بہت کچھ تلاش کیا لیکن تمام جستجو بے سود ثابت ہوئی، اسی تگ و دو میں جہاز پر جانے میں دیر ہو گئی، اس طرح ہر طرف سے مایوس ہو کر میں نے طے کر لیا کہ سمندر میں کود کر اپنی جان دے دوں گا، میں سنیچر کے دن ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا وہیں میں نے اخبار میں یہ اعلان پڑھا کہ حکومت نے معاہدۂ واشنگٹن کو منسوخ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، چنانچہ مجھے فوراً موقع کی نزاکت کا احساس ہوا، اور سوچا کہ مجھے بھی اپنا فرض انجام دینا چاہیے اس لئے میں پولیس میں حاضر ہو گیا ہوں

اس پر یوکوسوکا کے دو بحری افسروں نے اسے واپس لے لیا اب وہ صرف اس لئے زندہ ہے کہ مادر وطن پر اپنی جان قربان کر دے

جاپانی پارلیمنٹ کے سودیشی ممبر

ستمبر ۱۹۳۴ء میں بلگریڈ میں کامرس کی بین الاقوامی کانفرنس کا انیسواں اجلاس ہونے والا تھا اس میں شرکت کے لئے جاپانی پارلیمنٹ کے پانچ ممبر روانہ ہوئے تھے اور انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اس تمام سفر میں صرف جاپانی زبان میں بات چیت کریں گے اور جاپانی وضع کا لباس پہنیں گے

مسٹر اکاگو ساکا موتو بھی اس وفد کے ایک رکن تھے انہوں نے فرمایا کہ یہ سفر محض وطن پرستی کے جذبہ پر منحصر ہے میں نے سوچا ہے کہ جاپانی زبان میں تقریریں کروں گا اور بہت زور زور سے بولوں گا کیوں کہ باہر والے اسی وقت متاثر ہوتے ہیں جب کوئی خوب چلا چلا کر تقریر کرے، میں جاپانی کشتی کا بھی ماہر ہوں اس لئے کمال پاشا، مسولینی اور ہٹلر کے سامنے اس کے کرتب دکھاؤں گا، جاپان کو ان کانفرنسوں میں کہنا ہی کیا ہے، ہم تو جاپان کی خاص خاص چیزوں کا مظاہرہ کرنے کے لیے جا رہے ہیں، ہم اپنے مغربی طرز کے کپڑے بھی ساتھ لے جائیں گے لیکن صرف اس وقت پہنیں گے جب جاپانی کپڑے کی خوبیاں پیش کرنا ہوں گی، ہمارے کپڑوں سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ جاپانی ریشم کتنا اعلیٰ ہوتا ہے ہمیں امید ہے کہ ہماری اس ترکیب سے جاپانی

مال کی مانگ بڑھ جائے گی

خون سے رنگا ہوا جھنڈا جاپانیوں کی انتہائی وطن پرستی کی ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو، ایک بیس سالہ نوجوان آساکو ساکے پولیس تھانے میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے ایک جاپانی جھنڈا خود بنایا ہی اور اسے منچوکو میں متعینہ سپاہیوں کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، اس کے علاوہ اس نے ایک روپیہ بھی چندے میں دیا،

یہ نوجوان ایک قصاب کی دکان پر ملازم تھا اس نے اپنی انگلی کاٹ کر اپنے خون سے جاپان کا آفتابی جھنڈا بنایا تھا چونکہ اسے خود سپاہی کی حیثیت سے بھرتی نہیں کیا گیا تھا اس لئے اُس نے سوچا کہ جو سپاہی وہاں گئے ہیں ان کی اس طرح ہمت افزائی کرنا چاہیئے

ہمارے یہاں بھی ہر فرد میں وطن پرستی کا یہی جذبہ ہونا چاہیئے جب کہیں ہم یہ امید کرسکیں گے کہ خواب آزادی کی تعبیر پوری ہوگی، خدا ہمیں اس کی توفیق عطا کرے،

تختۂ دار پر سے وصیت
لاش بھی وطن کی نذر

جاپانی وطن پرستی کی اور عجیب وغریب مثال ملاحظہ کیجیئے تصور کیجیئے کہ ایک قاتل تختۂ دار پر سے وصیت کر رہا ہے کہ میری لاش سے فوج استفادہ کرے، اس شخص کا نام تنابے تھا اور عمر تیس سال تھی، ایک ٹیکسی ڈرائیور کے قتل کے سلسلہ میں اسے پھانسی کا حکم ہوا تھا، عدالت عالیہ نے اس کی اپیل نامنظور کردی تھی اس لیے اچی گایا جیل میں اُس نے اپنے باپ کو وصیت کی کہ میری لاش یونیورسٹی کے اسپتال میں دے دی جائے اور وہاں سے جو رقم ملے وہ فوج کو پیش کردی جائے میں اپنے آخری وقت میں ملک کی اور کیا خدمت کرسکتا ہوں بجز اس کے کہ میری موت سے فوجی فنڈ میں کچھ اضافہ ہوجائے،

جاپان کی ترقی کا یہی راز ہی نہ کہ صرف شرح سکہ کی کمی، جیسا کہ ہندوستان میں ہمیں سمجھایا جاتا ہی،

وطن پرست طلباء کے کارنامے

ہمارے مدرسین اور طلباء کو اس سے سبق سیکھنا چاہیئے کہ جاپان کے پرائمری مدارس کے طلباء کس طرح قومی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں، یہ لڑکے ردی چیزوں مثلاً استعمال شدہ بوتلوں، پرانے اخباروں وغیرہ کو بیچ کر رقم جمع کرتے ہیں تاکہ قومی ہوائی جہاز کے لیئے چندہ دیں اس سلسلہ میں ایک جاپانی اخبار رقم طراز ہی

"سال گذشتہ سے ٹوکیو ایئر ڈیفنس یونین شاہی فوج کے لیئے چندہ جمع کر رہی ہی، ٹوکیو کے ادجی حلقہ نے اس سلسلہ میں خاص کوشش کی، اُن کا یہ کارنامہ قابل صد آفرین ہی

اس حلقہ کے نوجوانوں نے فوج کو ایک ہوائی جہاز پیش کیا ہی اور وہ اس طرح کہ پرائمری مدارس کے طلباء نے خالی بوتلیں اور پرانے اخبار جمع کرکے فروخت کیے، ایسی ہی اور سینکڑوں معمولی معمولی ترکیبوں سے یہ کثیر رقم اکٹھا کی پھر اس رقم سے ہوائی جہاز خرید کر فوج کو پیش کیا،

کیا ہمارے نوجوان اس طرح کے قومی کاموں کے لیئے روپیہ جمع نہیں کر سکتے؟ بیشک کر سکتے ہیں بشرطیکہ اُن کے اُستاد اور نوجوانوں کے نام نہاد لیڈر اُن کی رہبری کریں، لیکن یہ لوگ تو صرف جلسے کرنا اور طول طویل بیان شائع کرنا جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جنوری میں زور شور سے بحث مباحثے کر لینے سے اُن کا فرض ادا ہو جاتا ہی،

پروفیسروں کو وطن پرستی کی ہدایت

ہندوستان کی طرح جاپان کے طلباء غدار وطن پروفیسروں کی حرکات کو برداشت نہیں کرتے، مثلاً ایک قصہ سنیئے،

"ٹوکیو امپیریل یونیورسٹی کے پروفیسر کوتسو کامی گاوانے گئے کوچی ہو رسالہ میں ایک مضمون "معاہدۂ واشنگٹن کی تنسیخ اور اس کے نتائج" کے عنوان سے شائع کرایا، اس میں انھوں نے حکومت کے رویہ پر انتہائی نکتہ چینی کی تھی، اس مضمون کو پڑھ کر اُن کے دو نوجوان طالب علم اتنے مشتعل ہوئے کہ انھوں نے اپنے پروفیسر کو ایک خط لکھا اور اُن سے مطالبہ کیا کہ استعفیٰ داخل کردیں

ایک دن وہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے، یہ دونوں نوجوان اُن کے گھر پہنچے، اس خط کو به آواز بلند وہاں پڑھا انہیں غدّار وغیرہ کہا اور تمام کتابیں، کرسیاں، میزیں الٹ پلٹ کر چلے آئے اس کے بعد جب وہ گرفتار ہوئے تو انہوں نے پولیس کے سامنے اقبال کیا اور کہا کہ تخفیف اسلحہ کانفرنس کے معاملہ میں پروفیسر کامی گاوا کی رائے نہایت ناقص اور کمزور تھی اس لیئے ہم نے ایسا کیا

اس کے مقابلے میں ذرا ہندوستان کو دیکھئے جہاں استاد اپنے طالب علموں کی جاسوسی کرتے ہیں اور ان خدمات کے عوض میں خطاب پاتے ہیں

[نوٹ :۔ ذاتی طور پر مجھے اس قسم کے تشدّد سے اختلاف ہی، لوگوں میں وطن پرستی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اس سے زیادہ آسان اور معقول طریقے بھی اختیار کیئے جا سکتے ہیں]

چندہ جمع کرنے کی تدبیریں

ہمارے کارکنوں کو کسی قومی کام کے لیے چندہ جمع کرنا ایک مصیبت معلوم ہوتا ہی، انہیں دیکھنا چاہیئے کہ جاپان والے اس کے لیئے کیا تدبیر اختیار کرتے ہیں :۔

گراموفون کے تاجروں کی انجمن شاہی فوج کے لئے کچھ چندہ دینا چاہتی تھی، چنانچہ اس نے طے کیا کہ تمام ریکارڈوں پر ایک سرخ مہر لگا دی جائے اور ان ریکارڈوں پر ایک دھیلا زیادہ لیا جائے اس طرح تین ماہ میں جو رقم جمع ہو وہ کسی فوجی کام کے لیے دے دی جائے،

اگر ہماری تجارتی انجمنیں بھی قومی کاموں کے لئے اسی طرح چندہ جمع کرنے کی کوشش کریں تو بغیر کسی جدّ وجہد اور مطالبہ کے لاکھوں روپیہ جمع ہو جائیں مثلاً اگر ایک روپیہ کی کسی چیز پر وہ ایک پیسہ زیادہ لینے لگیں تو گاہکوں کو بھی گراں نہ گذرے اور کافی روپیہ جمع بھی ہو جائے، مگر ضرورت اس امر کی ہی کہ تاجروں کی تنظیم کی جائے اور انھیں اس قسم کے اقدام کے لیے امادہ کیا جائے،

عرضی پر خون سے دستخط

جاپان میں انقلاب پسندوں کی زبردست جماعتیں ہیں اور عوام میں ان کا بہت بڑا اثر ہی یہ لوگ اکثر ان وزرا کو قتل کر دیا کرتے ہیں جن سے ذرا بھی کمزوری کا اظہار ہوتا ہی، حال ہی میں ایک سابق

وزیر اعظم کے قتل کی سازش کے سلسلے میں بعض انقلاب پسندوں پر مقدمہ چلا تھا، اس موقع پر سارے ملک نے یہ مطالبہ کیا کہ چونکہ ملزموں کی نیت خراب نہ تھی اور انھوں نے حب الوطنی کے جذبہ کے ماتحت یہ فعل کیا اس لیئے انھیں سخت سزا نہ ہونا چاہیئے، ہزاروں آدمیوں نے اس قسم کی تحریری درخواستیں عدالت میں پیش کیں، چنانچہ بقول ایک اخبار کے ایک درخواست نیگ جاپان لیگ کے تین سوار اکین نے اپنے خون سے دستخط کر کے پیش کی اور یہ مطالبہ کیا کہ ۱۵ مئی کے مقدمہ سازش کے ملزمین کو فوراً بری کر دیا جائے، یہ درخواست لیگ کے نمائندے مسٹر گیئی جی اجی چی نے مسٹر ناوسا او ہارا وزیر قانون کو خود پیش کی اور بتلایا کہ لیگ کے جلسۂ عام میں یہ درخواست گذرانتا منظور کیا گیا ہی، چنانچہ ججوں نے ملزموں کو بہت معمولی سزائیں دینے پر اکتفا کیا،

اگر ہندوستان میں ایسی کوئی درخواست پیش کی جاتی تو سب کے سب دستخط کرنے والے فوراً گرفتار کر لیئے جاتے اور مقدمہ چلائے بغیر انھیں نظر بند کر دیا جاتا، لیکن جاپان میں ایسے لوگوں کی اور زیادہ عزت ہوتی ہی

مغربیت کو دور سے سلام جاپان میں قومیت کا دور دورہ ہی جس طرح ہٹلر تمام "غیر آرین" الفاظ کو جرمنی سے خارج کرنے کی کوشش کر رہا ہی اسی طرح جاپان بھی اپنے یہاں مغربیت کو دفن کرنے کی فکر میں ہی اکثر اخباروں اور تاجروں نے لفظ "جاپان" کا استعمال ترک کر دیا ہی کیونکہ ان کا خیال ہی کہ یہ بدیشی نام ہی، اس کے بجائے وہ "نپن"[1] استعمال کرتے ہیں

احیائے قومی کی تحریک کے ساتھ ساتھ تمام پہاڑوں اور ندیوں کے بھی نئے جاپانی نام رکھے جا رہے ہیں اخبار "نچی نچی" نے "اپنے وہی پرانے اچھے نام" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہی جسے پڑھ کر ہمارے ان ہندوستانیوں کی آنکھیں کھل جانا چاہیئے جو مغربی اصطلاحات کی اندھا دھند تقلید کرنے پر فخر کرتے ہیں، وہ لکھتا ہی

---

[1] نپن سنسکرت کا لفظ ہی جس کا مطلب طاقتور ہی۔

"نیشنل پارک کمیشن نے حال ہی میں یہ طے کیا ہے کہ "جاپانی ایلپ" کو جاپانی زبان میں "مرکزی سلسلہ کوہ" کہنا چاہیئے بدیشی لفظ "ایلپ" کو ہمیشہ کے لیئے ترک کر دیا جائے، یہ وہ نیک کام ہے جو آج سے بہت پہلے ہونا چاہیئے تھا، جب ہم اپنے پہاڑ کا نام اپنی زبان میں رکھ سکتے ہیں تو ہمیں اس نام کے اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے جو کسی غیر ملکی سیاح نے رکھدیا ہو، عام طور پر یہ فیشن سا ہو گیا ہے کہ اپنی تفریح گاہوں اور مشہور مقامات کو بیرونی چیزوں سے تشبیہ دی جاتی ہے، غالباً اسی وجہ سے "ایلپ" نام بھی اختیار کر لیا گیا بعض جاپانی اوساکا کو مشرق کا مانچسٹر کہتے ہیں اسی طرح بعض ندیوں کو جاپانی رائن یا جاپانی ڈینوب کا خطاب دیتے ہیں اور ساحلی گرم چشموں کو جاپانی نائیو یار یویرا کہتے ہیں، حیرت ہے کہ کسی نے سومیا ندی کو ٹوکیو کی ٹیمس کیوں نہیں کہا؟

بہرحال اب اس میلان کی سختی سے مخالفت ہو رہی ہے اور اس مخالفت کا کچھ نتیجہ برآمد ہو رہا ہے ہمیں اپنی چیزوں کے نام اپنے طور پر اپنی ہی زبان میں لینا چاہیئے الکٹریسٹی کا لفظ بین الاقوامی طور پر مشہور ہے لیکن اسے ادا کرتے وقت زبان دس بارہ قلابازیاں کھاتی ہے، نازیوں نے اس کے بجائے جرمن زبان کا لفظ "برن" اختیار کر لیا ہے جس کا مفہوم برق یا کہربا ہے، ہمیں اس جذبہ کی حقیقت پر غور کرنا چاہیئے جس کے ماتحت وہ بدیشی الفاظ خارج اور آرین الفاظ اختیار کر رہے ہیں،

البتہ اگر شدید ضرورت مجبور کرے تو بدیشی الفاظ کو اپنی زبان کے سانچے میں ڈھال کر استعمال کرنا چاہیئے محض جھوٹا علمی وقار قائم کرنے اور خواہ مخواہ رعب ڈالنے کے لیئے بدیشی الفاظ عمداً استعمال کرنا قومی جرم ہے!

پولیس والوں کی قربانیاں

جاپان کے پولیس والوں میں بھی قربانی کا جذبہ پایا جاتا ہے، وہ غریبوں، محتاجوں اور مظلوموں کی دل کھول کر امداد کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے ضرورت مند ہم وطنوں کی خدمت کے لیئے اپنے خون سے بھی دریغ نہیں کرتے

ادگی باشی تھانہ کے علاقہ میں اکثر اسپتالوں میں ایسے مریض آجاتے تھے، جن کے جسم میں فوراً بیرونی خون داخل کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اور چونکہ ہر مریض کے لیئے ایک

خاص قسم کا خون درکار ہوتا ہے اس لیے وہاں کے ڈاکٹر پولیس والوں کا پہلے سے امتحان کر کے اُن کے خون کے نمونے رکھتے ہیں، یہ تجویز خود پولیس انسپکٹر نکے شیروتسیما نے پیش کی تھی، جو اس تھانہ کا افسر اعلیٰ ہے

ذرا اس کا مقابلہ اپنے یہاں کے پولیس والوں سے کیجئے اور دیکھئے کہ اُن کا رویہ بے گناہوں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے

انگریزی کا بائیکاٹ

مسٹر مت سودا وزیر تعلیم "پاپا" اور "ماما" کے استعمال کو روکنے کی امکانی کوشش کر رہے ہیں، انھوں نے اعلان کیا ہے کہ اس مسئلہ میں انہیں دو سو سے زیادہ خطوط موصول ہوئے جن میں سے صرف ۲۳ خط اس تجویز کی مخالفت میں تھے، اُن کا کہنا ہے کہ ۲۳ء کے زلزلہ سے پہلے گنزا بازار میں انگریزی سائن بورڈ بہت زیادہ تھے لیکن اب بہت کم نظر آتے ہیں چنانچہ وزیر موصوف کی پیشین گوئی ہے کہ عنقریب وہ زمانہ آئیگا جب جاپانی گھروں میں "پاپا" اور "ماما" کے الفاظ بھی سننے میں نہ آئیں گے

جاپان نہایت سرعت سے انگریزی الفاظ اور انگریزی عادات و اطوار چھوڑ رہا ہے، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان انھیں اختیار کر رہا ہے، ہندوستان میں اسی فی صدی دکاندار حتیٰ کہ نائی اور دھوبی تک جو انگریزی کے حروف آشنا بھی نہیں ہوتے انگریزی ہی کے سائن بورڈ لگاتے ہیں،

ہندوستانی امرا کے لئے سبق

ڈاکٹر کاجے متسو (پروفیسر کنسائی یونیورسٹی) کے واقعہ سے اُن کی سیرت کے ایک خاص پہلو پر روشنی پڑتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اپنے پرانے اسکول سے کتنی محبت تھی، انھوں نے سوگے مورا کے پرائمری مدرسے کی عمارت کے لئے جہاں انھوں نے بچپن میں تعلیم پائی تھی دس ہزار ین دئے، لیکن یہ رقم دیکر بھی اُن کے دل کو سیری نہ ہوئی اور خاموشی سے مزدوروں کی طرح خود عمارت کا کام کرنے لگے، شروع شروع میں انھیں کسی نے نہ پہچانا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ کون شخص تھا، دراصل وہ روپیہ سے مدد کرنے کے علاوہ اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے اسکول کا کچھ کام کرنا چاہتے تھے، کیوں کہ انھیں یہاں

کی تعلیم پر ناز تھا،

دوسری مثال سنیئے، جاپان کے دو سر برآوردہ فرمون یعنی متسوئی اور متسو بشی نے جاپان کے قحط زدہ لوگوں کے لیئے ساٹھ لاکھ ین دیئے اور وزیر خارجہ کو اس کا اختیار دیا کہ جس طرح چاہیں اس رقم کو خرچ کریں، وزیر موصوف نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیئے فوراً اپنے محکمہ کی ایک کانفرنس طلب کی چنانچہ امید ہے کہ عنقریب مزید امدادی فنڈ جمع کیا جائیگا۔

ہندوستان میں جاپان کے مقابلے میں زیادہ تعداد میں لکھ پتی موجود ہیں، ان واقعات سے انھیں سبق سیکھنا چاہیئے دیکھیئے ہمارے یہاں سارے ہندوستان سے چندہ جمع کرنے پر والئرائے کا زلزلہ فنڈ بہ ہزار وقت ۵۰ لاکھ روپیہ تک پہنچ سکا تھا حالانکہ اس میں والیان ریاست اور لکھ پتی سب شامل تھے، لیکن جاپان کے صرف دو شخصوں نے ۶۰ لاکھ ین دے ڈالے، یہ ہے جاپان کی ترقی کا ایک راز، اس لیئے اے ہندوستانی لکھ پتیو! تم بھی بیدار ہو اور اپنی تھیلیوں کے منھ کھول دو۔

ایک بیوہ کی وطن پرستی

جاپان کی عورتیں بھی کتنی بلند حوصلہ ہوتی ہیں، انھیں دیکھ کر ہندوستان کی بہادر راجپوت عورتوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جن کے کارنامے تاریخ داں حضرات پر اچھی طرح روشن ہیں۔

ٹوکیو میں ایک بیوہ عورت خادمہ کی حیثیت سے کام کیا کرتی تھی، اس نے ایک ہزار ین کے کپڑے برتن وغیرہ ان سپاہیوں کے لیئے پیش کیئے جو جاپان کے باہر معمور تھے، اس عورت کا نام مسز نہابو کیوتہ اور عمر ۷۰ سال تھی، یہ ٹوکیو میں ایک دوا ساز موتو کیچی کیتا کے یہاں کام کرتی تھی، جب اُس نے اخباروں میں پڑھا کہ ہمی جی کور کا ایک شخص پرائیوٹ کو ناما منچوریا میں سخت زخمی ہوا ہے تو پہلے اُس نے ضروری سامان کا ایک سٹ اسے روانہ کیا، اس کے بعد وہ مختلف مواقع پر منچوریا کے سپاہیوں کو تحائف بھیجتی رہی، ایک مرتبہ اسے معلوم ہے کہ منچوکو سے ایک سپاہی یوسوئی نامی واپس آیا ہے اور اسے کاروبار کے لیئے کچھ روپیہ کی ضرورت ہے فوراً اس نے دو سو ین دیئے کہ اُسے چاول کا بیوپار کرا دیا، اس کا ایک دور کا رشتہ دار ریوزن انجینر نگ کور میں ملازم تھا، ایک موقع پر جب اس کو

کے تقریباً بیس شخص ٹوکیو بھیجے گئے تو اس نے سب کے قیام و طعام کا انتظام کیا تھا، یہ عورت کنجیرو کبوتہ کی بیوہ تھی جو کبھی امپیریل مناپلی بیورو میں ملازم تھا، اسے بیوہ ہوئے گیارہ برس کا عرصہ ہو چکا تھا اس کے چھ اولادیں ہوئی تھیں لیکن سب کی سب مر چکی تھیں، چنانچہ وہ اپنے ہر بچہ کی برسی کے موقع پر یہ سامان بھیجا کرتی تھی اور کہتی تھی کہ میرے کوئی لڑکا نہیں رہا جو ملک کی خدمت کرتا اس لئے جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے میں ہی اُن کی روحوں کی طرف سے ملک کی خدمت انجام دیتی ہوں، اس کے پاس ہمی جی، اوکایما اور دوسری جگہوں اور مختلف افراد کے بھیجے ہوئے آٹھ سو شکریہ کے خطوط موجود تھے، ایک ملاقات کے دوران میں اس نے اخبار کے نمائندے سے کہا کہ "چونکہ میرے تمام لڑکے ملک کی خدمت کیئے بغیر مر گئے اس لئے جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے میں ہی کرتی رہتی ہوں، محنت مزدوری سے جو کچھ میں پیدا کرتی ہوں اس میں سے کچھ پس انداز کر کے اُن سپاہیوں کے لئے کچھ نہ کچھ خرید لیا کرتی ہوں جو مجھ کو جیسے سر دو ملک میں متعین ہیں۔

آج ہمیں بھی ایسی ہی وطن پرست عورتوں کی ضرورت ہے۔

جاپان کی نجات دہندہ

جاپان کی سماجی اور امدادی سرگرمیوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہاں کی عورتیں نہایت مستعد، وطن پرست اور قربانی کرنے والی ہیں اور حکومت بھی رفاہ عام کے تمام کاموں میں اُن کی مدد کرتی ہے۔

جب جاپان میں قحط پڑا تو ٹوکیو کے روزگار مہیا کرنے والے دفتر نے ایسے ایک ہزار خاندانوں کی فہرست تیار کی تھی جو قحط زدہ علاقے کی کم از کم ایک لڑکی کو ملازم رکھ لیں، تا کہ اُن کے والدین روپیہ کی خاطر انہیں پیشہ کمانے کے لئے چکلہ میں نہ بھیج دیں، اسی طرح عورتوں کی انجمن قحط زدہ کاشتکاروں کو سو ین تک اس وعدہ پر قرض دیتی تھی کہ وہ اپنی لڑکیوں کی جائز آمدنی میں سے رفتہ رفتہ ادا کر دیں۔

ہندوستان میں تو لڑکیاں اپنے والدین کے لیے ایک بار ہوتی ہیں لیکن جاپان میں وہ اپنے خاندان کی نجات دہندہ تصور کی جاتی ہیں۔

گمراہ بہنوں کی امداد

جاپان کی عورتیں اپنی گمراہ بہنوں کی امداد کے لیئے جو کچھ کر رہی ہیں ان سے انڈین وومنز لیگ کو سبق حاصل کرنا چاہیئے، ان کی ایک ایسی انجمن ہی جو طوائفوں کو راہ راست پر لانے کی خدمت انجام دیتی ہی، مختلف زنانہ جماعتوں کی نگرانی میں یہ کوشش بھی جاری ہی کہ جو لڑکیاں طوائفوں کا پیشہ اختیار کرنے والی ہوں، ان کو اس سے باز رکھنے کی عملی تدابیر کی جائیں یعنی عورتوں کو طبّی اور قانونی امداد بہم پہنچائی جائے، ایک جانب ان کے خاندانوں کو ضرورت کے وقت روپیہ قرض دیا جائے اور دوسری جانب عورتوں کی خرید و فروخت کو قانوناً جرم قرار دے دیا جائے

کیا ہندوستان میں عورتوں کی کسی انجمن نے اب تک اس قسم کے نیک اقدامات کیئے؟ اور اپنی اُن بدقسمت بہنوں کو شرمناک زندگی سے بچانے کی کوشش کی جو ہماری ناانصافی اور سماجی خرابیوں کا شکار ہوتی ہیں۔

جاپان کا بچہ بچہ وطن پرست ہے،

جاپان کس طرح اپنے بچوں کو وطن پرست بناتا ہے، اس کا اندازہ اگر کرنا ہو تو کھلونوں کی دُکانوں پر جا کر دیکھیئے، ان دُکانوں پر زیادہ تر فوجی قسم کے کھلونے ملیں گے (مثلاً تلواریں، دوربینیں، دستی گھڑیاں وغیرہ) جو عموماً سپاہیوں کے کام آتے ہیں، لڑکوں کے کھیلنے کے لیئے طرح طرح کی بندوقیں اور پستول بھی ہوتے ہیں، لیکن سب سے دلچسپ کھلونا وہ مسلح موٹر کار ہی جس پر ایک ہوائی بندوق رکھی ہوتی ہی اور اس کا رخ دشمن کے مقابلے کے لیئے چاروں طرف پھیرا جا سکتا ہی۔

اس ابتدائی فوجی تربیت ہی کا نتیجہ ہی کہ ہر بچہ پکّا قوم پرست بن جاتا ہی، کسی ملک میں یہ پُراثر منظر دیکھنے میں نہیں آتا کہ سات آٹھ برس کے بچے وردی پہنے اس قسم کے گانے گاتے جا رہے ہوں جیسے "آفتابی جھنڈا ہمیشہ بلند رہے گا"۔

دراصل تعمیر قوم کے لیئے یہی ضروری ہی کہ وطن پرستی کا بیج بچپن میں ڈالا جائے، ذرا سوچیئے کہ ہم نے اپنی قوم کی تربیت کے لیئے اب تک کیا کیا ہے؟

نوجوانوں کو سہارا

جس طرح دوسرے ممالک کے نوجوان روزگار کی تلاش میں مفصلات سے دارالسلطنت میں آیا کرتے ہیں اسی طرح ہزاروں لڑکے اور لڑکیاں ہر سال ٹوکیو میں آتے رہتے ہیں جن کا نہ وہاں کوئی عزیز ہوتا ہے نہ شناسا اس لیئے ٹوکیو میونسپلٹی کے سوشل بیورو نے ایک محکمہ کھول دیا ہے جو بے یار و مددگار نوجوانوں کی خبرگیری کرتا ہے اور اُن کو روزگار مہیا کرتا ہے۔

اسی طرح ہمارے کارپوریشن اور میونسپلٹیاں بھی اپنے سیکڑوں فاقہ کش تعلیم یافتہ نوجوان کی کیوں مدد نہیں کرتیں؟ اور انھیں خودکشی کرنے سے کیوں نہیں بچاتیں، ؟

عہدہ داروں کو نصیحت

جاپان کے وزیر اعظم نے اپنے عہدہ داروں کو چند ہدایات دی تھیں جو ہندوستانی ارباب حکومت پر بھی یکساں صادق آسکتی ہیں، اس لیئے ہم ذیل میں ان کا اقتباس درج کرتے ہیں:۔

"قومی استحکام کے لیئے، عدل و انصاف کو برقرار رکھنے کے لیئے، سیاسی برائیوں کا انسداد کرنے کے لیئے اور نظام حکومت میں عام اعتماد پیدا کرنے کے لیئے نہایت ضروری ہے کہ سرکاری افسروں میں سخت ڈسپلن قائم رہے، اس چیز کے پیش نظر افسروں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے فرائض نہایت دیانت داری سے انجام دیں اپنے احکام بالا کے احکام کی تعمیل کریں، اپنے تمام اعمال و افعال میں غیر جانبداری اور انصاف سے کام لیں، ذاتی اغراض کو کبھی دخل نہ دینے دیں، کوئی ناجائز اثر قبول نہ کریں، اور ذاتیات سے بالاتر رہیں، شرافت و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں اپنے فرائض نہایت تندہی سے انجام دینا چاہیئے، خصوصاً آج کل جبکہ حالات پیچیدہ ہوتے جارہے ہیں اور جذبات میں ایک عام ہیجان و انتشار پایا جاتا ہے افسروں کو اپنے طرز عمل میں زیادہ محتاط ہونا چاہیئے، اور اس کا خاص لحاظ رکھنا چاہیئے کہ سرکاری ڈسپلن قائم رکھنے کے سلسلہ میں لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا نہ ہونے پائیں،

تمام افسروں کو اپنے اپنے کام میں قابلیت پیدا کرنے اور معلومات حاصل کرنے کی مسلسل

کوشش کرتے رہنا چاہیئے، رفتار زمانہ کا اچھی طرح مطالعہ کرتے رہنا چاہیئے، اور وقت کے تقاضے اور زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے کی انتہائی کوشش کرنا چاہیئے، غرض کہ یہ چیز نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ انہیں زمانہ کے دوش بدوش اور وقت کے قدم بقدم چلنا ہی تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زمانہ بہت آگے نکل جائے اور ملک و قوم پیچھے رہ جائیں،

نظام حکومت کی روز افزوں پیچیدگیوں کی وجہ سے حکام کے اختیارات میں اضافہ ہو رہا ہے جس سے یہ امکان پیدا ہو سکتا ہی کہ ان میں اختلاف آراء ہو جائے یا کام میں تاخیر واقع ہو، اس لیئے افسروں کو چاہیئے کہ ہر معاملہ میں سنجیدگی اور وسیع النظری سے کام لیں اور اتحاد عمل کے لیئے کوشاں رہیں،

افسروں کا یہ فرض ہی کہ دل و جان سے رفاہ عام کے کاموں کی تکمیل کریں، اس لیئے اُن کی خدمات ملک کے لیئے زبردست اہمیت رکھتی ہیں، چنانچہ ان کو بد اخلاقی، درشتی اور بے پروائی سے احتراز کرنا چاہیئے، اپنے اپنے فرائض نہایت وفاداری سے انجام دینا چاہیئے، اور بے پروائی اور بے توجہی پر ایک دوسرے کو تاکید اور تنبیہ کرتے رہنا چاہیئے، تاکہ کام میں تاخیر نہ ہونے پائے،

کسانوں کی امداد

ذیل میں ہم ایک واقعہ درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ جاپان میں دردمند حضرات کسانوں کی کس طرح امداد کرتے ہیں

مسٹر ٹی، ایواساکی اور مسٹر اوآخا ناؤں نے ۲۵ لاکھ ین کا ایک عطیہ دیا جس سے حوادث زمانہ کے ستائے ہوئے دیہاتیوں کی امداد کے لیئے ایک انجمن قائم کی گئی، اس کا خاص مقصد یہ ہی کہ اُن کی طرز معاشرت میں اصلاح کی جائے اور اُن کا معیار زندگی بلند کیا جائے، اس کے ارکین میں یونیورسٹی کے پروفیسر اور مختلف علاقوں کے ناظم شامل ہیں جو دیہی اقتصادیات سے پوری طرح واقف ہیں، ان کے علاوہ انجمن مذکور ماہرین کا ایک عملہ بھی ملازم رکھنے والی ہی جو مصیبت زدہ دیہات میں تعینات کیئے جائیں گے وہیں جا کر قیام کریں گے اور اس طرح لوگوں کی امداد کی صورتیں پیدا کریں گے، اس انجمن کی نگرانی میں ایک ماہوار رسالہ بھی شایع کیا جائے گا جس کے ذریعہ سے

کسانوں کو اُن کے مفید مطلب مشورے دیئے جائیں گے اور یہ بتایا جائیگا کہ فصلوں کو تباہ ہونے سے بچانے کے لیئے کیا تدابیر اختیار کرنا چاہیئے، کہا جاتا ہی کہ یہ انجمن بالکل غیر سرکاری جماعت ہوگی، بانیان انجمن کو توقع ہی کہ جب تین سال میں یہ ۲۵ لاکھ کی رقم خرچ ہو جائے گی تو عام چندہ سے کام جاری رکھا جا سکے گا"

اب فی الحال ہمیں خود اپنے سے سوال کرنا چاہیئے کہ ہم نے سال میں ایک دفعہ تقریریں کرنے کے علاوہ اب تک کسانوں کی کیا عملی امداد کی ہی، وہ بھی مہاتما گاندھی کا شکریہ ادا کیجئے کہ انھوں نے دیہات سدھار کی طرف اب صحیح قدم اٹھایا ہی اگر ہم اُن کے مقاصد کو پوری طرح ذہن نشین کرلیں اور سچے دل سے اُن کی پیروی کریں تو ممکن ہی کہ کسانوں کی کچھ خدمت ادا ہو سکے جو ہمارے ملک کی جان اور ہماری قوم کے روح رواں ہیں۔

نوجوانوں کے کارنامے

جاپان کے نوجوان کسانوں کی کس طرح مدد کرتے ہیں اس کا اندازہ کرنے کے لیئے ہمارے نوجوانوں کو ذیل کا واقعہ پڑھنا چاہیئے اور اس کی تقلید کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

نوجوانوں کی انجمنوں کے فیڈریشن نے جس میں ۳۰ لاکھ رکن ہیں اپنی متعلقہ انجمنوں کو مطلع کیا کہ فیڈریشن ہذا نے دیہات کے نوجوانوں میں کاشتکاری اور صنعت وحرفت کا شوق پیدا کرنے کے لیئے ایک لاکھ ین دینا طے کیا ہی، اس رقم میں سے فی انجمن تین سو ین یا فی رکن ایک سو ین تک قرض دیا جائے گا اور اس قرض پر کوئی سود یا ضمانت نہ لی جائے گی قرض لینے والوں کو چاہیئے کہ روپیہ وصول ہونے کے ایک سال کے اندر یکمشت یا باقساط یہ رقم واپس کردیں۔

اس فیڈریشن کے پاس جو کچھ روپیہ ہی وہ سب ممبری کی فیس سے جمع ہوا ہی، کیا ہمارے یہاں نوجوانوں کی کسی انجمن کے پاس دو چار سو روپیہ بھی نکلیں گے؟ حتیٰ کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے پاس بھی ایک لاکھ روپیہ نہیں ہی، لیکن جاپان کے نوجوانوں کی انجمنیں لاکھوں روپیہ بلا سودی قرضہ دے سکتی ہیں۔ ع ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا،

دراصل یہی ہماری پستی کا سبب ہی، ہمارے ملک میں کس چیز کی کمی ہی؟ خدا کا دیا سب کچھ

موجود ہی لیکن کیا کیا جائے کہ تنظیم اور ڈسپلن مفقود ہی جس کی وجہ سے ہم بالکل بے دست وپا ہو گئے ہیں۔

وطن پرستی کی خاطر خودکشی

جاپان میں خودکشی گناہ نہیں ہے وہ اس اصول کے ماننے والے ہیں کہ "مصیبت کی زندگی بسر کرنے سے موت بہتر ہے" چنانچہ جہاں انھیں اس کا یقین ہوجاتا ہی فوراً عمل کر گذرتے ہیں، آئے دن اخباروں میں اس قسم کے خودکشی کے واقعات درج ہوتے رہتے ہیں۔

خودکشی کے بیش تر واقعات کی تہ میں وطن پرستی کا جذبہ کام کرتا ہی، اکثر سپاہیوں اور عہدہ داروں سے اگر اپنے فرض کے انجام دینے میں کوتاہی ہوجاتی ہی تو فوراً وہ خودکشی کر لیتے ہیں، بعض لوگ جب ایک عرصے کے بعد غیر ممالک سے واپس آتے ہیں اور جاپانی زبان بھول جاتے ہیں تو شرم کے مارے خودکشی کر لیتے ہیں۔

ذمہ داری کا احساس

جاپانیوں میں عموماً اور عہدہ داروں میں خصوصاً ذمہ داری کا غیر معمولی احساس موجود ہی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ ایک ذراسی غلطی کی وجہ سے ایک صوبہ کے گورنر اور متعدد عہدہ داروں نے استعفا دے دیا اور ایک پولیس انسپکٹر نے خودکشی کر لی۔

بادشاہ سلامت کسی مدرسے میں تشریف لے جا رہے تھے، اُن کی سواری کے آگے آگے پولیس کی ایک موٹر کار تھی، اتفاق سے اس موٹر سوار سے رہنمائی میں غلطی ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ سلامت مدرسہ میں نصف گھنٹہ قبل پہنچ گئے، چنانچہ ایک پولیس افسر نے جو براہ راست پروگرام کی اس بے ترتیبی کا ذمہ دار تھا شرمندگی کی وجہ سے خودکشی کر لی۔

دراصل ہوا یہ کہ شاہی جلوس کی رہنمائی کرنے میں اس نے اپنی ذمہ داری کا اتنا زیادہ احساس کیا کہ اس کا دماغی توازن درست نہ رہا اور حواس جاتے رہے، بس اسی گھبراہٹ میں اس سے یہ غلطی سرزد ہوگئی جب اسے ہوش آیا تو اپنی غلطی کا احساس ہوا، چونکہ وہ سچا جاپانی تھا

اس لیئے اس نے سوچا کہ خودکشی کے علاوہ اس غلطی کی اور کسی طرح تلافی نہیں ہو سکتی بس اس نے تلوار سے اپنا گلا کاٹ لیا۔

آج ہمارے لیڈروں میں سے جو روز نئی نئی پارٹیاں قائم کیا کرتے ہیں کتنوں میں ذمہ داری کا ایسا احساس موجود ہے؟

جاپان کی پیروی کرو ہندوستان میں ٹرموے چلانے والوں کی بے پروائی سے اکثر راہگیروں کی جانیں ضائع ہوتی رہتی ہیں اور اکثر یہ لوگ مجروح کو چھوڑ چھاڑ کر تیزی سے ٹرم بھگائے جاتے ہیں لیکن جاپان میں ٹرموے والے اُن کے بچانے کے لیئے اپنے خون تک سے دریغ نہیں کرتے۔ ذیل میں ایک سبق آموز قصہ ملاحظہ کیجئے۔

ایک دن ایک ٹرم چوراہے پر سے گذر رہی تھی، ایک پانچ سالہ بچہ قریب کے احاطہ سے نکل کر پٹری پر آگیا، ٹرم والا بہت کچھ چلایا لیکن کیا ہوتا تھا، بچہ ٹرم کی زد میں آگیا اور اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی فوراً ٹرم والا اسے قریب کے ہسپتال میں لے گیا اور اس کے جسم میں خون داخل کرنے کے لیئے خود اپنا خون پیش کیا۔

ذرا اس کا مقابلہ ہندوستان کے ڈرائیوروں سے کیجئے، لیکن سچ پوچھیئے تو اس میں اُن کی کیا خطا ہے انھیں یہ کبھی سکھایا ہی نہیں جاتا کہ ذمہ داری کا احساس بھی کوئی چیز ہے وہ تو صرف یہ جانتے ہیں کہ ہمارے "صاحب بہادر" کا پولیس میں رسوخ ہے وہ ہمیں سزا سے بچالائیں گے، اسی زعم میں وہ اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ حرکتیں برابر کرتے رہتے ہیں۔

چپراسی سے وزیر سلطنت اخبار نجی نجی میں ایک قصہ شائع ہوا تھا جو میں یہاں درج کرتا ہوں، ٹوکیو کے امریکن سفارت خانہ میں ایک جاپانی چپراسی ملازم تھا، اس کا کہنا یہ تھا کہ انگریزی سیکھنے کے لیئے اس نے یہاں ملازمت کی ہے، سفارت خانہ کے فوجی افسر نے جب یہ دیکھا کہ اس سے کام نہیں چلتا تو اسے برخاست کر دیا، کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ فوجی افسر اور یہ چپراسی دونوں کون ہیں، فوجی افسر تو جنرل پرشنگ تھے جو امریکہ کی فوجیں

لے کر جنگ عظیم میں یورپ گئے تھے اور یہ نوجوان جپسی اسی جاپان کے موجودہ وزیر خارجہ کوکی ہیروٹا ہیں، ذاتی ترقی کی یہ کیسی شاندار مثال ہے!

وزیر پہلوانی کے استاد

جاپان میں وزیر اعظم سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ قلی تک ہر شخص وطن پرستی کے جذبہ اور ذمہ داری کے احساس سے معمور ہے، اور شیخی کے مغالطہ میں مبتلا نہیں ہے، ایک دفعہ میں نے ریلوے کے وزیر کا قصہ سنا تھا کہ انھوں نے خود انجن ڈرائیور کا کام کیا اور تین سو میل تک ریل چلائی، اب یہ معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے ایک جگہ پہلوانی (جوجٹسو) سکھانے کی اعزازی خدمت قبول کی ہے۔

مسٹر شنیا اور چیڈ وزیر ریلوے جوجٹسو کے ماہر ہیں، ایک دن وہ اپنا پرانا مڈل سکول دیکھنے گئے، اور اس فن کے متعلق لڑکوں کو بہت سی باتیں بتائیں، اس پر لڑکوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ مدرسہ کے مشیر کشتی کی خدمت قبول فرمالیں اور ہمیں جوجٹسو کی تھوڑی بہت تعلیم دے دیا کریں، اگرچہ سرکاری کاموں سے انھیں بہت کم فرصت ملتی ہے پھر بھی انھوں نے وعدہ کرلیا کہ ہفتہ میں ایک دن وہ اسکول کے لڑکوں کو پہلوانی سکھانے آجایا کریں گے۔

دیکھئے اس صورت سے وہاں کے سرکاری عہدہ دار قوم کی تعمیر کیا کرتے ہیں، اور اسے قوی تر بناتے ہیں لیکن ہمارے عہدہ داروں اور سرکاری افسروں کا حال تو آپ پر اچھی طرح روشن ہے اس لئے اُن کے متعلق یہاں کچھ لکھنا ہی بیکار ہے (ان کا پہلا قصہ ملاحظہ ہو)

وزیر انجن ڈرائیور

ایک دن جب سوبائے ایکسپریس اوساکا پہنچی تو پلیٹ فارم پر نئے وزیر ریلوے مسٹر شنیو وچیڈ کے استقبال کے لئے بہت بڑا مجمع تھا، لوگوں نے ساری ٹرین میں وزیر موصوف کو تلاش کیا لیکن وہ کہیں نہ ملے، اسی اثنا میں ڈائننگ کار سے کچھ لوگ برآمد ہوئے جو تیل اور سیاہی میں لت پت تھے اور بالکل انجن ڈرائیور معلوم ہوتے تھے "دیکھنا وہ ہیں ریلوے وزیر" کسی نے ان میں سے ایک فربہ آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، جو انجن کی طرف نہایت تیزی سے چلا جا رہا تھا سب نے انھیں دیکھا اور پہچان لیا مجمع ان کی طرف

بڑھا لیکن انھوں نے اپنے قدم تیز تر کر دیئے اور بڑھ کر انجن میں اس جگہ بیٹھ گئے جو ڈرائیور کے لیئے مخصوص ہی، اس کے بعد گاڑی چھوٹ گئی اور سب لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔

ڈاکو بھی ضمیر رکھتے ہیں جاپان میں ڈاکو اور مجرم بھی ضمیر کی آواز سنتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، ایک قصہ ملاحظہ کیجئے:۔

ایک دن ایک نوجوان میگورو کے پولیس تھانہ میں داخل ہوا اور کہا کہ میں نے حال ہی میں ایک ڈاکہ ڈالا ہی لہذا مجھے گرفتار کر لیا جائے، اس نے بیان کیا کہ تین سال پہلے میں ڈاکہ کے سلسلے میں گرفتار ہوا تھا لیکن یہ وعدہ لے کر مجھے چھوڑ دیا گیا تھا کہ اگر پھر کبھی قانون کی خلاف ورزی کروں تو خود آکر پولیس میں اس کی اطلاع دے دوں گا، چنانچہ اس مرتبہ چوری کرنے کے بعد یکایک مجھے اپنا وعدہ یاد آگیا اس لیئے میں حاضر ہوا ہوں، تحقیق کرنے پر پولیس کو معلوم ہوا کہ واقعی چار گھنٹہ قبل وہ ایک شخص کے مکان میں گھسا تھا اور چاقو سے اسے ڈرا کر اور کچھ روپیہ لے کر فرار ہو گیا تھا،

اس قسم کے بہت سے واقعات جاپان کے اخباروں میں ہر مہینے شائع ہوتے رہتے ہیں، بار ہا مجرم خود اپنے تمام سابقہ جرائم کا اقبال کرتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں کافی سزا دی جائے،

ہندوستان کی پیروی جاپان میں اب ہندوستان کا قدیم طریقہ تعلیم رائج ہو رہا ہی یعنی گرو کل کا وہ طریقہ جو اخلاق کے درست کرنے میں نہایت مفید ثابت ہوا ہی، پرانے زمانے میں وہاں بھی مندروں کے ملحقہ مدارس قائم تھے، اس قدیم طریقہ تعلیم میں بہت سی خوبیاں تھیں کیوں کہ اس میں معلم اور متعلم کے درمیان براہ راست تعلق قائم رہتا تھا جس سے بچوں کے اخلاق پر بہت اچھا اثر پڑتا تھا محکمہ تعلیم نے اب یہ طے کیا ہی کہ اس قسم کے مدارس کو از سر نو جاری کیا جائے، علاقہ ہیسے میں مسٹر ہدیو تکیدا نے پرانے طرز کا ایک نجی اسکول قائم کیا ہی، یہ قدیم طریقہ تعلیم کا مکمل نمونہ ہی سرکاری امداد سے عنقریب اسی قسم کے اور اسکول ملک کے طول و عرض میں قائم کیئے جائیں گے۔

ہندوستانی مجسٹریٹ غور کریں

ان ہندوستانی مجسٹریٹوں کو جو انگریزی حضور کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے سیاسی مقدمات میں ملزموں کو سخت سزائیں دیتے ہیں ذیل کے واقعہ پر غور کرنا چاہیئے

جاپان کے مجسٹریٹ حکومت کے اشارے پر نہیں چلتے بلکہ خدا کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں اور اسی سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اخبار نچی نچی کا بیان ہے کہ خونی برادری کے ۱۴ اراکین نے نظام حکومت کو بدلنے کے لیئے ایک وزیر مال کو قتل کرنے کی سازش کی تھی، ان کا مقدمہ کو نجرو فیوجی جج کی عدالت میں زیر سماعت تھا، جیسے جیسے فیصلہ سنانے کا دن قریب آتا جاتا تھا، جج موصوف صبح مندر میں جاتے تھے اور اپنی ہدایت کے لیئے دعا کرتے تھے، سرکاری وکیل نے اس گروہ کے لیڈر نشو انوئی کے علاوہ تین دوسرے ملزمین کے لیئے بھی سزائے موت کا مطالبہ کیا لیکن جج کو خدا نے توفیق عطا کی اور انھوں نے ان کو بہت معمولی سزائیں دیں۔

اس مقدمہ میں ایک بودھ مشنری نے بھی صفائی کی جانب سے گواہی دی تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگرچہ بودھ مذہب میں کسی کی جان لینے کی سخت ممانعت ہے لیکن ایسے لوگوں کو قتل کر دینے کی اجازت ہے جن سے ملک کو نقصان پہنچا ہو اُن کا نام مسٹر گمیو یاموتو تھا اور یہ دیوتا کوجی مندر کے سب سے بڑے پروہت اور نشو انوئی کے استاد تھے، انھوں نے فرمایا کہ انوئی نے قومی جذبہ کے ماتحت بودھ مذہب کے بنیادی اصولوں کو نظر انداز کیا اس لیئے خواہ اسے انتہائی سزا بھی دے دی جائے لیکن اس کی روح ہمیشہ ملک کی خدمت کرتی رہے گی۔

اس ضعیف العمر پروہت نے ابتدا میں کہا کہ میں قانونی نقطۂ نظر سے انوئی کی وکالت کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ روحانی اعتبار پر اس معاملہ کو صاف کرنا چاہتا ہوں اور نشو انوئی کے فعل پر بودھ مت کے لحاظ سے روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

نشو عرصہ تک میرا شاگرد رہا ہے اور اس نے بودھ مت کے تمام اصولوں کو اچھی طرح سمجھا ہے اس لیئے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ نشو نے یہ فعل مذہبی ناواقفیت کی بنا پر نہیں کیا

بلکہ ملک کے حالات نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا بودھ مذہب میں ہر مخلوق کو حتیٰ کہ کیڑوں تک کو مارنے کی ممانعت ہے لیکن اگر کُل کی خاطر جزو کو یا تمام مخلوق کی خاطر ایک فرد کو مارنے کی ضرورت ہو تو بودھ مذہب اس کی اجازت دیتا ہے، مہاتما بُدھ کے علاوہ تمام بودھ اوتار کوئی نہ کوئی ہتھیار لیئے ہوئے ظاہر کیے گئے ہیں، یہ ہتھیار اسی لیئے ہیں کہ مخلوق کے دشمنوں کو ہلاک کر دیں۔

نشو کو مستقبل میں بھی قوم کی خدمت کرنے کا موقع حاصل رہے گا، اگر قانون اسے موت کی سزا بھی دے دے پھر بھی اس کی روح ہمارے درمیان رہے گی، نشو تونین کے سچے جذبہ کا حامل ہے اس لیئے اگر ہم اسے مار بھی ڈالیں تب بھی اس کی روح اس اعلیٰ جذبہ کی حفاظت کرتی رہے گی، دراصل جاپانی قوم کا انحصار اسی جذبہ پر ہے۔

ذرا تصور کیجیے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان میں کسی سیاسی قتل کے مقدمہ میں اس قسم کی گواہی دیتا تو اس کا حشر کیا ہوتا؟ قاتل کی حمایت کے جرم میں اسے گرفتار کر کے فوراً سات برس کے لیے بھیج دیا جاتا یہ ہے ایک آزاد اور غلام قوم کا فرق۔

اسی مقدمہ میں جاپان کے طول و عرض سے ہزاروں لاکھوں آدمی جج کے پاس عرضیاں لے کر حاضر ہوئے اور التجا کی کہ ملزموں کو بہت معمولی سزا دی جائے کیوں کہ ان کی نیت نہایت اعلیٰ، بے غرضانہ اور وطن پرستانہ تھی، چنانچہ جج نے انھیں نہایت معمولی سزا دی گویا اسے رائے عامہ کے سامنے جھک جانا پڑا۔

بخلاف اس کے آپ کو یاد ہوگا کہ ہندوستان میں بھگت سنگھ کی جان بخشی کے لیئے لاکھوں آدمیوں نے میموریل بھیجے اور خود مہاتما گاندھی نے اپنی پوری قوت صرف کر دی کہ محض اظہار دوستی کے طور پر لارڈ ارون بھگت سنگھ اور اس کے ساتھیوں کو معاف کر دیں لیکن سب کچھ بیکار ثابت ہوا۔

جاپانی فلسفہ

اخبار نچی نچی کے چیف ایڈیٹر مسٹر تکائشی نے جاپانی فلسفہ کو صرف ایک لفظ میں بیان کیا ہے، یعنی "حوصلہ" وہ لکھتے ہیں:-

”جاپانی قوم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ بڑھتے ہوئے حوصلوں کی حامل ہے، لوگ انفرادی و اجتماعی ہر حیثیت سے کبھی اپنی موجودہ حالت پر قانع ہو کر نہیں بیٹھ جاتے، جب تک حال ماضی سے بہتر نہ ہو، اور مستقبل حال سے بہتر نہ ہو تو وہ اسے تنزّل سے تعبیر کرتے ہیں، اور صورت حالات کی بہتری کی کوشش کرتے ہیں، گویا جاپانی قوم کے فلسفہ کو صرف ایک لفظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے یعنی ”حوصلہ یا اولوالعزمی“
